



**HINDU PERSONAL LAW AND MUSLIM PERSONAL LAW  
- A COMPARATIVE STUDY**

**ABSTRACT  
THESIS**

**SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF**

**Doctor of Philosophy**

**IN**

**SUNNI THEOLOGY**

**BY**

**KAMAL ASHRAF**

**Under the Supervision of**

**Dr. (MUFTI) ZAHID ALI KHAN**

**(Department of Sunni Theology)**

**DEPARTMENT OF SUNNI THEOLOGY  
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY  
ALIGARH (INDIA)**

**2008**



ہندو پرسنل لا اور مسلم پرسنل لا

کا تقابلی مطالعہ

تلخیص

مقالہ برائے پی ایچ ڈی

مقالہ نگار:

کمال اشرف

نگراں:

ڈاکٹر (مفتی) زاہد علی خان

(ریڈر، شعبہ سنی تھیالوجی)

شعبہ سنی تھیالوجی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۲۰۰۸ء

T-7450



T7450

**THESIS**

## خلاصہ بحث

تحقیقی مقالات کی یہ روایت رہی ہے کہ ہر ریسرچ اسکالر اپنے مقالہ کے ساتھ الگ سے اپنی بحث کا خلاصہ، اور ان کے نتائج اور ہر باب کے محتویات کا تعارف اپنے خلاصہ بحث میں کرتا ہے۔ اسی روایت کو پیش نظر رکھ کر میں نے ہندو مسلم پرسنل لا کے الگ الگ تعارف کے بعد ان کا تقابلی مطالعہ پیش کرنے کی اپنے مقالہ میں کوشش کی ہے۔

میں نے اپنے مقالہ میں پرسنل لا کی تعریف، اس کا تاریخی پس منظر و تاریخی ارتقاء بیان کرنے کی سعی کی ہے۔

میں نے خدا کے فضل سے اس عام غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ ”پرسنل لا پہلی مرتبہ دنیا کو انگریزوں نے دیا۔ اس سے قبل لوگ اس سے ناواقف تھے“ میں نے تاریخی تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ کس طرح تیرھویں صدی میں اپنے قیام کے ساتھ ہی عثمانی خلافت نے مسلمانوں کے مذہبی مسائل کے حل کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی۔ اور جب کچھ علاقے ان کے ہاتھ سے غیر مسلم حکومتوں کے قبضہ میں چلے گئے تو انہیں مسلم عوام کی دینی رہنمائی (جو ایک خلیفہ کا کام ہے) کی فکر لاحق ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے عیسائی حکمرانوں سے مسلمانوں کے شخصی مذہبی حقوق (Personal Law) حاصل کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جس سے یہ حقوق مسلمانوں کو حاصل ہوئے۔ اس طرح خلیفہ نے سیاسی اقتدار سے بے دخلی تسلیم کر لی لیکن ساتھ ہی غیر مسلم حکمرانوں سے ان کے علاقے میں رہنے والی مسلم اقلیت کے بنیادی مذہبی حقوق کے تحفظ کی گارنٹی بھی حاصل کر لی اور خود خلیفہ کا مذہبی اقتدار ان پر تسلیم کر لیا گیا۔ اور مفتی، قاضی و امام، خلیفہ عثمانی مقرر کرنے لگے۔

مسلمانوں کے حقوق کے حصول کے بعد عیسائی حکمرانوں کو اپنی غیر مسلم رعایا (عیسائی رعایا) کے مذہبی حقوق کے حصول کی فکر لاحق ہو نا فطری امر تھا۔

چنانچہ روس کی کیتھرین دوم (Catherine II) نے عثمانی خلیفہ کے علاقے میں بسنے والی عیسائی اقلیت کے لئے ان کے مذہبی بنیادی حقوق (Personal Law) کے تحفظ کے لئے روس کو انتظام کرنے، پادری مقرر کرنے اور مذہبی امور انجام دینے کی خلیفہ سے اجازت حاصل کر لی۔ اس طرح خلیفہ عثمانی و کیتھرین دوم دونوں سب سے پہلے دنیا میں پرسنل لا کے تحت آنے والے حقوق کو تحفظ دینے و دلانے والے بنے یہ اصطلاح لگ بھگ تین سو سال پرانی ہے۔

میں نے اپنے مقالہ میں اس عنوان کو اختیار کرنے کی یہ اہم وجہ لکھی ہے کہ ہندوستان میں دو بڑی اکثریتیں رہتی ہیں: (۱) ہندو (۲) مسلم، دونوں کو اکٹھا کرنے سے 95% نے زائد ہندوستانی ان کے تحت آ جاتے ہیں۔

ہندوستان میں قاضی و مفتی کا جس طرح نظام قائم تھا اسی طرح غیر مسلم عوام کے لئے پنڈت



فیصلہ کرتا تھا میں نے اس کا بھی اپنے مقالہ میں تذکرہ کیا ہے۔  
میں نے ۱۹۷۱ء کے گورنر جنرل ہندوستان کے فرمان کا بھی جائزہ لیا ہے۔ کہ انہوں نے  
کس طرح اپنے فرمان سے شریعت اسلامیہ کے ہندوستان میں نفاذ کو محدود کر دیا۔  
آگے میں نے اپنے مقالہ میں مخصوص مذہبی قوانین (Personal Laws) کو محدود و محفوظ  
کرنے والے مختلف ایکٹوں و قوانین کا بھی تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

### پرسنل لا کو محدود کرنے والے ایکٹ و قوانین

محدود کرنے والے قوانین / ایکٹوں میں ۱۸۵۶ء کا ’’آزادی عقیدہ کا ایکٹ‘‘ ۱۹۲۹ء  
کا شارڈا ایکٹ، ۱۹۵۶ء کا اسپیشل میرج ایکٹ وغیرہ ہیں۔

### پرسنل لا کو محفوظ کرنے والے قوانین و ایکٹ

۱۸۸۲ء کا انتقال جائداد ایکٹ، ۱۸۸۲ء کا ہی ٹرسٹ ایکٹ اس سے مسلم وقف کو علیحدہ  
رکھا گیا۔ اسی طرح ہندوستانی وراثت ایکٹ ۱۹۲۵ء کسی ہندو اور مسلم پر نافذ نہیں ہوتا۔  
دونوں اس کے نفاذ سے مستثنیٰ ہیں جبکہ عیسائیوں و پارسیوں پر نافذ ہوتا ہے۔  
اس ناچیز نے عیسائیوں کے تحفظ حقوق کے لئے عیسائیوں سے متعلق قانون ازدواج ۱۸۷۲ء اور  
قانون طلاق ۱۸۶۹ء کا تذکرہ کیا ہے۔

### پارسی حضرات کے پرسنل لا کے تحفظ کے لئے پارسی ایکٹ ۱۹۳۶ء ہے

اس کے بعد میں نے دستور ہند کے حصہ تین (Part-III) میں دئے گئے بنیادی  
حقوق (Fundamental Rights) دستوری دفعہ (12 سے 35 تک) کا تذکرہ کیا اور  
یہ بتایا کہ یہ اتنے اہم و مضبوط حقوق ہیں کہ نہ تو انہیں کوئی عدالت چھین سکتی ہے اور نہ ہی انہیں  
کسی عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ ان میں خاص کر مذہبی آزادی سے متعلق دستوری  
دفعہ 25 و 26 کا میں نے تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

اس کے بعد میں نے دکھایا ہے کہ ہمارے دستور کے مطابق حقوق تین طرح کے ہوتے  
ہیں۔ اور ہر ایک کے تحفظ کے لئے دستور ہند میں پختہ انتظامات کئے گئے ہیں :

(۱) بنیادی حقوق (Fundamental Rights)

(۲) دستوری حقوق (Constitutional Rights)

(۳) قانونی حقوق (Legal Rights)

پھر یہ بتایا گیا ہے کہ دستور کی دھجیاں اڑاتے ہوئے ہندوستان میں بنیادی حقوق سے بھی  
آج مسلمان کس طرح محروم کیا جا رہا ہے، دستوری حقوق و قانونی حقوق ملنے کا اسے سوال ہی  
کب اٹھتا ہے؟

اس کے بعد میں نے ’ہندو‘ اصطلاح کا جائزہ لے کر ثابت کیا ہے کہ یہ مذہبی اصطلاح کبھی  
نہیں رہی انگریزوں نے پہلی مرتبہ اسے اس معنی میں بنایا اور استعمال کیا البتہ یہ جغرافیائی

اصطلاح ہمیشہ سے رہی ہے۔ اس کے ارتقاء کا بھی میں نے تحریری جائزہ لیا ہے۔  
میں نے اپنے مقالہ میں جین مت، ویدک مت، بدھ مت، سکھ مت، عیسائیت اور اسلام کا  
تعارف بھی کرایا ہے۔

اس کے بعد تاریخی نشیب و فراز اور بڑے واہم بادشاہوں کی پالیسی کا بھی ذکر کیا ہے۔  
آریہ، دراوڑ و دیگر ہندوستانی قوموں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔  
میں نے باب اول میں ہندوستانی مذاہب کا تعارف کرانے کے ساتھ ہندوستان کی قدیم تاریخ،  
مذاہب کی تاریخی حیثیت، فلسفے، ان کے فرقے، ہر ایک کے اثرات وغیرہ کا جائزہ لیا ہے۔

## باب دوم میں پرسنل لا۔ تاریخی تناظر میں

اس عنوان کے تحت پرسنل لا کی شرعی، ملّی حیثیت، ہندوستانی پرسنل لا کا تاریخی جائزہ۔  
پرسنل لا کے عام مسلمان پر اثرات، مسلمانوں پر نفاذ، اسی طرح مسلمانوں کے دو مخصوص  
طبقات موپلا و میمن کے لئے علاحدہ حقوق۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ اگر کوئی  
قانون ہندوستانی پارلیا منٹ بناتی ہے تو وہ سب جگہ نافذ ہوتا ہے سوائے جموں و کشمیر کے  
دفعہ 370 کی وجہ سے جہاں مسلمانوں کی تعداد غیر مسلموں سے زیادہ ہے۔

میں نے تنجیت، وصیت اور دستور ہند کے عنوان کے تحت بھی مفید مواد جمع کیا ہے۔ فقہی  
مسائل کا پس منظر مسلم پرسنل لا کی روشنی میں بیان کیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حقوق صرف  
فقہ حنفی (جن کی ملک میں غالب اکثریت ہے) کو ہی حاصل نہیں ہوں گے بلکہ تمام مسلم فرقوں  
(اگر اختلاف ہو) کو بھی حاصل ہوں گے۔

میں نے Codification (تدوین فقہ) اور غیر مدوّن قوانین کی یکسانیت شریعت و دستور  
دونوں میں دکھائی ہے۔

باب سوم کے تحت اس نا چیز نے ہندو پرسنل لا کے مآخذ، اسی طرح مسلم پرسنل لا کے مآخذ پر  
بھی تفصیلی کلام کیا ہے۔ ہندو مآخذ میں شروٹی، اسمرتی، دھرم سوترا اور دھرم شاستر، شریوں اور  
رسم و رواج (خاندانی، طبقاتی، اور علاقائی) وغیرہ بیان کی ہیں۔ جدید مآخذ میں اصول عدل  
(ہندو)، نظیر (Precedent) اور قانون سازی (Legislation) وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

اسی باب کے تحت شریعت اسلامی کے مآخذ بھی بیان کئے گئے

(۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس (۵) استسنان (۶) اصطلاح / مصلحہ  
مرسلہ (۷) ماقبل کی شریعت (۸) تعامل صحابہ (۹) مسئلہ اشخاص کی آراء (Experts)  
Opinion (۱۰) عرف، عادت و رواج (جو عدل کے خلاف نہ ہو اور ظلم و استحصا کو جنم  
نہ دے) (۱۱) ملکی قوانین (۱۲) استصحاب۔

باب چہارم میں ہندو نے ہندو اور مسلم پرسنل لا کا علاحدہ علاحدہ جائزہ لیا ہے۔

چنانچہ ہندو ازدواج (Hindu Marriage)، دھرم شاستر کے تناظر میں ازدواج،  
ہندو میرج ایکٹ (The Hindu Marriage Act, 1955)، فاتر العقل کا نکاح، گوئنگے

بہرے کی شادی، بیوہ کی مکرر شادی، سگوتر، سپنڈ اور سگوتر ازدواج، سپنڈ ازدواج کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

اس کے بعد اس ناچیز نے ہندو وواہ (ازدواج) کی قسموں کو بیان کیا ہے (۱) برہم وواہ (۲) دیو وواہ (۳) ارش وواہ (۴) پر جاپتی وواہ (۵) اشور وواہ (۶) گاندھرو وواہ (۷) راکشس وواہ (۸) پیشاچ وواہ۔

اس کے علاوہ ہندو وواہ (ازدواج) میں رقم کا معاہدہ، شوہر و زوجہ کے حقوق شاستروں کی روشنی میں بیان کئے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی میں نے طلاق (Divorce) (اگرچہ صرف قانون میں ہی ہے) زوجہ کی بدچلتی سے ازدواج پر اثر وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

### نان و نفقہ

اس کے تحت بیوہ کا نان و نفقہ، بدچلتی کی صورت میں نان و نفقہ اسی طرح میں نے ہندو غیر منقسم خاندان (Hindu Undevided Family) اور نان و نفقہ ایکٹ (Maintenance Act, 1956) اور داشتہ کا بیٹا وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

وراثت (Inheritance): (کن کو وراثت ملے گی) کے عنوان کے تحت اولاد، داسی پُتر، بیوہ، مکرر ازدواج، بیٹی و نواسی کی وراثت کا مسئلہ، ناقابل تقسیم جائداد کی وراثت محروم الارث اشخاص وغیرہ کا بھی تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

اس کے علاوہ تبینیت (Adoption)، ولایت و نابالغی کا مسئلہ استری دھن، منواسرقتی اسی طرح متاکثر، اور دیا بھاگ، وصیت کا اختیار (Wills)، مذہبی دان (Trust)، دان (Gift) وغیرہ بیان کئے ہیں۔

اگلے باب میں اس ناچیز نے مسلم پرسنل لا اور اسلامی شریعت کے اعتبار سے حقوق و اختیارات، نکاح کے مقاصد وغیرہ کو بیان کیا۔ نیز نسبی محارم، ازدواجی محارم، اور رضاعت سے محارم بیان کئے۔ ان کے علاوہ تعدد ازدواج (Polygamy)، غیر مسلم سے شادی طلاق، وراثت (Inheritance) لعان، متعہ، اقسام نکاح: نکاح صحیح، نکاح باطل، نکاح فاسد، اور ہر ایک میں فرق بیان کیا ہے تفویض طلاق، ایلاء، ظہار اور خلع وغیرہ کے مسائل کو پیش کیا ہے ثبوت نسب، حضانت، وصیت، اسی طرح وصیت میں جب، عدل مناسخہ وغیرہ کو بیان کیا ہے۔ نیز وقف، ہبہ، وصیت و عدت کا بیان بھی کیا گیا ہے۔ اس ناچیز نے اپنی دانست میں ہندو و مسلم پرسنل لا دونوں کو سنجیدگی، محنت اور خلوص کے ساتھ ایک جگہ کتابی شکل میں جمع کر دیا ہے۔

میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا اس کے لئے میرے محبین و علم کے خادموں سے تعمیری رائے کی توقع رکھتا ہوں۔ فقط والسلام

-- کمال اشرف



# **HINDU PERSONAL LAW AND MUSLIM PERSONAL LAW - A COMPARATIVE STUDY**

**THESIS**

**SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF**

**Doctor of Philosophy**

**IN**

**SUNNI THEOLOGY**

**BY**

**KAMAL ASHRAF**

**Under the Supervision of**

**Dr. (MUFTI) ZAHID ALI KHAN**

**(Department of Sunni Theology)**

**DEPARTMENT OF SUNNI THEOLOGY  
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY  
ALIGARH (INDIA)**

**2008**

**THESIS**



باسمہ تعالیٰ

# ہندو پرستل لا اور مسلم پرستل لا کا تقابلی مطالعہ

## فہرست

انتساب.....

امتنان و تشکر.....

۱-۱۵

پیش لفظ

باب اول :- ہندوستانی مذاہب کا مختصر تعارف ۱۶-۴۳

باب دوم :- پرستل لا..... تاریخی تناظر میں ۴۴-۵۷

باب سوم :- ہندو پرستل لا اور مسلم پرستل لا کے مآخذ ۵۸-۷۱

باب چہارم :- ہندو پرستل لا (قوانین ہندو مذہب) ۷۲-۱۴۶

باب پنجم :- مسلم پرستل لا (قوانین اسلامی) ۱۴۷-۲۱۵

مصادر و مراجع :- (کتابیات) ۲۱۶-۲۲۱

# انتساب

میں اس کارِ عظیم کو والدین (جناب عین الحق صاحب، محترمہ زمرہ خاتون صاحبہ)  
کے نام منسوب کرتا ہوں جن کی محبتوں اور شفقتوں  
کا قرض دار ہوں۔ نیز اپنے دونوں مرحوم بھائیوں  
(محمد اظہار مرحوم، حادثہ 2/ نومبر، 2004ء  
وفات 11/ دسمبر، 2004ء؛ محمد اختر مرحوم،  
حادثہ 22/ نومبر، 2004ء وفات 12/ اپریل،  
2007ء) کے نام منسوب کرتا ہوں جن  
کی محبتوں اور شفقتوں کی  
تازگی آج بھی ذہن و دماغ  
میں تازہ ہے۔

## امتنان و تشکر

یہ علمی خدمت میرے لئے انتہائی شرف کا باعث ہے۔ میں اس کے لئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ نے مجھے بحسن و خوبی اس کا عظیم کوپا یہ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت نصیب فرمائی، اس موقع پر میں اپنے دونوں بھائیوں محترم محمد اظہار مرحوم (عمر ۲۵ سال) اور محترم محمد اختر (عمر ۳۵ سال) کا بھی شکریہ ادا کرنا اپنا خوشگوار فریضہ سمجھتا ہوں جو آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں، اول الذکر 2 نومبر، 2004ء کو دھبہ داس سے آسنسول کا سفر کرتے ہوئے ایک سڑک حادثہ میں زخمی ہو گئے اور بوکارو اسپتال کے I.C.U. میں تقریباً 40 دن زیر علاج رہنے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے، ثانی الذکر محمد اختر صاحب محمد اظہار (مرحوم) کی تیمارداری کر کے 22 نومبر 2004ء بوکارو سے دھبہ داس گھر واپس آ رہے تھے، راستے میں بس پلٹ گئی جس سے آپ کو شدید چوٹیں آئیں اور آپ تقریباً معذور (Paralysis) ہو گئے کلکتہ اسپتال میں تقریباً 2 سال 2 ماہ زیر علاج رہ کر وفات پا گئے، (اللہ وانا الیہ راجعون) ان دونوں کی نظر عنایت ہمیشہ مجھ پر رہی، اللہ تعالیٰ دونوں مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے (آمین)۔

اس کام کی تکمیل میں والدہ محترمہ زہرہ خاتون اور والد محترم جناب عین الحق صاحب (اللہ تعالیٰ ان کا سایہ رحمت ہم پر تادیر قائم رکھے، آمین) کی دعائیں اور ان کی محبتیں کا رفرما رہی ہیں۔ اگر ان کی بہترین تربیت مشعل راہ نہ بنتی تو شاید میں اس لائق نہ ہوتا۔

ناسپاسی ہوگی اگر ہم اپنے سرپرست جناب ڈاکٹر (مفتی) زاہد علی خاں، ریڈر، شعبہ سنی فیکلٹی آف تھیالوجی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، کا شکریہ ادا نہ کروں، جنہوں نے قدم قدم پر خاردار راہوں میں میری مدد فرمائی۔ نیز خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری، پٹنہ کا بھی تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں اور وہاں کے آفس اسٹاف کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے لائبریری میں قیام (11 جون تا 21 جون، 2007ء) کے دوران مدد کی۔ نیز محمد اکرم علی (Typist) کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے پوری توجہ اور محنت و لگن سے کام کیا۔ جزأہم اللہ خیر الجزأ

فقط والسلام

کمال اشرف



پیش لفظ

## پیش لفظ

شخصی / عائلی قوانین (الأحكام الشخصية / القوانين الشخصية / Personal Law) یہ نسبتاً ایک جدید اصطلاح ہے۔ جس کی عمر بمشکل تین سو سال ہے۔

اس کے پس منظر کے لئے یہ جان لینا نہایت مفید ہوگا کہ خلفاء عثمانیہ نے تیرھویں صدی عیسوی میں اپنے عروج کے بعد مسلمانوں کے مذہبی شخصی مسائل کے حل کے لئے اپنے پڑوسی عیسائی ممالک سے رابطے قائم کیے۔ فتح قاہرہ اور خلیفہ عباسی مصری (دور عباسی ثانی) کے ذریعہ سلطان ترکی کو مذہبی تبرکات، مصحف عثمانی اور جُبہ رسول ﷺ وغیرہ کی منتقلی اور بطور خلیفہ دستار بندی کے ساتھ پرسنل لا (Personal Law) کی ابتدائی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ خلیفہ عثمانی (سلطان ترکی) سے روس، مغربی و مشرقی یورپ اور وسطی ایشیاء و چین کے علاقوں میں پڑوسی ملکوں سے ہمیشہ آویزش رہتی تھی۔ جن میں کبھی غلبہ خلیفہ اور کبھی ان کے مخالفین کو ہوتا تھا۔ ان تمام علاقوں میں مسلمان بسے ہوئے تھے۔ لہذا خلیفہ نے اپنی مذہبی ذمہ داری اور حیثیت کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کے مخصوص مذہبی مسائل کے حل کے لئے سنجیدہ و مسلسل کوششیں کیں اور عیسائیوں کے زیرنگیں علاقہ کے مسلمانوں کی مذہبی پیش وایت اور ان کے مسائل کے حل کے لئے ہمیشہ فکر مندی کا مظاہرہ کیا جس کے خوشگوار نتائج نکلے، ساتھ ہی خلیفہ نے مسلسل یہ یقین دہانی اُن حکومتوں کو کرائی کہ آپ کے سیاسی اقتدار اعلیٰ کا یہ مسلمان ہمیشہ احترام کریں گے، اس طرح کی یقین دہانی غیر مسلم حکومتوں کے زیرنگیں رہنے والے مسلمان رعیت کے تمام طبقوں نے بھی کرائی۔ لہذا مکاتبت کے نتیجے میں خلیفہ کو قاضی، مفتی اور امام وغیرہ کے تقررات کے خصوصی مذہبی اختیارات حاصل ہوئے۔ جس سے مسلمانوں کے شخصی عائلی قوانین (Muslim Personal Law) کے تحفظ کا خلیفہ کو اختیار حاصل ہوا۔ لہذا خلیفہ عثمانی ہمیشہ ایسے علماء و فضلاء کا تقرر کر کے غیر مسلم علاقوں / ملکوں کی مسلم رعایا کے لئے بھیجتے کہ جو اسخ العلم ہوتے اور عوام الناس (مسلمانوں) کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ جس سے مسلمانوں کو غیر معمولی فائدے حاصل ہوئے۔ اس کے نتیجے میں عیسائی حکمرانوں کو بھی خلیفہ عثمانی (سلطان ترکی) سے سلطنت عثمانی کے اندر رہنے والی عیسائی رعیت کے مذہبی حقوق کے تحفظ کی فکر لاحق ہوئی چنانچہ انہوں نے بھی خلیفہ عثمانی سے عیسائیوں کے مذہبی حقوق، چرچ، پادریوں کا تقرر اور پرسنل لا کے تحفظ کی اپنی مذہبی ذمہ داریوں کا ذکر کیا جسے خلیفہ نے بھی بخوشی تمام عیسائی رعایا کو عطا

فرمانے کا اعلان کیا۔ اس طرح تمام عیسائی رعیت (جو سلطان ترکی کے زیر نگین رہتی تھی) کو بھی مخصوص شخصی عیسائی عائلی قوانین (Christian Personal Law) کے حقوق دیے گئے۔

رومانوف خاندان (Romanof Dynasty) (1613ء-1917ء) جسے زار (Czar of Russia) بھی کہا جاتا ہے۔ نے لگ بھگ تین سو سال تک روس پر حکومت کی، اکتوبر 1917ء کے کمیونسٹ انقلاب سے اس حکومت کا خاتمہ ہوا۔ پیٹر اعظم اپنی بیٹی ایلزبتھ کے ہاتھوں بغاوت کے بعد 1741ء میں مارے گئے۔ اس کے محض تین سال کے بعد (1744ء) میں جرمن شہزادی انہالت زرسٹ (Anhalt Zerbst) (1729ء-1796ء) کی شادی پیٹرسوم سے ہوئی۔ شادی کے بعد اس کا نام سوفی (Sophie) رکھا گیا۔ پیٹرسوم جون 1762ء میں تخت نشین ہوئے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد پیٹرسوم کا قتل ہو گیا (بعض مورخین الزام بیوی پر بھی لگاتے ہیں)۔ شوہر کے قتل کے بعد انہالت زرسٹ (Anhalt Zerbst) یعنی سوفی (Sophie) کیتھرین دوم (Catherinell) کے نام سے 1762ء میں ہی تخت نشین ہوئی۔ اور 1762ء سے 1796ء تک زارینہ روس (Czarina of Russia) رہی۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا پال اول (Paul-1) تخت نشین ہوا۔ تاریخ میں اس کیتھرین دوم کو عظیم کیتھرین (Catherine the Great) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اس کیتھرین کے دور میں خلیفہ کو مسلمانوں کے پرسنل لا کے حقوق کانگراں، محافظ اور مذہبی امور کا پیش واکیتھرین کے ذریعہ تسلیم کرنے کے بعد، کیتھرین کی طرف سے اسی طرح کا مطالبہ ترکی کی غیر مسلم (عیسائی) رعایا کے لئے کیا گیا اور مسلمانوں کی طرح عیسائیوں کے لیے مذہبی امور کی انجام دہی و رہنمائی کے لئے عیسائی مذہبی علماء و پادریوں کے تقرر کے اختیارات کیتھرین کو تفویض کرنے کا مطالبہ کیا گیا جس کو خلیفہ عثمانی، سلطان ترکی نے بخوشی قبول کر لیا۔ یہاں سے پرسنل لا کے تحفظ اور اس کو بطور حق غیر عیسائی (مسلم) اور غیر مسلم (عیسائی) کے لئے تسلیم کرنے کی تحریک ٹھوس نتیجہ کی شکل میں سامنے آئی۔ اور بالآخر اس کو حق کے طور پر تمام مسلم دنیا میں غیر مسلموں کے لئے اور تمام غیر مسلم دنیا میں مسلمانوں کے لئے تسلیم کر لیا گیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے قاضی، مفتی کا تقرر اور اس کی عدالت میں شریعت کی روشنی میں فیصلے، اسی طرح غیر مسلم ہندو رعایا کے لئے پنڈت کا تقرر کہ جس کے ذریعے ہندو عوام کے فیصلے ان کے ہی مذہبی پیشوا ان کے مذہب کے مطابق کرتے تھے یہ بھی دور وسطیٰ میں پرسنل لا کے تحفظ کی ہی ایک شکل تھی۔ بعض غیر مسلم ہندو اپنی مذہبی عدالت کے بجائے قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کرنا اس

خیال کے تحت پسند کرتے تھے کہ ان کے بقول انہیں قاضی کے یہاں پنڈت کے مقابلہ میں انصاف کی قوی امید ہوتی تھی۔ اس کی بھی حکومت کی طرف سے اجازت تھی۔

ہندوستانی غیر مسلم رعایا کے مخصوص مذہبی، شخصی قوانین (Personal Laws) کے علاوہ باقی تمام معاملات میں شریعتِ محمدی نافذ تھی، فیصلے شریعت کی روشنی میں ہوتے تھے۔

1791ء میں گورنر جنرل ہندوستان نے ایک فرمان (Regulation) جاری کیا کہ شریعتِ محمدی صرف اس وقت نافذ ہوگی کہ جب فریقین مسلم ہوں، باقی شہریوں پر برطانوی قوانین نافذ ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی عدالت کی زبان، بحث وغیرہ میں بھی بنیادی تبدیلی کر دی گئی اب ہندوستانی، ہندو مذہب، اسلام وغیرہ کی نظیریں فرسودہ قرار دے دی گئی۔ ان کی جگہ برطانوی، یورپی نظیریں اصل قرار پائیں۔ آگے چل کر تمام مقدمات ادنیٰ عدالتوں میں صرف انگریزی زبان میں دائر ہونے لگے، بحث وغیرہ سب انگریزی میں ہونے لگی، مقدمات کے فیصلے بھی انگریزی میں ہی ہونے لگے۔ یہ سلسلہ آج تک 61 سال کی آزادی بعد بھی قائم ہے۔ 1791ء کی تبدیلی کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ پُرانا طبقہ جو عدالتوں سے وابستہ تھا سب بے روزگار ہو گیا۔ اس کے علاوہ اب تک جو اقتدار اعلیٰ انہیں عدالتوں وغیرہ کے ذریعہ حاصل تھا اس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

ہم پرسنل لا (Personal Law) کی درج ذیل تعریف کر سکتے ہیں :

“The Laws which belongs to a particular religion”

(ایسے قوانین کا مجموعہ کہ جو کسی مخصوص مذہب سے تعلق رکھتے ہوں)

لہذا مسلم پرسنل لا (Muslim Personal Law) کی تعریف ہوگی :

“The laws which belongs to Muslims”

(ایسے قوانین کہ جو مسلمانوں سے ہی متعلق ہوں) یعنی مسلمانوں کی عائلی زندگی سے متعلق ہوں۔

اسی طرح ہم ہندو پرسنل لا (Hindu Personal Law) کی تعریف کریں گے :

“The Laws which belongs to Hindus”

(ایسے قوانین کہ جو ہندوؤں سے ہی متعلق ہوں)

اگرچہ مخصوص مذہبی قوانین کو محدود اور محفوظ کرنے والے بہت سے قوانین و ایکٹ

ہمارے قانون میں بنائے گئے ہیں جیسے محدود کرنے کے لئے :

1856ء کا آزادی عقیدہ ایکٹ، 1929ء کا شاردا ایکٹ، 1954ء کا اسپیشل میرج

ایکٹ (Special Marriage Act)۔

اور پرسنل کو محفوظ کرنے لئے 1882ء کے انتقالِ جائداد ایکٹ، اور 1882ء کا ہی ٹرسٹ ایکٹ کہ اس سے مسلم وقف مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح ہندوستانی وراثت ایکٹ، 1925ء کسی مسلمان اور ہندو پر نافذ نہیں ہوتا دونوں اس سے مستثنیٰ ہیں جبکہ یہ عیسائیوں اور پارسیوں پر نافذ ہے۔ نیز 1961ء ممانعت جہیز ایکٹ جس میں مال کا لین دین منع ہے۔ اس سے بھی کسی حد تک مسلمان مستثنیٰ ہیں۔ عیسائیوں کے لئے قانون ازدواج 1872ء اور قانون طلاق 1869ء نافذ ہے اور پارسی حضرات کے پرسنل لا کے تحفظ کے لئے پارسی ایکٹ 1936ء ہے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ دستورِ ہند (The Constitution of India) کے حصہ تین (Part-III) میں بنیادی حقوق (Fundamental Rights) دستوری دفعہ 12 سے 35 تک عطا کئے گئے ہیں۔ جن میں سے دفعہ 25 سے 28 تک مذہبی آزادی کے حقوق (Right to Freedom of Religion) خصوصی طور پر دیے گئے۔ ان چاروں دفعات میں سے دفعہ 25 و دفعہ 26 خاص کر مذہبی آزادی کی گارنٹی دیتی ہے۔ دونوں کی سُرخیاں ذیل میں ہیں:

## **25. Freedom of conscience and Free Profession, Practice and Propagation**

(ضمیر کی آزادی، پیشہ کی آزادی، (مذہب پر) عمل اور تبلیغ کی آزادی)

## **26. Freedom to manage Religious Affairs**

(مذہبی اجتماعات کی آزادی)

ان دونوں دستوری دفعات کی تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمیں دستورِ ہند نے بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کی شکل میں ایسے حقوق عطا کئے ہیں کہ جو تمام دستور پر افضلیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ بنیادی حق کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ کوئی بھی عدالت اسے چھین نہیں سکتی۔ اور سپریم کورٹ (Supreme Court) کی حالیہ تشریح کے مطابق سیکولر ازم (Secularism) یعنی مذہبی غیر جانب داری یہ دستورِ ہند کے بنیادی ڈھانچہ (Basic Structure of the Constitution of India) کا حصہ ہے۔ لہذا یہ معلوم ہونا از حد ضروری ہے کہ اگر دستورِ ہند کے بنیادی ڈھانچہ سے کسی مذہب (Religion) کی ضروری تعلیمات، ہدایات اور احکامات نہیں نکلرآتے ہیں تو اس مذہب کے پرسنل لا (Personal Law) کو پرسنل مذہبی معاملات میں دستورِ ہند (The Constitution of India) کے دیگر تمام قوانین اور دستوری دفعات پر برتری حاصل ہوگی۔ کیونکہ مذہبی آزادی

کا حق نہ صرف یہ کہ دستوری حق ہے بلکہ یہ بنیادی حق ہے۔ قانون کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ ہمارے دستور نے ہندوستان کے تمام باشندوں و ہر مذہب کے ماننے والوں کو تین طرح کے حقوق تسلیم کئے ہیں :

### ۱۔ بنیادی حقوق (Fundamental Rights)

جن کی حفاظت کرنا اور ہر مستحق کو مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور ان کو کسی بھی عدالت میں نہ چیلنج کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی عدالت کے ذریعہ انہیں چھینا جاسکتا ہے۔ اور عدالت و حکومت کا فرض ہے کہ ان حقوق کو اس کے مستحق کو دیں۔

### ۲۔ دستوری حقوق (Constitutional Rights)

ان حقوق کو مہیا کرنا و ان کی حفاظت کرنا یہ بھی ہر حکومت کی ذمہ داری ہے البتہ انہیں عدالت عالیہ (High Court) و عدالت عظمیٰ (Supreme Court) میں مخصوص دفعہ کے تحت چیلنج کیا جاسکتا ہے، ان کی نئی تشریح کی عدالت سے درخواست کی جاسکتی ہے۔ اور انہیں عدالت سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

### ۳۔ قانونی حقوق (Legal Rights)

اس حق کو کسی بھی عدالت عالیہ نیز عدالت عظمیٰ سے حاصل کرنے کے لئے اپیل کی جاسکتی ہے، اسی طرح نظر ثانی کی درخواست بھی کی جاسکتی ہے اپنے حق کے حصول یا تحفظ کے لئے، لیکن ناچیز یہ عرض کرنے کے جرات کرے گا کہ مسلمانوں کے معاملہ میں حکومتوں و عدالتوں کا رویہ انتہائی جارحانہ بلکہ ظالمانہ بن چکا ہے۔ انہیں قانونی کے ساتھ ساتھ دستوری بنیادی حقوق سے بھی محروم کیا جا رہا ہے، جو کسی جمہوری ملک کے لئے شرم ناک ہے۔ راقم نے اپنے مقالہ کے لئے اس موضوع کو ان ہی مصلحتوں کی وجہ سے منتخب کیا۔

میں نے اپنے تحقیقی مقالہ کے لئے اس موضوع کو اس وجہ سے بھی منتخب کیا کہ اسلام اور ہندو ازم ہندوستان کی دو بڑی اکثریتوں (پہلی بڑی اکثریت ہندو اور دوسری بڑی اکثریت مسلمانوں) پر مشتمل مذاہب ہیں۔

ہندو مذہب :

دستورِ ہند (The Constitution of India) کی دستوری دفعہ 25 کے مطابق ہندو

مذہب (Hindu Religion) میں سکھ، جین اور بدھ سب شامل ہیں۔

Explanation II (Article 25) -In sub-clause (b) of clause (2), the

reference to Hindus shall be construed as including a reference to persons professing the Sikh, Jaina or Buddhist Religion, and the reference to Hindu Religious Institutions shall be construed accordingly.

جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے، ’ہندو‘ کسی مذہب کا کبھی نام نہیں رہا بلکہ یہ ایک جغرافیائی اصطلاح (Geographical Term) ہے۔ جس کے معنی ہمیشہ بدلتے رہے۔ اور ہر لفظ کی طرح مختلف علاقوں میں یہ مختلف معنی میں بھی استعمال ہوتا تھا۔

چنانچہ ایک زمانہ میں یہ یہاں دراوڑوں اور کمزور طبقوں یا غلاموں کے معنی میں استعمال ہوا۔ پھر ایک زمانہ میں یہ ہندوستان کے صرف مسلمانوں کے لئے استعمال ہوا، اسی وجہ سے غالباً اس ملک کا نام مسلمانوں نے ہندوستان رکھا۔ ایک زمانہ میں ہندوستان کے ہر باشندہ (بحر ہند، بحیرہ عرب، ہمالیہ پہاڑ سے لے کر فرغانہ تک بسنے والی پوری قوم) کو ہندو کہا گیا اور پورے ملک کو ہندوستان، ہندو کبھی بھی مذہب کے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے لئے ’راوت‘ کی اصطلاح تھی، البتہ انگریزوں نے اسے خالص و مخصوص مذہب کے لئے استعمال کیا۔ اور جس مخصوص طبقہ کے ہاتھ میں وہ اقتدار سوئپ کر گئے اس کو انہوں نے بھرپور طریقہ سے دو سو سال تک اپنی سرپرستی میں ترقی کے مواقع فراہم کئے۔ اب بھی وہی طبقہ نہ صرف یہ کہ غالب ہے بلکہ عالمی سطح پر امریکہ و برطانیہ کے مفادات کا تحفظ بھی کر رہا ہے۔

درج بالا سطور سے یہ واضح ہو گیا کہ ’ہندو مذہب‘ کی اصطلاح مختلف مذاہب کو یکجا بولنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے جیسے: (۱) ویدک دھرم (Vedic Religion) جس کی دو بڑی شاخیں آج بھی متضاد عقیدے رکھتی ہیں:

(i) سناٹن دھرم (ii) آریہ سماج (دیگر تحریکیں جیسے برہموسماج، پرارتھنا سبھا، رام کرشن

مشن وغیرہ ان کے علاوہ ہیں)۔

(۲) جین مت: جن کے چوبیس تیر تھنکر ہوئے جن میں آخری تیر تھنکر مہادیر (وردھمان) تھے ویدک دھرم میں جانوروں کی قربانی، لڑائی و قتال کا ہر دور میں بددہ رہا۔ جبکہ جین مت میں انہماکی تعلیم ہمیں ملتی ہے، اس طرح دونوں متضاد خصوصیات کے حامل مذاہب ہوئے، اس طرح وید مت والوں کے لئے وید ہی اصل ہیں، ان کی ہی برتری اصل مذہب ہے۔ جبکہ جینی ویدوں کو اس طرح نہیں مانتے اور مہادیر کی تعلیمات ویدوں کی سنسکرت تعلیم کی جگہ پر اکرت

میں تھیں۔ کالنگا کے جین بادشاہ کھرویل نے جین سادھوؤں کے لئے بھونیشور کے قریب کئی خانقاہیں بنوائیں۔

(۳) بودھ مت: اس مت میں بھی چوبیس بودھی ستوتسلیم کئے گئے ہیں۔ تتھاکت بدھ (۵۶۷ ق م) سدھارتھ ولد شد و دھن شاکیہ راجہ، ذات پات کے نظام کے خلاف کھڑے ہوئے اس طرح انہوں نے ورن و وستھا کی مخالفت کی۔ جبکہ وید دھرم کی سب سے نمایاں خصوصیت ورن و وستھا ہی ہے۔ اس لئے یہ بھی متضاد ہوا۔ بدھ نے اپنی تعلیم پالی میں دی اور دو برہمن بھائیوں نے چھندوں (سنسکرت نظموں) میں لکھنے کی جب اجازت مانگی تو بدھ نے پالی کے علاوہ کسی اور زبان میں لکھنے کو سختی سے منع کیا اور کہا جو سنسکرت میں لکھے گا وہ میری توہین کرے گا۔ آخر تک کسی برہمن کو اپنا شاگرد نہیں بنایا بس بالکل آخر میں دو برہمنوں کو شاگرد بنایا جنہوں نے بدھ مذہب میں بہت سی تبدیلیاں کر دیں، مورتی پوجا سے بدھ نے منع کیا انہوں نے مورتی پوجا بدھ مت میں داخل کر دی۔

کشان راجاؤں میں سے راجہ کنشک کے زمانہ میں چوتھی بودھی سمیلن (مجلس) منعقد ہوئی، ہیونگ سانگ (۶۶۳-۶۰۰ء) کے مطابق مجلس کا صدر و شومتر برہمن اور نائب صدر راشوگھوش برہمن تھا۔ انہوں نے اس مجلس میں آئندہ سے تمام بدھ کی تعلیمات صرف سنسکرت (مہاتما بدھ کے حکم خلاف) زبان میں لکھنے کا فیصلہ کیا۔ جس کو نیا نام 'مہائی بھاشا' بھی انہوں نے دیا۔ اور مہاتما بدھ کی تعلیمات کے خلاف خود بودھ کی مورتی کی پوجا انہوں نے بدھ دھرم میں شروع کی جس کو انہوں نے 'مہایان' نام دیا۔ 'ہیینان' تو اب ہمارے ملک میں بہت کم تعداد میں ہیں جو مورتی پوجا کے سخت خلاف ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک پر تیک چٹھ (علامتی نشان) چراغ وغیرہ ہوتا ہے۔

بمبار (۵۴۳-۴۹۱ ق م) نے ۵۲ برس حکومت کی اس کے بعد اس کے بیٹے اجات شترو نے باپ بمبار کو قتل کر کے خود تخت پر قبضہ کر لیا۔ خود اجات شترو نے ۳۲ سال حکومت کی۔

بمبار نے جین مت و بودھ مت دونوں کی زبردست سرپرستی کی۔ غیر آریائی قدیم ترین تہذیب اور وادی سندھ کی موہن جو داڑ و تہذیب (۴۰۰۰-۳۷۰۰ ق م) دوسری ہڑپا کی تہذیب (پنجاب) بھی نہایت ترقی یافتہ تہذیبیں تھیں۔ کھدائی میں پختہ اینٹوں کے مکانات دریافت ہوئے ہیں، جن کو سوچے سمجھے پلان کے مطابق بنایا گیا ہے۔ حمام، باؤ لیاں اور رہائشی کمرے عمدہ قسم کے ان کھنڈرات میں ملے۔ سڑکیں کشادہ، گندے پانی کی نکاسی کا معقول



انتظام، بعض محققین انہیں سمیر یا اور بعض دراوڈ کہتے ہیں، ٹیکسلا بھی علم کا مرکز تھا۔  
 اس علاقہ میں (اس دور میں) ان کا رسم خط خروشتی تھا جو دائیں سے بائیں لکھا جاتا تھا  
 دوسرا غیر آریائی خاندان موریہ خاندان تھا چنانچہ درج ذیل بادشاہ بہت مشہور ہوئے:  
 ۱۔ چندرگپت موریہ (۳۲۲-۲۹۸ ق م) اس کے بعد ان کا بیٹا بندوسار بادشاہ ہوا۔  
 ۲۔ بندوسار (۲۹۸-۲۷۳ ق م) اس کے بعد پھران کا بیٹا اشوک بادشاہ ہوا۔  
 ۳۔ اشوک (۲۷۳-۲۳۶ ق م) اشوک نے ۲۶۱ ق م میں کالنگا کی لڑائی میں ہوئی خوں  
 ریزی کے بعد لڑائی و جنگ سے توبہ کی۔ شاہی مذبح خانہ بند کر دیا۔ اب اشوک بدھ مذہب ہی  
 قبول نہیں کر چکا تھا بلکہ وہ اس مذہب کا مبلغ بھی بن گیا تھا۔ اشوک کی داگ سے لے کر جاپان  
 تک عزت کی جاتی ہے۔ اشوک کے بعد اس کا بیٹا کڑال بادشاہ ہوا۔

۴۔ کڑال نے ایک برہمن سے شادی کی تھی، جس سے بردرتھ پیدا ہوا جو بادشاہ بنا۔  
 ۵۔ بردرتھ کے وزیر اعظم پُشپ مترشنگ (برہمن) نے ۱۸۴ ق م میں دھوکہ سے بردرتھ کو قتل کر  
 دیا اور خود گدی پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد برہمنیت کا احیاء ہوا اور ساتھ ہی بدھ مت کا زوال بھی  
 بودھی خانقاہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تباہ کی گئیں۔

اسی طرح وکرماجیت (چندرگپت دوم) (۳۷۵-۳۰۳ء) دور حکومت ہے، بعض ۴۰ سال  
 دور حکومت بتاتے ہیں، خوش حالی اس کے دور میں عام تھی جیسا کہ چینی سیاح فابیان نے  
 ذکر کیا ہے (وہ ۴۰۲ء میں شمال ہند پہنچا، وکرماجیت خود ہندو تھا) لیکن یہ حقیقت ہے کہ خوش  
 حالی کی داستانوں کے باوجود تمام بدھ مقامات اس کے دور میں ہی برباد ہوئے چنانچہ گیشہر  
 ویران و تباہ ہوا، بدھ گیا (شہر سے چھ میل دور) گھنا جنگل بن گیا، کپل وستو، کشی نگر کے مقدس  
 مقامات سب تباہ ہو گئے۔

ان غیر آریائی حکومتوں و تہذیبوں کے علاوہ ہندوستان میں آریہ تہذیب بھی کافی پرانی  
 ہے۔ بعض محققین اسے وادی سندھ کی تہذیب کے بعد بتاتے ہیں لہذا آریہ تہذیب غیر آریائی  
 تہذیب کے بعد کی ہوئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ دونوں تہذیبوں میں ہمیشہ ٹکراؤ رہا۔ لیکن خود  
 آریہ لوگ خود کو بہت قدیم دور میں ہند میں آیا ہوا بتاتے ہیں، بعض تو یہ کہتے ہیں کہ رگ ویدی  
 تہذیب پانچ لاکھ سال سے بھی زیادہ قدیم ہے، بعض آریہ سماجی یہ دعویٰ تک کرتے ہیں کہ  
 دید ۹۰ (نویسے) کروڑ سال پہلے اترے یا لکھے گئے۔

بعض ہندوستانی قدیم تمدن کو ابتدائی زمانہ سے ۵۰۰ ق م تک بتاتے ہیں۔

اے سی داس آریہ تہذیب کو پانچ ہزار ق م بتاتے ہیں۔  
 تلک، جے کو بی: چار تا پانچ ہزار ق م پرانی تہذیب بتاتے ہیں (موہن جھاڑو کے  
 ساتھ) لیکن ویدک ادب و مابعد ویدک ادب میں جو تحریری سال ملتے ہیں ان سے یہ اندازہ  
 ہوتا ہے کہ وید کا زمانہ تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے کا زمانہ ہے۔

تاہم ہندوستانی علم سنین کے ماہرین (Chronologists) میں کسی چیز میں بھی باہم اتفاق  
 نہیں پایا جاتا، ماہرین کے درمیان طریقہ تحقیق و معیار تحقیق سب میں زبردست اختلاف ہے۔

## آریہ لوگوں کا اصل وطن:

بعض وسط ایشیاء، بعض ڈینوب کا علاقہ، بعض پولینڈ اور بعض قفقاز کا علاقہ بتاتے ہیں۔  
 بعض کشمیر کو ابتدائی وطن ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ایک نظریہ ہے کہ آریائی اور ہند  
 آریائی، خانہ بدوش لوگ تھے جو بابل کے شمال مشرق میں آباد تھے۔  
 میکس مولر عظیم محقق کی تحقیقات مشہور اور زیادہ تر قابل اعتماد مانی جاتی ہیں۔

## سکھ مذہب:

سکھ دھرم کا آغاز گرو نانک جی یا حضرت بابا نانک شاہ جی کی تعلیم سے ہوتا ہے انہوں نے  
 اپنے شاگرد بھائی لہنا کو اپنا روحانی وارث (۱۵۳۹ء) قرار دیا اور اس کو انگد کا لقب عطا  
 کیا (یعنی بابر کی آمد - ۱۵۲۶ء کے کل ۱۳ سال بعد)۔

گرو گرنتھ صاحب ہندو بھکتوں، رشیوں اور صوفیوں نیز مسلم عالموں کے بصیرت افروز  
 کلام پر مشتمل ہے۔ گرو ارجن دیو نے امرت سر کے ہر مندر (گولڈن ٹیمپل) کا سنگ بنیاد  
 لاہور کے ایک مسلمان پیرمیاں جی میر سے رکھوایا۔

آخری گرو گرو گوہند سنگھ کی فوج میں بہت سے پٹھان شامل تھے، سید بدرالدین شاہ اور  
 ساڈھو را پیر نے گرو پر سب کچھ قربان کر دیا، بھائی و بیٹوں کے ساتھ جائیداد بھی لٹائی اور خود بھی  
 اذیت اٹھا کر جان دے دی۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ (1730-1839ء) نے 'لاہور دربار' نام سے شاندار حکومت قائم کی۔  
 اگر ہم ویدک مت، جین مت، بدھ مت اور سکھ مت کی تاریخ، تہذیب، فلسفہ اور مذہب پر نگاہ ڈالیں  
 تو ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ ہم کسی مخصوص مذہب، عقیدہ، فکر اور ہدایت کا یکسا  
 ن نظام رکھنے والے کسی ایک نظریہ، طریقہ زندگی کے بجائے متعدد دھاروں کو زبردستی ایک جگہ

کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گزشتہ سطروں میں، میں نے ان تضادات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طویل عرصہ سے سکھ دھرم والے الگ پرسنل لا کی مانگ کر رہے ہیں۔

اگر ہم مذہب، دھرم کے علاوہ سندھ، پنجاب کی تہذیب اور وید کے بعد پیدا ہوئے، فلسفوں کی بات کریں تو ہمیں سیکڑوں فلسفے دیکھنے کو ملتے ہیں:

فلسفے: اُپنیشد، بھگوت گیتا، چارواک، نیائے، سانکھ، یوگی ویدانت، ادویت، دویت، بھکتی \*\* وغیرہ۔ ان تمام مذہبوں، تہذیبوں اور فلسفوں کے لئے ایک ہی پرسنل لا ہے بعض لوگ غلطی سے قدیم دور کے کشتریوں، چھٹی، ساتویں صدی کے راجپوتوں اور نویں تا بارہویں صدی کے چوہانوں کو ایک ہی جڑ کی مختلف شاخیں سمجھتے ہیں۔ اسی طرح آریہ، غیر آریہ (دراوڈ، ہون، کول، بھیل، سنہال اور چانڈال) وغیرہ ہیں، آلہا، اودل (Alha-Udal) چانڈال خاندان کے بہادر سپوت تھے، پرتھوی راج چوہان سوم (۱۱۷۲-۱۱۹۲ء) نے ۱۱۸۲ء میں ان کا خاتمہ کیا۔

پال خاندان کی جگہ سین برہمن نے لی جس کو بختیار خلجی کے بیٹے نے ختم کیا اور لکشمین سین برہمن کو ۱۲۰۴ء میں شکست ہوئی۔ ہندوستان میں قدیم دور سے ہی یونانی، چینی، وسط ایشیائی، پولینڈی، قفقازی اور مغربی ایشیائی بستے رہے ہیں۔

درج بالا تفصیل سے ایک بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ ہندو پرسنل لا کسی ایک تہذیب، یا مذہب، یا عقیدہ کا نمائندہ نہیں بلکہ سیکڑوں تہذیبوں، بہت سے مذہبوں، متعدد عقیدوں نیز تاریخی تجربات کا نچوڑ ہے۔ اس کے ساتھ موجودہ دور میں بہت سی باتیں ہندو پرسنل لا میں اسلام، عیسائیت اور یورپی قوانین سے لی گئی ہیں۔

ہندو مذہبی مآخذ عام طور پر آریائی، برہمن یا وید اور اس کے زیر اثر پروان چڑھنے والے فقہ (سمرتی)، شروتی یا شاستر پر مشتمل دکھائی دیتے ہیں۔ اس میں دراوڈ، ہُن، کول، بھیل، سنہال، چینی، وسط ایشیائی، رومی وغیرہ۔ اسی طرح جین مت، بدھ مت، اور سکھ مت کے اثرات بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ غیر فقہی معاملات میں یہ اثرات بہت گہرے اور واضح دکھائی دیتے ہیں جیسے گوشت خوری سے پرہیز، ایک خاص طبقہ کا انہما پر عمل، بعض مخصوص لوگوں کا شراب سے پرہیز کرنا وغیرہ۔

\*\* اس تحریک کا اصل نام 'ملتِ تحریک' (مکتی آندولن) تھا، جس کا مقصد ذات پات کے نظام، برہمنوں کے استحصال سے نجات اور آریہ لوگوں کی لوٹ کھسوٹ سے عوام کو بچانا تھا بالآخر اس میں بھی کچھ برہمن دانش ور شامل ہو گئے جنہوں نے مکتی کو بکتی لکھنا شروع کر دیا، جو آگے چل کر بھکتی لکھا جانے لگا۔ اور پھر اس کے مطابق اس کے معنی روحانیت وغیرہ کر لئے گئے، اور بالآخر نجات کی تحریک ناکام ہو گئی۔

## ہندو قدیم مآخذ :

۱۔ شروتی (سنا گیا)، کچھ لوگ انہیں منزل من اللہ کتاب اور کچھ اپنے رشی، سنتوں کے مذہبی تجربات قرار دیتے ہیں۔

۲۔ اسمرتی (جو یاد رہا) (نثر و نظم): ہندو فقہ اپرسل لا کا مآخذ (منواسمرتی زیادہ معتبر قرار دی جاتی ہے)۔

۳۔ شریں: (قانونی اصولوں کو واضح کرنے لئے، اختلاف دور کرنے، خامیوں کو دور کرنے، ضرورتوں کو پورا کرنے اور اصطلاحات کو نافذ کرنے کے لئے) دیا بھاگ و متاکشر یہ شریں ہیں۔

۴۔ رسم و رواج: ہندو پرسل لا میں رسم و رواج کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے، دوسرے مذہبوں و تہذیبوں میں بھی اس کی اہمیت ہے۔ لیکن ہندو پرسل لا میں رسم و رواج کو اتنی زیادہ اہمیت دی گئی ہے کہ برطانوی دور حکومت میں آخری اپیل عدالت 'پری وی کاؤنسل' (The Privy Council) نے اپنے فیصلہ میں رسم و رواج کو کتابی قوانین سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

میں نے درج بالا قدیم مآخذ (ہندو پرسل لا کے مآخذ) پر اپنے مقالہ میں تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ ساتھ ہی جدید مآخذ (Modern Sources) میں Equity و نظیر پر مختصر لیکن قانون سازی (Legislation) کے ذریعہ (دور انگریز و آزاد ہندوستان میں) ہندو پرسل لا میں اصلاحات کا قدرے تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

ہندو مذہب کی کثیر تعداد اور ہندوستانی تناظر میں ان کی اہمیت کی وجہ سے ہندو میرج کا دھرم شاستر و ہندو میرج ایکٹ (The Hindu Marriage Act) شادی کی قسمیں، معذور کی شادی، British India Mariage Act، 1856 کے تحت بیوہ کی شادی، اسی طرح سگوتر اور سپنڈ میں شادی، نان و نفقہ، وراثت، متبنی (Adoption)، وصیت (Wills)، نیاس (Trust)، دان (Gift)، ان کے علاوہ ہندو دھرم و ریتی رواج کے حساب سے کون سے رشتے حلال ہیں اور کون سے حرام، میں نے ان سب کا جائزہ لیا ہے۔ میں نے اپنے مقالہ میں مسلم پرسل لا کا بھی بھرپور جائزہ لیا ہے۔

ہندوستان اسلام سے فتح سندھ ۲۰ جون، 712ء مطابق دس رمضان، ۹۳ھ میں فتح دیول (کراچی) کے ساتھ ہی پہلی صدی ہجری کے آخر اور آٹھویں صدی عیسوی کے شروع میں متعارف ہو گیا تھا۔ مسلمانوں نے شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے ساتھ ہی پرسل لا کو اس کے ایک جزء کے طور پر

فوراً ہی نافذ کر دیا تھا۔ یہ صورت حال بنی امیہ کے اگلے لگ بھگ چالیس سالہ دور میں اسی طرح ہندوستان میں برقرار رہی۔ اس کے بعد بنی امیہ کے مرکز حکومت دمشق کی جگہ پہلے کوفہ پھر بغداد عباسیوں کا دار السلطنت بنا، لیکن افراتفری میں وہ ہندوستان کو یاد نہ رکھ سکے لہذا ۱۳۲ھ مطابق ۷۵۰ء سے ہندوستان کا تعلق بغداد سے خلیفہ مستنصر باللہ اور سلطان شمس الدین التتمش (۱۲۱۲-۱۲۳۵ء) کے دور تک لگ بھگ ٹوٹا رہا۔ لیکن فاتح عربوں نے ہندوستانیوں سے مل کر اپنی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں (خود مختار) قائم کر لیں، ان پانچ سلطنتوں میں سے (۱) سلطنت صفاریہ (۲) سلطنت ہامانیہ (۳) سلطنت ماہانیہ (۴) سلطنت مکران زیادہ مشہور ہوئیں، جو ۳۹۱ھ مطابق ۱۰۰۱ء محمود غزنوی کے ان سلطنتوں پر حملہ تک سلطنتیں باقی رہیں۔ لیکن ہر دور میں شرعی قوانین نافذ رہے۔ جن کا ایک حصہ مسلم پرسنل لا بھی تھا۔ ان سلطنتوں کے ساتھ چھ چھوٹی چھوٹی مسلم / عرب کی زمینداریاں آگے اور تھیں ان کو بھی محمود غزنوی نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ان کے علاوہ محمود غزنوی نے جھڑ ریاست سے پہلے تک مختلف رجواڑوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا، اس کے بعد محمود غزنوی و مسعود غزنوی نے آگے کے ہندوستان کو فتح تو کئی بار کیا لیکن دیسی حکمرانوں سے خراج طے کر کے وطن واپس لوٹ جاتا تھا۔ محمود غزنوی کے کل ۱۷ حملے بتائے جاتے ہیں جو ۱۰۲۷ء تک ہوئے۔ ہندوستان کا بہت تھوڑا سا علاقہ مقامی و دیسی ریاستوں سے محمود غزنوی و مسعود غزنوی نے اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ اس دور میں بھی شرعی قوانین کا نفاذ جاری رہا۔ اس کے بعد محمد غوری / شہاب الدین غوری / غیاث الدین غوری نے محمود غزنوی کے پرپوتوں سے سارا علاقہ چھین لیا اور صرف جھڑ اسٹیٹ کو اپنی اسٹیٹ میں شامل کیا۔ دہلی (مرکزی علاقہ) اور آگے باقی ہندوستان کو محمود مسعود کی پالیسی برقرار رکھتے ہوئے غوری نے حکومت میں شامل نہیں کیا کہ دور دراز کے علاقہ پر قبضہ و حکومت کافی مشکل ہوتا ہے لہذا وفاداری و خراج ادا کرنا کافی ہے۔ لیکن ۱۱۹۱ء میں جب غوری جھڑ ریاست سے خراج لینے آیا ہوا تھا اور باغی جھڑ حاکم خراج نہیں دینا چاہتا تھا تو غوری نے حملہ کر کے اسے معزول کر دیا اور خراج لینے کے بعد اس کے بیٹے کو حکمران بنا کر جا رہا تھا کہ اچانک پر تھوی راج چوہان سوم (۱۱۷۲-۱۱۹۲ء) نے غوری پر حملہ کر دیا اس کی کچھ فوج جا چکی کچھ باقی تھی، پر تھوی راج چوہان نے خفیہ تیاری کی تھی اور دوسو راجاؤں کے ساتھ اچانک غوری پر حملہ کیا تھا۔ غوری کی بہت سی فوج کام آئی باقی بھاگ کھڑی ہوئی جان بچاتے و مقابلہ کرتے ہوئے خود غوری کا ایک ہاتھ کٹ گیا۔

اس کے غلام پھر داماد قطب الدین ایک نے اپنی جان پر کھیل کر غوری کو بچایا۔

واپس پہنچ کر غوری نے اپنے بھائی کی مدد سے ایک زبردست فوج تیار کی نئے سپاہی بھرتی کئے، نیا ہتھیاروں کا ذخیرہ اور دوسری سواریوں والی فوج تیار کی، ۱۱۹۲ء (اگلے سال) میں مکمل تیاری کے ساتھ اس نے پرتھوی راج چوہان پر دو لاکھ فوج کے ساتھ حملہ کیا، پرتھوی راج چوہان سوم نے دوسو راجاؤں کے ساتھ دو لاکھ فوج سے غوری کا مقابلہ کیا لیکن چوہان کو شکست ملی۔ فتح کے بعد غوری نے قطب الدین ایک کو ہندوستان (دہلی دارالسلطنت بنا کر) کا گورنر بنا دیا اور یہاں سے نئی حکومت کا دور ہندوستان میں شروع ہوا۔ انہوں نے بھی شرعی قوانین کو نافذ کیا جس کا ایک حصہ مسلم پرسنل لا بھی تھا۔ ۱۲۰۶ء میں غوری کا انتقال ہو گیا تب ایک نے اپنی ہندوستانی بادشاہت کا اعلان کیا۔

۱۲۰۶ء سے ۱۵۲۶ء تک کے دور کو ”سلطنت دور“ کہتے ہیں اس دوران بھی شریعت کے احکام کا نفاذ رہا۔

۱۵۲۶ء میں بابر ہندوستان کی پھوٹ کی وجہ سے حملہ آور ہوا اور کم فوج، و متحدہ طاقت والا، عظیم الشان فوج والے (و پھوٹ والے) ابراہیم لودی پر غالب آیا۔ ۱۵۲۶ء سے ۱۸۵۷ء تک کے دور کو عہد مغلیہ کہتے ہیں۔ اس دوران بھی اسلامی شرعی قوانین نافذ رہے جس کا ایک حصہ مسلم پرسنل لا بھی تھا لیکن گورنر جنرل کے اس فرمان (۱۷۹۱ء) کے ساتھ کہ جب دونوں فریق مسلمان ہوں۔ اگرچہ سلطنت و مغلیہ دونوں عہدوں میں غیر مسلموں کے لئے الگ سے پنڈت جج کا نظم رہا، لیکن کچھ لوگ مسلمانوں کے قاضیوں سے اصرار کر کے فیصلہ کراتے تھے لہذا حکومت ہند نے اس کی بھی اجازت دی تھی۔

بہادر شاہ ظفر (1775-1862ء) (بادشاہت: ۱۸۲۷-۱۴ ستمبر، ۱۸۵۷ء) (ابوالمظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ غازی کے نام سے بادشاہ بنے، ظفر تخلص تھا) کی جنگ آزادی (۴ مئی، ۱۸۵۷ء-۱۴ ستمبر، ۱۸۵۷ء) کی ناکامی کے بعد یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد عدالتیں انگریزی میں کام کرنے لگیں حالانکہ ۱۹۲۹ء سے انگریزی فارسی کی جگہ لے چکی تھی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ پرسنل لا پروان چڑھا۔ جس کا ”برطانوی پریوی کونسل“ (British Privy Council) نے بھی ہمیشہ خیال رکھا اور نیچے کے دیگر کورٹوں نے بھی۔ برطانوی کورٹ کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے اس سے معلوم ہو گا کہ انگریزوں نے کس طرح مذہب میں مداخلت نہ کرنے کی پالیسی بنائی تھی، نیز یہ بھی کہ اس پر کیسے عمل ہوتا تھا۔ \*

## Legal Structure of Saint and the Grendines Courts:

Judicial Committee of the Privy Council, England

Final Court of Appeal

Court of Appeal

3 Presiding Judges

High Court

Single Judge Presides

|           |                                    |  |
|-----------|------------------------------------|--|
| Tribunals | Family Court<br>President Presides | Magistrates' Courts<br>Magistrate Presides |
|-----------|------------------------------------|--|

اگرچہ عام طور پر کورٹس اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے کرتے تھے لیکن کیونکہ وہ شریعت کے ماہر نہیں تھے لہذا ان سے بسا اوقات غلط فیصلے ہو جاتے تھے، اس امکان کو مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ بعض حج ذاتی عناد کی وجہ سے اسلام کے خلاف فیصلہ کرتے ہوں۔ چنانچہ ہندو بھائیوں کے بارے میں کیونکہ انگریز ججوں کو یہ معلوم تھا کہ رواج و رسوم کو لکھے قانون سے بھی برتر مانا جائے گا جس کا فیصلہ پریوی کونسل (Privy Council) نے بھی یہی دیا تھا۔ لہذا مہاراشٹر میں ایک مسلم کچھی میمن برادری کے بہن بھائی میں کافی بڑی جائداد کا بٹوارہ کا مقدمہ عدالت میں لڑا گیا۔ عدالت میں بھائی نے یہ دلیل پیش کی کہ ہم اگرچہ مسلمان ہو گئے تھے لیکن ہمارے یہاں رسم رواج تمام ہندوؤں کے آج بھی چلتے ہیں چنانچہ ہندوؤں میں شادی شدہ بیٹی کو جائداد دینے کا کوئی رواج نہیں ہے لہذا ہمارا فیصلہ رواج کے مطابق میرے حق میں کر دیا جائے نہ کہ بہن کے کہنے کے مطابق شریعت کے موافق، اس طرح بھائی نے رواج کو شریعت پر ترجیح دینے کے لئے عدالت سے کہا اور عدالت نے اسے تسلیم کر لیا۔

اس فیصلے کے خلاف تمام ہندوستان کے علماء ایسے ہی متحدہ طور پر جمع ہوئے اور تحریک چلائی جیسے شاہ بانو اور محمد احمد خاں کے مقدمہ میں علماء نے چلائی تھی۔ بالآخر مسلمانوں کو دونوں میں کامیابی ملی پہلے فیصلہ کے نتیجے میں 1937ء میں Sharia Application Act، اس کے بعد Dissolution of Muslim Marriage Act، 1939ء عالم وجود میں آیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے دیگر ایکٹ بنے۔

اس طرح ان ایکٹوں کی وجہ سے کسی حد تک Codification اسلامی شریعت کا ہوا۔ جس کا Codification نہیں ہوا ہے وہ سب شریعت کے مطابق دیکھے جائیں گے اور اس معاملہ میں

عدالتیں فیصلے کرنے کی پابند ہیں۔ متعلقہ مسئلہ میں مفتی کا فتویٰ فیصلے کے لئے کافی مانا جاتا ہے۔ البتہ بسا اوقات ہائی کورٹ و سپریم کورٹ اپنی من مانی کرتے ہیں۔ اس طرح کی من مانی سپریم کورٹ نے کی تھی (شاہ بانو والے معاملہ میں) لہذا عظیم الشان تحریک چلی نتیجہ میں راجیو گاندھی کو

The Muslim Women (Protection of Rights) on Divorce Act, 1986

بنانا پڑا۔

آزادی سے پہلے مذکورہ بالا بننے والے ایکٹوں کی ساخت اور ان کو سینٹرل لچس لچر سے پاس کرانے میں مولانا اشرف علی تھانوی اور جناب کاظمی نے اہم ترین رول ادا کیا تھا۔ اور ۱۹۸۶ء میں پرسنل لا بورڈ نے یہی رول ادا کیا۔

میں نے اپنے تحقیقی مقالہ میں ہندوستان کی قدیم تاریخ، ہندو دھرم، اسلام، عیسائیت، بدھ مت، جین مت، سکھ مت کی تعلیمات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ پرسنل لا کو تاریخی تناظر میں جاننے کی سعی کی۔ نیز پرسنل لا کی ملتی حثیت، ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا تاریخی جائزہ، عام مسلمان پر پرسنل لا کا نفاذ اور اس کا اثر۔

اس کے ساتھ ہی میں نے فقہی مسائل اور مسلم پرسنل لا کا جائزہ بھی لیا ہے۔ اسی طرح مرکزی ایکٹ اور صوبائی ایکٹوں، وقف ایکٹ وغیرہ کا بھی میں نے اپنے مقالہ میں تذکرہ کیا ہے۔

علاوہ زریں ہندو مسلم پرسنل لا کے مآخذ کا بھی میں نے تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ اور دونوں مذاہب کے فقہ (Jurisprudence) کے اصول و قواعد کا بھی میں نے تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

میں نے ہندو میرج (The Hindu Marriage)، دھرم شاستر کی رو سے شادی، اس کی قسمیں، بیوہ، گونگے، بہرے، نامرد وغیرہ کی شادی کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

ہندوؤں میں طلاق (Divorce) نان و نفقہ اور Hindu Undivided Family، وراثت (Inheritance) اور تنیت (Adoption) اور استری دھن، متاکثر، دیا بھاگ وغیرہ کا بھی جائزہ اپنے مقالہ میں لیا ہے۔

اسی طرح میں نے مسلم نکاح، مقاصد نکاح، نسبی، ازدواجی اور رضاعی محارم، تعدد ازدواج (Polygamy)، طلاق، لعان متعہ، ایلاء، ظہار، خلع، حضانت وراثت، وصیت، ہبہ وغیرہ سب کا ذکر کیا ہے۔

میں اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب رہا مجھے یقین ہے کہ مقالہ (کتاب تحقیق) کا مطالعہ کرنے والے اس نتیجہ پر پہنچے گے کہ میں نے علم کی سنجیدہ خدمت کرنے کی پُر خلوص کوشش کی ہے۔ اللہ میرا مددگار و محافظ ہو۔

فقط والسلام

کمال اشرف



# باب-۱

ہندوستانی مذاہب کا مختصر تعارف

## ہندو دھرم (Hinduism)

ہندو دھرم کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ لفظ ہندو کی وضاحت کی جائے۔ دراصل مصدقہ تاریخی شواہد کے مطابق بنی نوع انسان کی وہ نسل جو اپنے آپ کو 'آریہ' کے نام سے منسوب کرتی ہے، جب وسط ایشیا سے چل کر مختلف ممالک میں جا کر بس گئی تھی تو ایک شاخ تو ایران میں اقامت پذیر ہو گئی تھی اور انہوں نے تو اپنا آریہ لفظ برقرار رکھتے ہوئے اپنے ملک کا نام ایران رکھا۔ افغانستان نے آریانا اور ہندوستان میں آکر بسنے والوں نے موجودہ ہندوستان کے شمال مغربی جغرافیائی حصے کا نام آریہ ورت رکھا۔ اس علاقے میں سات دریا بہتے تھے۔ ویتا (جہلم) چندر بھاگا (چناب) ایراوتی (راوی) وپاسا (بیاس) شندرو (ستلج) ان پانچ دریاؤں کی موجودگی اور مناسبت سے ہی شمال مغربی صوبے کا نام پنجاب (پانچ دریاؤں کا علاقہ) رکھا گیا تھا لیکن زمانہ قدیم میں دو اور دریا سرتوتی اور دھرشدوتی بھی یہاں بہتے تھے جو اب مفقود ہو چکے ہیں اس لئے اس سارے خطے کا نام سپت سندھویا ہفت دریا رکھا گیا تھا اور ایران والے اپنے ان پچھڑے بھائیوں کو جو سات دریاؤں کی اس سرزمین پر آکر آباد ہو گئے تھے انہیں سپت سندھو کے باسی کہتے تھے اور فارسی میں اکثر 'س' کی آواز 'ہ' سے تبدیل ہو جاتی ہے اس لئے اس علاقے کو سندھستان کہتے تھے اور یہاں کے رہنے والوں کو 'ہندو' کہا جانے لگا۔ ان لوگوں کے دین کو ہندو دھرم (ویدک دھرم) کے نام سے منسوب کیا گیا۔<sup>۱</sup>

دراصل ہندو دھرم کسی ایک شخص، پیر یا پیغمبر کا جاری کردہ نہیں ہے بلکہ قدرت کی طاقتوں اور انسانی فطرت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بنی نوع انسان کے اندر باہمی اخوت، نیکی اور سچائی کی ترغیب نیز خالق کائنات کو مالکِ کل سمجھنا اور اُسی کی پرستش کرنے کی تلقین کا نام تھا۔ آریوں کے عقیدے کے مطابق خدا نے کچھ ایسے رشیوں (دوراندیشوں) کو تمام انسانوں کے لئے ایسے قوانین کا انکشاف کیا تھا جن کو انہوں نے بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کی خاطر یکجا کر کے اسے وید کا نام دیا۔ کیونکہ وید کے لغوی معنی بھی "علمِ مکاشفہ" ہے اور وید چار ہیں۔ رگ وید، یجر وید، سام وید میں راگ اور مزامیر کے ذریعے ان کی تلاوت اور اتھرو وید میں دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرنے کے وسائل مثلاً طب، جیوتش وغیرہ۔<sup>۲</sup>

رگوید میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ قدرت کی مختلف طاقتیں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قوت کے مظاہر ہیں اور ان سب میں کثرت کے باوجود وحدت پائی جاتی ہے۔ ان تمام وید منتروں میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ انسان کو اس بات کا پورا اختیار ہے کہ وہ خدا کی طاقتوں میں سے کسی ایک کا پرستار ہو کر اسے پہنچانے اور خالق کُل کا اپنے دل میں مشاہد کرتے ہوئے اسی کی پرستش کرے۔ عناصر خمسہ میں سے کسی ایک کو ذریعہ عزت بنا کر اس کی ذات کی شناخت کرنے کی انسان کو وید منتروں میں پوری پوری آزادی دی گئی ہے کیونکہ رگوید میں ایک منتر آتا ہے جس کا مطلب ہے کہ: سچائی (حقیقت) تو ایک ہی ہے اور دانشمند اسے کئی ناموں سے پکارتے ہیں۔

مروِ زمانہ کے ساتھ انسانوں میں ان کے پیشوں اور کام کاج کی مناسبت سے ایک تقسیم کردی گئی جو صرف انسان کے ہر روز کے کام اور پیشے پر مبنی تھی یعنی وہ لوگ جن کے ذمہ لوگوں کو تعلیم کے زیور سے مزین کرنا تھا انہیں برہمن کہا گیا، جن کے ذمہ سلطنت کے کام کاج کو چلانا تھا اور ملک کی حفاظت کا کام سپرد تھا انہیں کشتری کہا گیا، زراعت اور تجارت پیشہ لوگوں کو ویش کے نام سے منسوب کیا گیا اور عوام کے خدمت گزاروں اور گھر گھاٹ کا کام کرنے والوں کو شودر کہا گیا۔ لیکن ان چاروں کو بہر نوع یہ اختیار تھا کہ وہ اپنی صلاحیت سے کسی بھی درجے میں جاسکتے تھے۔ پیدائش یا نسل و نسب سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا چنانچہ اسی حقیقت کو بھاگوت گیتا کے اندر کرشن نے یوں واضح کیا ہے۔

جا ترورنم مرا سرشم گن کرم وبھاگت

چاروں ورن (برہمن، کشتری، ویش اور شودر) میرے ہی پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان کی تقسیم گنوں (صفات) اور کرموں (اعمال اور پیشوں) پر منحصر ہے لیکن آہستہ آہستہ یہ تفریق اور تقسیم پیدائش سے منسلک ہو گئی اور ذات پات کے نام سے منسوب ہو کر اختلاف کا باعث ثابت ہوئی۔ بہتری حاصل کرنے والی ذاتوں نے دوسری پیشہ در اور صنعت و حرفت کے علاوہ خدمت گزاروں کو اپنے سے نیچا سمجھنا شروع کر دیا اور ایک طرح کا احساس کمتری ان میں دے دیا۔ اس کے خلاف وقتاً فوقتاً اصلاحی تحریکیں بھی چلیں، پیغمبر بھی آئے، ہنگامے بھی ہوئے لیکن بد قسمتی سے آج تک کسی نہ کسی شکل میں نمودار ہو ہی جاتی ہے۔

## قدیم تاریخ

کوئی پانچ ہزار سال قبل کے سندھ کے کنارے موہن جوداڑ و تہذیب کے کچھ آثار ملے ہیں جس

سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کی تہذیب کافی ترقی یافتہ تھی اور وہ بھی کئی تہذیبوں کے اشتراک سے معرض وجود میں آئی تھی۔ یوں تو اس وقت کی تمام تہذیبیں قدرت کی طاقتوں کی پرستش کرنے والی تھیں اور اسی لئے ان میں اختیارات بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایران کی آریائی تہذیب آتش پرست تھی اور ہندوستان کی آریائی تہذیب سورج چاند ستاروں اور دیگر عناصر قدرت کی پرستش کرنے والی تھی لیکن جب بھی ظاہراً اشیاء اور دنیاوی آرام و آرائش کی فراوانی ہوتی ہے تو قدرت کو دیکھ کر اس کی ہیبت اور استعجاب کے بارے میں تفحص و تحقیق کے لئے دل کے اندر خواہش پیدا ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ رگوید یا دیگر ویدوں میں جب قدرت کی طاقتوں کے گن گائے گئے تو ان کی ماہیت اور حقیقت کو جاننے کی خواہش سے ہی اپنشد وغیرہ لکھے گئے جو ان طاقتوں کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں۔ اسی لئے ہندوؤں کی کتب مقدسہ کے بھی دو جز ہیں ایک شرتی یعنی سنی ہوئی۔ جو رشیوں نے وحی کے طور پر سنی اور آگے اس کی تبلیغ کی اور وہ سینہ بہ سینہ محفوظ چلی آئی۔ دوسری سمرتی یعنی وہ یادگاری صحیفے جن کو تحریر میں لایا گیا اور جن کی معرفت انسانی زندگی، اخلاق اور روزمرہ کے حالات کو سنوارا جاسکتا ہے۔ پہلے درجہ شرتی میں ویدوں کا شمار ہے اور اسی کے ساتھ اپنشد بھی شامل ہیں اور دوسرے درجے میں رامائن مہا بھارت اور دیگر دھارمک لٹریچر ہے۔<sup>۱</sup>

آریہ لوگ ہندوستان میں وارد ہوئے تو ان کی اپنی تہذیب تھی وہ جفاکش اور مخنتی لوگ تھے اور تجرد، تیاگ یا دنیا سے کنارہ کشی جیسے اصولوں سے نابلد تھے لیکن ہندوستان میں ان کے وارد ہونے سے قبل جو تہذیب پہلے ہی رائج تھی وہ بھی کافی ترقی یافتہ تھی وہ زیادہ تر دریاؤں میں غسل سے اپنے آپ کو مصفیٰ رکھتے تھے اور ان میں تیاگ اور فقر کے عناصر موجود تھے لیکن آج سے کوئی ساڑھے تین ہزار سال قبل دونوں تہذیبوں کے اندر ہم آہنگی پیدا ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے سے متاثر ہو کر ایک دوسری کی اچھی روایتوں اور ہدایتوں کے اشتراک کو قبول کر کے مذہب کے اندر یک رنگی پیدا کر لی۔ اپنشد جو تقریباً تین ہزار سالوں سے زیر مطالعہ ہیں وہ خالق کل اور انسانی روح کی وضاحت کرتے ہیں اور ان دونوں کی مماثلت اور یگانگت پر زور دیتے ہیں تاکہ آخر میں ہر روح یہ جان سکے کہ کائنات کے اندر جو بھی روح ہے اس میں وہی یزدانیت پائی جاتی ہے جو اس کے اپنے اندر ہے اس لئے تمام کائنات کی بظاہر مختلف روحوں کے قدر ایک وحدانیت ہے اور اسی کا جان لینا ایک روح کا معراج کمال ہے۔ اس سے ذرا ہٹ کر بھاگوت گیتا کچھ ایسے ہی فلسفہ کی تلقین کرتا ہے جس میں روح کی ابدیت، عمل برائے عمل اور انسان کو اپنے فرائض ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ساتھ ہی دنیاوی اشیاء کی ناپائنداری کا

سبق بھی دیا گیا ہے جس سے تین ایسے راستے نکلتے ہیں جن میں سے کسی ایک پر راہ پیا ہوتا ہو انسان اپنی منزل مقصود کو پالیتا ہے۔ وہ تین راستے ہیں علم (گیان)، عمل (کرم) اور عشق (بھگتی) کے ہر شخص اپنی فطرت کے مطابق اور اپنی رغبت کے تحت جس راستے کو اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اسے اپنائے تو وہ اپنی منزل کو پالے گا<sup>۱</sup>۔ یہ وہی دور تھا جب کثرت پرستی سے ہندو دھرم وحدت پرستی کی طرف جھکا اور انسان اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے زندگی کی مراحل کو طے کرنے پر مائل ہوا۔<sup>۲</sup>

درمیان میں بدھ مت اور جین مت اٹھے اور کوئی ڈھائی ہزار سال ہوئے جب ان کے زیر اثر راہبانہ زندگی اور تناسخ کو خاص اہمیت حاصل ہوئی اور شہنشاہ اشوک کے زمانے میں کوئی دو ہزار تین سو سال ہوئے ایسی تہذیب ہندوستان اور اس کے ارد گرد کے ممالک میں جاری ہوئی لیکن کچھ ہی عرصہ بعد ہندوؤں کے قدیم عقائد نے اپنی جگہ سنبھال لی ہاں ان نئی تحریکوں سے فائدہ ضرور اٹھایا۔ ان سے ہی متاثر ہو کر ہندوؤں نے تینوں راستوں (گیان، کرم اور بھگتی) کو یکساں، اہمیت دی۔ چونکہ انسان کے لئے شخصی قوت پر اعتقاد لانا خدا کی غیر مرئی حیثیت کو قبول کرنے سے آسان ہے اس لئے کئی ایک اوتار ہندوؤں میں ہوئے جن کی خدا کی جگہ پرستش ہونا شروع ہو گئی جن میں رام اور کرشن کا خاص نام ہے۔ اگرچہ اس وقت دیوی دیوتاؤں مثلاً وشنو، شو، کالی، دُرگا وغیرہ کی پرستش کا بھی عام رواج سا ہو گیا تھا لیکن غیر شخصی قوتوں کو بھی آسانی کے لئے کوئی نہ کوئی شکل دے کر اس کی عبادت کی جاتی تھی۔ الغرض اس کثرت پرستی میں وحدت ہندو دھرم کا طرہ امتیاز رہا۔<sup>۳</sup>

## اسلام (Islam)

اسلام جو مذاہبِ عالم میں سب سے کم عمر ہے عقیدہ اور عمل کا نام ہے۔ عقیدہ یہ ہے (۱) خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ حی و قیوم اور قادر و توانا ہے سب کچھ اس کے اختیار میں ہے۔ جو کچھ ہے اس کے خلق اور اسی کے مشیت اور ارادہ سے ہے کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ وہ عالم ارض ہو یا عالم سموات، ہر ایک کا خالق، پروردگار اور رحمن و رحیم ہے۔ (۲) دنیا میں ہمیشہ لوگوں کو راہِ ہدایت دکھانے اور گمراہی سے بچانے کے لئے خدا کی طرف سے پیغمبر ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمانہ میں آتے رہے ہیں، ان میں سے بعض الہامی کتابوں کے ساتھ آئے جیسے توریت، زبور، انجیل وغیرہ اور بہترے بغیر کتاب کے آئے، یہ سب اور ان کی کتابیں حق تھیں۔ (۳) آخری پیغمبر محمد ﷺ آئے، آپ ملک اور قوم اور زمانہ کے فرق و امتیاز کے بغیر ساری دنیا کے لئے پیغمبر ہیں (۴) تمام پیغمبر شروع سے آخر تک بنیادی طور پر ایک ہی پیغام ایمان اور عملِ صالح کا لیکر آتے رہے ہیں۔ البتہ زمانہ اور قوم کے حالات کے اعتبار سے ان کی شریعتیں یعنی دستور العمل ادا لیتے بدلتے رہے ہیں۔ (۵) محمد رسول اللہ علیہ وسلم کو خدا الہی کی طرف سے جو صحیفہ ہدایت دیا گیا اس کا نام قرآن ہے، یہ کتاب اہل دین اور شریعت کی جامع ہے، یعنی بنیادی طور پر جو تعلیمات پہلے پیغمبر لے کر آئے تھے قرآن میں انہیں تعلیمات کو نہایت مفصل اور واضح طور پر بیان کیا گیا ہے تاریخ کے نشیب و فراز اور فطرت انسانی کی نا پختگی اور کمزوری کے باعث ان تعلیمات سے متعلق لوگوں میں جو غلط فہمیاں اور غلط تصورات پیدا ہو گئے تھے قرآن میں اصل حقیقت کو بیان کر کے ان غلط فہمیوں کو دور کر دیا گیا ہے تاکہ لوگوں میں دین کے معاملے میں اختلاف نہ رہے اور وہ سب آپس میں ایک ہو جائیں، اور جامع شریعت کا مطلب یہ ہے کہ عملی زندگی بسر کرنے کے لئے ہر شعبہ زندگی کے بارے میں قرآن میں وہ اصول و ضوابط بیان کر دئے گئے ہیں جن کی روشنی میں دنیا کا ہر انسان جغرافیائی اور قومی اختلافات اور ان کے تقاضوں کے باوجود بہ سہولت تمام زندگی بسر کر سکتا ہے (۶) اسلامی عقیدہ کا ایک اہم رکن یومِ آخرت یعنی مکافاتِ عمل پر ایمان ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ملے گی جس کو حادثہ اور فنا نہیں ہے اور اس دوسری زندگی میں انسان کو اچھے اور برے اعمال کا بدلہ ملے گا جو اس نے اس دنیا میں کئے ہیں، اچھے اور نیک اعمال بشرطِ کی وہ خدا کی رضامندی اور آخرت کی زندگی کو سنوارنے اور خلوص و ارادہ سے ہوں اس کے بدلہ کا جنت اور جو برے اعمال ہیں یا وہ نیک اعمال جو نام و نمود کی خاطر اور فاسد نیت و ارادہ سے کئے جائیں ان کے بدلہ کا نام جہنم ہے۔“

اب رہا اسلام کا دوسرا جز یعنی عمل اس کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) عبادات (۲) معاملات اور (۳) اخلاق۔

ان کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام حقوق اور فرائض کو دو قسموں میں تقسیم کرتا ہے، ایک حقوق اللہ اور دوسرا حقوق العباد، پہلی قسم میں عبادات فرائض میں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور صدقات و خیرات اور دوسری قسم انسان کی سماجی اور اقتصادی زندگی کے مسائل و معاملات پر مشتمل ہے، یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام دین اور دنیا میں فرق کا قائل نہیں ہے بلکہ اسکا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں، جس شخص کا دین اچھا ہے اس کی دنیا بھی لازمی طور پر اچھی ہوگی، اور اسی طرح جس کی دنیا اچھی ہے وہ آخرت میں بھی اچھا ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں خیر و شر حسن و قبح اور سود زیاں کی جو قدریں ہیں وہ بیک وقت انسان کی دینی و دنیوی، زندگی کی دونوں قسموں پر اثر انداز ہوتی ہیں، مثلاً اگر ایک شخص دنیوی معاملات میں خدا کے حکم کے ماتحت راست بازی امانت و دیانت عدل و انصاف اور حق پرستی و حق کوشی کی زندگی بسر کرتا ہے تو نتائج کے پیش نظر ہم کہیں گے کہ وہ دنیا میں کامیاب ہے، لیکن ساتھ ہی اسلام کہے گا کہ اس شخص کی عقبی بھی اچھی ہے اس کے برخلاف اگر ایک شخص اسمگلر ہے، چور بازاری اس کی ٹو ہے۔ جھوٹ اور مکر و فریب اس کی سرشت ہیں، تو اس شخص نے خواہ دولت و ثروت کے کیسے ہی انبار لگائے ہوں بہر حال اسلام کی نظر میں یہ وہ بدنصیب انسان ہوگا جس کی دنیا اور دین دونوں خراب ہیں۔<sup>۱</sup> دین اور دنیا دونوں میں اس اتحاد کے باعث اسلام میں ہر وہ عمل عبادت ہے جو حکم خدا کے ماتحت کیا جائے، خواہ اس عمل کا تعلق دینی زندگی سے ہو یا دنیوی زندگی سے، چنانچہ ایک شوہر اپنی بیوی کے ساتھ، ایک باپ اپنی اولاد کے ساتھ، ایک تاجر اپنی تجارت میں اور ایک کاروباری اپنے کاروبار میں اگر ایمانداری، انصاف اور راست بازی سے کام لیتا ہے اور سب انسانوں کے حقوق کی رعایت کر کے اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کرتا ہے تو اسلام میں یہ بھی عبادت ہے اور آخرت میں وہ اس پر اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

بائیں ہمہ عبادت کا اطلاق فقہاء اور محدثین کی اصطلاح میں صرف ان اعمال پر ہوتا ہے جن کا تعلق محض خدا کے ساتھ ہو، جیسے نماز روزہ وغیرہ، ان عبادات کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ ان کے ذریعہ قرب خدا وندی حاصل ہو اور اس کی وجہ سے ”جمال ہم نشین درمن اثر کرد“ کے مطابق روح میں بالیدگی اور لطافت پیدا ہو، اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ دنیا کی مصروف زندگی میں مبتلا ہو کر انسان خدا سے غافل نہ ہو اور کسی حالت میں بھی اس کے احکام سے روگردانی نہ کرے۔<sup>۲</sup>

## حقوق العباد:-

اب حقوق العباد کو دیکھئے جس کے ماتحت انسان کی تمدنی، سماجی اور اقتصادی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبے داخل ہیں اسلام نے اس سلسلہ میں اس درجہ وسعت اور دقت نظر سے کام لیا ہے کہ انسان تو انسان حیوانات اور نباتات تک کے حقوق بیان کئے ہیں۔ انسانوں کے حقوق کے سلسلہ میں، خود ایک انسان کے اپنے نفس کا حق۔ والدین، میاں بیوی، اولاد، دور کے عزیز قریب، پڑوسی مسلم اور غیر مسلم نوکر چاکر، غریب و محتاج، عورتیں اور بچے، غرض کہ کوئی انسانی طبقہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے حقوق اور ان سے متعلق مسلمانوں کے فرائض و واجبات کو نہایت وضاحت سے نہ بیان کیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی احکام و تعلیمات جن کے اصل ماخذ قرآن و سنت ہیں اور جن سے اسلام کے دینی لٹریچر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اکثر و بیشتر انہیں حقوق کی شرح و تفصیل اور ان سے متعلق اللہ اور رسول کے احکام و فرائض پر مشتمل ہیں۔ حقوق سے متعلق اسلام کی تعلیمات کی اساس تین چیزیں ہیں: عظمت انسان، مساوات انسانی اور عدل و انصاف۔<sup>۱</sup>

جہاں تک انسان کی عظمت اور اس کی بزرگی کا تعلق ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں انسان کو خدا کا خلیفہ اور اس کا نائب کہا گیا ہے اور اس کا اس درجہ اہتمام کیا گیا ہے کہ فرشتہ اس پر معترض ہوئے تو انہیں سختی سے خاموش کر دیا گیا اور ابلیس نے خدا کے حکم کے تحت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اس کو ہمیشہ کے لئے راندہ درگاہ بنا دیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان کا اس درجہ لحاظ تھا کہ ایک مرتبہ ایک یہودی کا جنازہ پاس سے گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے۔ کسی نے کہا: حضرت! یہ تو یہودی کا جنازہ ہے! آپ نے فرمایا، کیا یہ انسان نہیں تھا؟<sup>۲</sup>

بہر حال اس عظمت کے ساتھ جہاں تک حقوق انسانی کا تعلق ہے اسلام ان کے بارے میں مساوات انسانی کا داعی اور مبلغ ہے، آخری حج کے موقع پر آنحضرت صلی علیہ وسلم نے جہاں اور چند اہم امور کی طرف توجہ دلائی آپ نے دنیا کے تمام لوگوں کو مخاطب بنا کر یہ فرمایا: کسی عرب کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عرب پر، کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت اور برتری نہیں ہے، اے لوگو! یاد رکھو تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، اسلام میں رنگ و نسل، قومیت و وطنیت، غربت اور تو نگری اور مذہب اور ان میں سے کسی چیز کی بنیاد پر انسان کے درمیان ہرگز کوئی فرق و امتیاز



اور اونچ نیچ نہیں ہے، صحیح حدیث میں ہے کہ آخر شب میں جب آنحضرت ﷺ عبادت الہی کے لئے بیدار ہوتے تھے تو آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ دراز کر کے فرماتے تھے: خدایا تو گواہ رہ! میں اقرار کرتا ہوں کہ تیرے سب بندے برابر ہیں، ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو رب العالمین (سب جہانوں کا پالنے والا) اور محمد رسول اللہ ﷺ کو رحمتہ العالمین (سب جہانوں کے لئے رحمت) فرمایا گیا ہے، یہ بھی مساوات انسانی کا ایک داعیہ ہے۔

اب رہی حقوق سے متعلق اسلامی تعلیمات کی تیسری بنیاد۔ یعنی عدل و انصاف! تو اس سلسلے میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ جو شخص کسی پر ظلم کرتا ہے درحقیقت وہ اپنے نفس پر ظلم پہلے کرتا ہے دوسرے پر بعد میں، قرآن مجید میں بکثرت آیات ہیں جن میں اس مضمون کو بار بار اور بڑی تاکید سے بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی متعدد آیات ہیں جن میں عدل و انصاف کرنے کی شدید تاکید کی گئی ہے، ایک آیت میں ارشاد ہوا: اے ایمان والو! تم دنیا میں عدل و انصاف کرنے والے بنو، اور اگر تم کو کسی شخص سے یا کسی شخص کو تم سے بغض، عداوت ہو اور اس کا کوئی معاملہ تم سے آکر پڑے تب بھی تم اس کا خیال رکھو کہ اس شخص کی دشمنی تم کو عدل کرنے سے کہیں مانع نہ ہو، تم بہر حال عدل کرو، یہی تقویٰ اور پرہیزگاری کا راستہ ہے، ایک اور آیت میں فرمایا گیا: اے ایمان والو! معاملہ اگر تمہارے والدین کا یا کسی عزیز قریب کا ہو اور وہ فقیر ہوں یا غنی! تم بہر حال عدل و انصاف سے کام لو، اور دیکھو اگر تم نے ان کے معاملہ میں عدل سے کام لینے سے تامل اور ہچکچاہٹ سے کام لیا اور تمہاری زبان لڑکھڑانے لگی تو اللہ علیم وخبیر ہے، وہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے، اسلام کی انہیں تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک مجرم کا معاملہ پیش ہوا اور بعض لوگوں نے اس کی سفارش کی تو آنحضرت ﷺ نے سفارش کو رد کرتے ہوئے فرمایا: اگر میری بیٹی فاطمہ سے بھی اس جرم کا ارتکاب ہوتا تو اس جرم کی سزا میں اپنی بیٹی کو بھی دیتا۔ پھر فرمایا کہ بچھلی تو میں اسی لئے تباہ ہو گئی ہیں کہ ان کا قانون غریبوں اور کمزوروں آدمیوں کے لئے ہوتا تھا اور بڑے لوگوں پر قانون کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ تاریخ اسلام میں سیکڑوں واقعات محفوظ ہیں۔ جب کہ عدالتوں نے عدل کے معاملہ میں یگانہ اور، امیر غریب، شاہ و گدا مسلم اور غیر مسلم کا کبھی فرق نہیں کیا اور جو بات حق تھی اس کا اپنے فیصلوں میں برملا اظہار کیا۔ ہم نے عمل کی تین قسموں میں سے عبادات اور معاملات دو قسمیں بیان کر دی ہیں۔ اب تیسری قسم اخلاق رہی۔ تو اس سلسلے میں یاد رکھنا چاہئے کہ اعلیٰ اخلاق و شامل اسلامی تعلیمات کا جو ہر اور روح ہیں۔ قرآن مجید نے محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق شہادت دی: انک لعلیٰ خلق عظیم ”آپ (اے پیغمبر) بیشک اعلیٰ اخلاق کے حامل

ہیں۔ پھر خود آپ نے فرمایا: میں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم و تکمیل کی غرض سے بھیجا گیا ہوں۔ ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، ایک اور حدیث میں ہے تم میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے، صبر و شکر، قناعت، حلم اور بردباری تواضع و مسکنت، خندہ جمینی، نرمی گفتار، شیرمال زبانی، عفو و درگزر، جود و سخا کشادہ دلی۔ ایفائے عہد، راست گوئی، شرم و حیا، فراخ حوصلگی، ایثار و قربانی، بہادری، تحمل، عفت و عصمت یہ سب مکارم اخلاق کے صحیفہ کے جلی عنوانات ہیں، اسلامی تعلیمات ان سے پر ہیں۔<sup>۱</sup>

ظاہر ہے اسلامی دستور العمل حیات کا خاکہ جو اوپر پیش کیا گیا ہے اس کی تکمیل دو چیزوں کے بغیر ممکن نہیں ہے (۱) ایک علم اور دوسرا تزکیہ نفس چنانچہ قرآن مجید کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ قرآن میں ان دونوں کا ذکر، علم دین و دنیا دونوں کو حاصل کرنے کی تاکید، اس کے فضائل و برکات اور باب علم کے مناقب اور ان کے خصوصیات، اور اسی طرح تزکیہ نفس، اصلاح باطن اور نفسانی خواہشات و سفلی جذبات سے اجتناب و احتراز ان سب چیزوں کا کئی درجہ تاکید کے ساتھ بار بار ذکر آیا ہے۔ یہاں تک کہ جہاں علم کا تعلق ہے پروفیسر روزتھل نے اپنی معرکہ آرا کتاب ”فاتح مسلم“ (Trumphant) میں لکھا ہے کہ اسلام میں توحید کے بعد جس چیز کا سب سے زیادہ ذکر آیا ہے وہ علم ہے۔<sup>۲</sup>

تزکیہ نفس اور ترک ہوئی کا ذکر بھی قرآن میں اس کثرت سے ہے کہ ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام نام ترک ہوئی کا ہی ہے۔

حضرت عیسیٰ سے تقریباً چھ سو برس بعد عرب میں حضرت محمد ﷺ کے ذریعے اسلام کی ابتداء ہوئی۔ ۶۱۰ء میں جب آنحضرت کو رسالت حاصل ہوئی تب سے آپ نے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں تھا بلکہ یہودیت اور عیسائیت نے ایک خدا اور عبادت کا جو تصور پیش کیا تھا انقلاب زمانہ کی بنا پر وہ بدل گیا تھا۔ سماجی و مذہبی حالات و معاملات مسخ ہو چکے تھے، بت پرستی عام تھی۔ انسانی قربانی رائج تھی۔ سماج میں عورت کی کوئی عزت نہیں تھی۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے جن برائیوں کو بڑی جدوجہد کے بعد ختم کر دیا تھا وہ پھر ابھر آئی تھیں حضرت محمد ﷺ نے ان باتوں کی پھر سے اصلاح کی یا دوسرے لفظوں میں جو سچائیاں پہلے سے موجود تھیں آنحضرت نے ان کی تصدیق کی یعنی جس طرح زرتشتیوں کی اصلاح کے لئے موسیٰؑ آئے، یہودیت کی اصلاح کے لئے عیسیٰؑ آئے، اسی طرح یہودیت اور عیسائیت کی اصلاح کے لئے محمد ﷺ پیدا کئے گئے۔ آنحضرت کا خود یہ فرمانا تھا کہ ”میں دین

ابراہیم ہی کی تجدید کے لئے آیا ہوں!“ البتہ شریعت ہرنبی کی اپنی ہی رہی۔ چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فلسفیانہ باتوں کی بہ نسبت اخلاقیات پر زیادہ زور دیا، آنحضرت ﷺ نے نجات دہندہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ مسیحائیت کا بلکہ اپنے آپ کو دوسروں ہی جیسا ایک انسان بتا کر یہ اعلان کیا کہ خدا نے ان کا انتخاب اس غرض سے کیا ہے کہ وہ اس کے احکام بندوں تک پہنچائیں۔ عقیدہ کے اعتبار سے کلمہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ (نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور محمد اللہ کے پیغمبر ہیں) اسلام کی بنیاد ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ حضرت محمد کو آخری پیغمبر مانے اور ملائکہ (فرشتے جو نور سے بنے ہیں) کتب سماوی (توریت، زبور، انجیل، قرآن) موت (جو برحق ہے)، روح (جس کو بقا ہے فنا نہیں)، بعث (کرنے کے بعد دوبارہ زندگی)۔ قیامت (بندوں کے اعمال کا محاسبہ)، جنت و دوزخ (برحق ہیں) اور شفاعت (جو بندوں کے حق میں ہوگی) پر ایمان لائے۔<sup>۱</sup> اسلام کے ارکان پانچ ہیں: شہادت (گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں)؛ نماز (جو بیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں یعنی فجر (طلوع آفتاب سے قبل)، ظہر (بعد دوپہر)، عصر (بعد زوال آفتاب)، مغرب (غروب آفتاب کے وقت اور عشاء (ابتدائی رات)؛ زکوٰۃ (اپنی سالانہ آمدنی و دولت کا چالیس واں حصہ)؛ حج (بشرط کہ استطاعت ہو) اور روزے (ایک برس میں ایک مہینے کے روزے) اسلام نے روزی اور غذا کے سلسلے میں بھی حلال و حرام سے متعلق تفصیلی ہدایات دی ہیں۔<sup>۲</sup> اسلام میں جبریہ مذہب قبول کرانے کی اجازت نہیں ہے۔ اپنے دفاع میں جنگ کرنے کو، جہاد، کہتے ہیں اور ’جہاد‘ سے پہلے، ہجرت (ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہونا) ضروری ہے۔ اسلام میں مذہب اور حکومت یا مذہب اور سیاست کے درمیان کوئی دیوار نہیں ہے۔ اسلام میں بیوہ کی شادی کی اجازت ہے۔ کثرت ازدواج کی تب ہی اجازت ہے جب شوہر اپنی تمام بیویوں کے مساوی حقوق ادا کر سکے۔ اسلام میں کوئی پیشہ یا عہدہ موروثی نہیں ہے۔ اسلام میں عورت باپ ہی کی طرف سے پہچانی جاتی ہے۔ محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الثانی، رجب، شعبان، رمضان شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجۃ اسلامی مہینے ہیں۔ اسلام کے ابتدائی عہد میں بحروم کے اطراف کے ممالک پر اگندہ اور غیر منظم تھے اور مسلمان فن سپہ گری کے ساتھ ساتھ مذہبی جوش و خلوص کے بھی حامل تھے۔ اسی لئے اپنی ہی ایک صدی میں اسلام جبل طارق سے ہمالیہ تک پہنچ گیا اور اب عیسائیت کے بعد اسلام دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے اور آج دنیا کی مجموعی مسلم آبادی ایک ارب سے زیادہ ہے۔<sup>۳</sup>

## عیسائیت (Christianity)

عیسائیت کی بنیاد مسیح کی سیرت اور ان کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ عیسائیوں کے عقدیے کے مطابق عیسیٰ خدا کے بیٹے تھے جنہوں نے بنی نوع انسان کے لئے دنیا میں وفات پائی۔ دنیا کے دیگر مذاہب کے مقابلے میں عیسائیت سب سے بڑا مذہب ہے جو جغرافیائی اعتبار سے دنیا کے ہر حصے میں پھیلا ہوا ہے۔ دنیا میں عیسائیت کے ماننے والوں کی تعداد ایک ارب سے بھی زیادہ ہے۔ اس کے بڑے فرقوں میں رومن کیتھولک الیسٹرن لائتھ ڈاکس اور پروٹسٹنٹ ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے مسالک بھی ہیں۔

نئے عہد نامہ (New Testament) متھیو کی انجیل، مرقس کی انجیل، لوقا کی انجیل، یوحنا کی انجیل اور رسولوں کے اعمال جیسی پانچ کتابوں پر مشتمل ہے۔ ان مقدس کتابوں سے ہمیں عیسیٰ کی سیرت اور ان کی تعلیمات کے بارے میں معلومات فراہم ہوتی ہے۔ پہلی چار کتابیں عیسیٰ کے اعمال و اقوال پر مشتمل ہیں جو ان کی تعلیمات و عبادات کے بارے میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ پہلی کتاب لوقا کا سلسلہ کلام ہے جس سے ہمیں عیسائیت کی ابتدائی دور کی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ وہ کتابیں اور ہیں جو مکتوبات کے مجموعے ہیں۔ ۱۳ خطوط وہ ہیں کہ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ترسوس کے سینٹ پال کے لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ۲۷ دستاویزات کے مجموعہ کو عہد نامہ جدید (New Testament) کہا گیا ہے۔ جس کو عیسائی الہامی صحیفہ مانتے ہیں۔ عہد نامہ قدیم (Old Testaments) جو دراصل یہودیوں کی انجیل رہی ہے عیسائی اس کی تلاوت اپنے عقیدے کے مطابق کرتے ہیں۔<sup>۱</sup>

عیسائیت کے ابتدائی دور میں اور بھی مذہبی کتابیں تھیں جنہیں عیسائی مستند سمجھتے تھے ان کی کتابوں میں خوش عقیدگی کے ساتھ عیسیٰ اور ان کے حواریوں کے اقوال و اعمال اور ان کی تشریحات درج تھیں۔ تقریباً تین سو برس بعد مسیح مذہب کے علماء نے عہد جدید کی موجودہ کتابوں کو مستند قرار دیا۔ ان کے خیال میں دیگر کتابیں مشتبہ اور الحاقی ہیں۔ عیسائیت کے مسلمہ علماء نے ایک اجتماع میں عہد نامہ جدید کا تعین کیا۔ عہد نامہ جدید یونانی کی عام دیسی زبان میں تھی جو عیسیٰ کے عہد میں عام طور سے مروج تھی۔ اس میں یہودی محاورے اور فقرے استعمال ہوئے تھے کیوں کہ ان کے لکھنے والے لوقا کے علاوہ سب یہودی تھے۔ دراصل عہد نامہ جدید کی بنیاد اصلاً مخطوطات پر ہے۔ بعد کے مترجمین نے لاطینی اور ارامی زبانوں کی کتابوں کو بھی نظر رکھا ہے۔<sup>۲</sup>

عیسیٰ اور ان کے عہد کی تاریخ کا علم ہمیں جوزفس کی تحریروں سے حاصل ہوتا ہے جو مسیح کے ۳۷ سال بعد پیدا ہوا تھا۔ نیز پلینی نے ۱۱۲ بعد مسیح، ٹیسی ٹس نے ۱۱۷ بعد مسیح اور سیوٹونیوس نے ۱۲۰ بعد مسیح میں اپنی تحریروں سے معلومات فراہم کیا ہے جس طرح ماضی بعید کے کسی واقعہ کی جزویات کے مواد کا حتمی تعین نہیں کیا جاسکتا بالکل یہی بات انجیل اور اس میں درج مواد کے بارے میں کہی جائے گی۔ تاریخ کا تعین قبل مسیح یا بعد مسیح کیا جاتا ہے۔ دراصل ہمارے کیلنڈر کے نافذ ہونے میں ایک بھول کے ہم مرتکب ہوئے۔ ولادت مسیح کی تاریخ جو بیان کی جاتی ہے اس میں دراصل تاریخ پیدائش میں پچھ برس کا فرق ہے یعنی عیسوی کیلنڈر عیسوی کی عمر کم بتاتا ہے۔ بڑی باریک بینی اور احتیاط کے ساتھ جب حساب لگایا جاتا ہے تو مسیح کی ولادت دو تین برس قبل مسیح نکلتی ہے۔ دراصل انجیل میں بھی کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا کہ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ مسیح کس دن یا کس مہینے میں پیدا ہوئے تھے۔ دراصل کرسمس (یوم ولادت) کے لئے ۲۵ دسمبر کی تاریخ کا تعین بعد میں کیا گیا ہے تاکہ مسیح کے یوم ولادت سے متعلق ایک تیوہار منایا جاسکے۔

لوقا کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ نے ۲۶ برس کی عمر میں تبلیغ شروع کی مگر لوقا سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رومن شہنشاہ ٹائبرییوس نے اپنی تخت نشینی کے پندرہویں برس جون بائسٹ کو اپنے یہاں تبلیغ کے لئے مدعو کیا تھا جس سے ۲۶ برس بعد وفات کا تعین ہوتا ہے۔ اگر لوقا کے بیان کو درست مان لیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مسیح نے تبلیغی وعظ ۲۷ برس بعد مسیح میں شروع کئے۔ عہد نامہ جدید سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے صرف دو تین برس ہی تبلیغ کی مگر بیشتر علماء کا خیال ہے کہ مسیح نے ۲۹ یا ۳۰ برس عمر پائی۔<sup>۱</sup>

تمام عیسائی صحیفے اس بات پر متفق ہیں کہ مسیح جمعہ کے دن مصلوب کئے گئے اور اس دن یہودیوں کے یہاں عید تھی۔ بہت سے علماء کا خیال ہے عیسیٰ کو ۱۷ اپریل ۳۰ بعد مسیح مصلوب کیا گیا تھا۔ یہودیوں کا کیلنڈر ہمارے کیلنڈر سے مختلف ہے۔

جوڈیا کے یہودی بادشاہ براڈ اعظم کے عہد میں عیسیٰ پیدا ہوئے تھے۔ جوڈیا روم ہی کا ایک صوبہ تھا۔ حضرت مریم حضرت عیسیٰ کی والدہ تھیں۔ عیسائی عقیدہ کے مطابق ان کے شوہر کا نام یوسف تھا جو نجار (بوہی) تھے وہ فلسطین کے علاقے گلیلی کے قصبے نزارتھ کے باشندے تھے۔<sup>۲</sup>

تعلیمات :- عیسیٰ نے گلیلی میں رہ کر اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی اور انہوں نے اپنی تبلیغ کا دائرہ سُمریا

اور یروشلم تک وسیع کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حکومت تو خدا کی ہے مگر انہیں گناہوں کو معاف کرنے کی قوت عطا کی ہے۔ انہوں نے یہودیوں اور غیر یہودیوں سے یکساں سلوک برقرار رکھا۔ انہوں نے غیر قوم کے پیغمبروں کی طرح اس بات پر زور دیا کہ انسانوں کے ساتھ عدل و انصاف کیا جائے اور خدا کے حضور میں عاجزی انکساری اور خاکساری اختیار کی جائے۔ خدا سے غیر مشروط محبت کا تقاضہ ہے کہ اس کی مخلوق سے محبت کی جائے۔ عیسیٰ کی تعلیمات کا حال ہمیں میتھیو کی انجیل کے ۵ ویں، چھٹے اور آٹھویں باب سے معلوم ہوتا ہے۔ میتھیو نے عیسیٰ کی ان تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا ہے جو عیسیٰ کے پہاڑوں پر دئے گئے وعظوں سے متعلق ہیں۔ عیسیٰ کی تعلیمات کا خاص عنصر حکایات کے پیرائے میں ہے جن سے روزمرہ پیش آنے والے واقعات سے اخلاقی اور روحانی حقائق کے نتائج برآمد ہوتے ہیں اور خدا کی سلطنت کا تصور پیش کرتے ہیں۔ جیسے ایک حکایت میں ایک مسافر رہ زونوں کے ہاتھوں لوٹا جاتا ہے اور زخمی بھی ہوتا ہے اور پھر ایک اجنبی اس مسافر کی مدد کرتا ہے۔ اس حکایت سے یہ اخلاقی درس ملتا ہے کہ نسل اور مذہب کا خیال کئے بغیر ہر شخص کی بروقت ضرورت مدد کرنا چاہئے۔

دوسری حکایتوں کے ذریعے یہ بتایا گیا ہے کہ خدا اپنے رحم و محبت سے ان کو محروم نہیں رکھتا جو معصیت دائمی سے آلودہ رہتے ہیں۔ یہ بھی کہ خدا کی سلطنت میں داخل ہونے پر انسان کیسا نشاط محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح گم شدہ بھیڑ، گم شدہ سکے اور فضول خرچ بیٹے کی حکایتیں ہیں۔ ان انجیلوں میں عیسیٰ کے ۳۶ معجزات کا بھی ذکر ہے۔ ان معجزات سے ان کے عقیدت مند متاثر ہوئے اور دوسرے عام لوگ ان پر ایمان لے آئے بعض معجزات سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ نے مریضوں کو شفا دی اور نابینا انسانوں کو بینائی عطا کی۔ وہ ان معجزات کے ذریعے خدا سے محبت اور اس کے رحم کا اظہار کرتے ہیں۔

لیکن گلیلی کے مذہبی رہنما عیسیٰ پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے کیونکہ وہ ان گناہ گاروں سے بھی پرہیز نہیں کرتے تھے جو ڈھٹائی کے ساتھ گناہوں میں ملوث رہتے تھے وہ علماء عیسیٰ کی اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ خود کو موسیٰ اور ان کی شریعت سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ وہ ان کے موعود سچ ہونے سے بھی منکر تھے کہ جن کے متعلق کہا گیا تھا کہ وہ آکر یہودیوں کو نجات دلائیں گے۔ غرض کہ انہوں نے عیسیٰ کو کافر قرار دے دیا تھا۔ چنانچہ عیسیٰ نے گلیلی سے یروشلم ہجرت کر لی تھی۔

فلسطین (جو روم کا ایک صوبہ تھا) کے حاکموں نے عیسیٰ پر الزام لگایا کہ وہ خود کو یہودیوں کا بادشاہ سمجھنے لگے ہیں اس لئے وہ باغی ہیں چنانچہ جرڈیا کے گورنر پون ٹیوس پائی لیٹ کے عہد میں عیسیٰ کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ یروشلم میں جس دن یہودی اپنا عید کا تیوہار منا رہے تھے اسی دن کا مخصوص کھانا

عیسیٰ کی آخری غذا تھی۔ اس کھانے کو انجیل کی اصطلاح میں لارڈس سپر (Lord's Supper) یا لاسٹ سپر (Last Supper) کہا جاتا ہے۔ اس آخری کھانے میں عیسیٰ کے ساتھ ان کے حواری بھی شامل تھے۔ کھانے کے اس موقع پر عیسیٰ نے وعدہ کیا کہ اب وہ خدا کی سلطنت میں ملیں گے۔ جو لوگ ان کے ساتھ کھانے میں شامل تھے ان کو عیسیٰ نے روٹی اور شراب پیش کی (عیسائی روایت کے مطابق) اور کہا کہ یہ میرا جسم ہے اور میرا خون! عیسائیوں میں عیسیٰ کے اس آخری کھانے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے معانی یہ لئے جاتے ہیں کہ عیسیٰ بنی نوع کے کفارے کے لئے خدا سے جا ملے (مخصوص عقیدہ کے مطابق)۔ اس آخری کھانے کے بعد یہودیوں کے مذہبی امام کے آدمیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ یہودیوں کی عدالت عالیہ کے جج (در اصل عدالت رومیوں کی تھی لیکن وہ یہودیوں کے زیر اثر تھے اسی وجہ سے غالباً بعض حضرات اسے یہودیوں کی عدالت بھہ کہہ دیتے ہیں) سان ہڈرن نے عیسیٰ سے متعدد سوالات کئے اور آخر عیسیٰ کو کافر قرار دیا گیا اور گورنر کی جانب سے انہیں موت کی سزا سنائی گئی اور اس وقت کے رواج کے مطابق انہیں مصلوب کر دیا گیا۔ عیسائیوں کا خیال ہے کہ عیسیٰ کی یہ پُر اذیت موت بنی نوع انسان کے لئے ایک کفارے کی حیثیت رکھتی ہے۔<sup>۱</sup>

عیسیٰ کی عام تبلیغ کے دوران ان کے بہت سے عقیدت مند پیدا ہو گئے تھے جو ان کے ہم راہ رہتے تھے ان میں سے ۱۲ (بارہ) کو عیسیٰ نے آنے والی حکومت کا پیغام دینے کے لئے منتخب کیا تھا۔ ان کے ذریعے ایک عالم گیر شریعت کا پیغام پہونچانا بھی مقصود تھا کہ جو لوگ سچے دل سے توبہ کر کے اس شریعت کو قبول کر لیں گے انہیں ابدی سکون حاصل ہو جائے گا۔ عیسیٰ کی وفات تک لوگ کما حقہ، ان کے پیغام کو نہ سمجھ سکے تھے اور روحانی حکومت کا صحیح تصور ان کے دل و دماغ میں نہ اتر سکا تھا۔ چنانچہ عیسیٰ کی وفات کے بعد ایسے لوگ مایوسی اور خوف کے عالم میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے مگر جلد ہی ایسٹر کی ایک صبح کو وہ ایک دوسرے سے ملے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو بتایا کہ انہوں نے عیسیٰ کو زندہ دیکھا ہے اور ان سے ملاقات بھی ہوئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ عیسیٰ ہر خطے اور ہر زمانے کے لئے سب کے آقا ہیں۔ اب انہوں نے توریت کی پیش گوئی کی بنیاد پر ایک نیا عقیدہ قائم کیا اور عیسیٰ کو اپنا وہی پیغمبر تسلیم کیا کہ جس کے آنے کی خبر توریت میں دی گئی تھی اس لئے انہوں نے شریعت عیسوی کو نئی شریعت مان لیا۔<sup>۲</sup>

نئی شریعت کا خلاصہ یہ ہے کہ عدم تشدد کا نتیجہ خواہ ناکامی ہی کیوں نہ ہو انجام کار اس سے ایک نئی حکومت کی بنیاد پڑے گی جس کی بنیاد محبت اور انصاف پسندی ہوگی۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق مصلوب ہو کر دفن ہو جانے کے بعد قبر سے پھر جی اُٹھے۔ اور آسمان پر چلے گئے اور کائنات پر انہیں ربانی

اقتدار حاصل ہو گیا۔ اس عقیدے کی رو سے عیسیٰ کے ہر عقیدت مند کی روح میں ان کی ربانی اور خدا کی عنایت کی ہوئی قوت کا اثر ہے۔ لوقا ’رسولوں کے اعمال‘ میں بیان کرتے ہیں کہ عیسیٰ اور ان کی والدہ مریم جب اس کمرے میں جس میں انہوں نے لاسٹ سپر (آخری کھانا) کھایا تھا عبادت میں مشغول تھے انہیں وحی حاصل ہوئی یعنی ایک خدا، ایک باپ، ایک بیٹا اور روح القدس، بعد میں ان ساری باتوں کے امتزاج سے تثلیث کا عقیدہ پیدا ہو گیا۔<sup>۱</sup>

عیسیٰ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے وہ لوگ تھے جو پیدائشی طور پر یہودی تھے اور ان کی اپنی تعلیمات کو ایک یہودی مسلک سمجھا جاتا تھا لیکن بعد میں انہیں یہ محسوس ہونے لگا کہ عیسیٰ کی تعلیم یہودیت کے مسلک سے ایک الگ مذہب ہے اور عیسیٰ کے عقائد کو قبول کر لینے کے بعد کوئی شخص یہودی شریعت کا پابند نہیں رہ سکتا۔ پال جو ترسوس کے باشندے تھے وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے یہودیت کے مقابلے میں عیسائیت کو نمایاں اور ممتاز کرنے میں (بظاہر) سب سے بڑا رول ادا کیا۔ فلسطین کے بعد عیسائیت سب سے پہلے شام میں پھیلی پھولی۔ وہ پال ہی تھے جو بعد میں سینٹ پال کہلائے۔ عیسیٰ کے حواریوں اور عقیدت مندوں اور مقامی رہنماؤں (جو بپتسمہ کھاتے تھے) کے توسط سے عیسائیت کی اشاعت بہت تیزی سے عمل میں آئی۔ عیسائی پادریوں اور دوسرے مذہبی رہنماؤں کی معیاری اور عملی زندگی عوام کو اچھے انداز میں متاثر کرنے لگی اور نتیجہ یہ ہوا کہ عوام رومن بادشاہ کی الوہیت سے منکر ہونے لگے۔ شام میں انٹی اوچ کے مقام پر فلسطین کے باہر پہلا عیسائی اجتماع منعقد ہوا تب ہی سے کرائسٹ (عیسیٰ) کے ماننے والوں کو کرشچین (Christian) کہا جانے لگا۔<sup>۲</sup>

اگرچہ ۷ ویں صدی میں اسلام کے وجود میں آ جانے کے بعد عیسائیت کے فروغ کی رفتار قدرے سُست پڑ گئی مگر اپنے ابتدائی ایک ہزار برس تک عیسائیت دنیا کے بہت سے ملکوں میں پھیلتی گئی۔ چوتھی صدی ہی میں عیسائیت رومن حکومت کا سرکاری مذہب قرار دیا جا چکا تھا۔

عیسائیت کے ابتدائی دور ہی میں معینہ عقائد سے اختلاف کرنے والے پیدا ہو گئے تھے۔ اختلاف کرنے والوں میں نستورین آریں، اکونزکلاسیک اور ابی صہنیس گروہ خاص تھے۔ بایں ہمہ تقریباً ایک ہزار برس تک عیسائیت ایک بڑی جماعت بنی رہی لیکن ۸۰۰ء سے اختلافات کی ابتدا ہو چکی تھی۔ روم اور قسطنطنیہ کے چرچ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ ۱۰۵۱ء میں یونانی کیتھولک اور رومن کیتھولک میں بھی اختلاف ہوا اور وہ بھی ایک دوسرے سے الگ ہوئے۔<sup>۳</sup>



## بدھ مذہب (Buddhism)

وید اور اُپنشد کا دھرم جس پر صرف ہندو براہمن ہی قبضہ کئے ہوئے تھے قطعی طور پر بے جان ہو چکا تھا۔ بے معنی رسوم اور تقاریب کا انجام دینا ہی مذہب رہ گیا تھا۔ پیدائشی براہمن ہونا ہی بڑی بات سمجھی جاتی تھی۔ ویدوں کی تعلیم پر توجہ نہیں دی جاتی تھی اور نہ ویدوں کی تعلیم ہی پر عمل کا سوال تھا۔ براہمن غیر معمولی رعایتیں حاصل کئے ہوئے تھے اور شودروں پر بے انتہا پابندیاں عائد تھیں۔ گوشت خوری عام تھی۔ یکہ کی تقریب میں جانوروں کی قربانی ضروری تھی۔ ہندو سماج کی ایسی ناگفتہ بہ حالت میں گوتم بدھ کا ظہور ہوا۔ گوتم کا درد مند اور محبت بھرادل غیر انسانی باتوں اور عام انسانوں کے ساتھ ایسے جو رو سم کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ عوام جو براہمنوں کے سخت شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے اور نیم جان تھے ان کے لئے بدھ مت رحمت بن کر آیا اور اس نے پہلی بار ان کو انسانی رتبہ بخشا اور اسی بات نے اس مذہب کو کامیابی اور مقبولیت بخشی۔<sup>۱</sup>

بدھ مذہب دنیا کے تین بڑے مذہبوں میں سے ایک ہے۔ وہ لٹکا سے جاپان تک اور ایشیا کے بہت سے ملکوں میں پھیلا۔ اپنے عروج کے دنوں میں اس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد ۵۰ کروڑ تک پہنچ گئی تھی۔ تقریباً چھ سو برس قبل مسیح سے اس مذہب کی ابتدا ہوئی۔

اگرچہ گوتم بدھ پیدائشی طور پر ہندو تھے مگر وہ اس وقت کے ہندو دھرم کی بہت سے مروجہ باتیں ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ وہ کسی بھی جاندار کی قربانی پسند نہیں کرتے تھے اور وہ نہ دیوی دیوتاؤں کی پرستش ہی کے قائل تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ انسان خود ہی اپنی اصلاح پر اعتماد کرے اور کسی بھی غیبی طاقت کا محتاج نہ بنے۔ وہ سخت ریاضت (تپسیا) کے بھی مخالف تھے۔ ہندو مذہبی صحیفوں کی رو سے انسان کی زندگی کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی روح خالق حقیقی سے جا ملے مگر گوتم بدھ روح کو خدا کا جُڑ نہیں مانتے تھے۔ موت اور پیدائش کے سلسلے کو ختم کرنے کا ذریعہ ان کے نزدیک نروان ہی تھا یعنی انہوں نے آواگون کے ہندو فلسفے کو قدرے بدل کر مانا تھا۔ مگر گوتم بدھ ذات پات کے سخت مخالف تھے البتہ برہم چاریہ اور یوگ جیسے فلسفوں کو وہ مانتے تھے۔<sup>۲</sup>

گوتم بدھ نے وجہ (Cause) اور نتیجہ (Effect) کی بنیاد پر انسانی دکھوں کو دور کرنے کا طریقہ بتایا اور اس طرح انہوں نے چار حقائق بیان کئے:

۱۔ ہندوستان سے ایچے دیگر دھرم (خدا بخش لاہیری) ۲۔ ہندوستانی مذاہب کا بنیادی لٹریچر

- (۱) زندگی دکھ ہے!  
 (۲) دکھوں کی وجہ خواہشات کا ہونا ہے!  
 (۳) خواہشات کو پیدا ہونے سے روکا جاسکتا ہے!  
 (۴) اس کا علاج نہ کڑی تپسیا ہے اور نہ سہل پسندی بلکہ میانہ روی سے کام لے کر مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے!۱

انہیں حقائق کو بنیاد بناتے ہوئے گوتم بدھ نے انسانی زندگی کے لئے آٹھ رہنما اصول قائم کئے جنہیں رشتا انگ مارگ (آٹھ اصولوں کا راستہ) بھی کہا جاتا ہے۔

(۱) صحیح علم یعنی درست نظریہ اور مناسب معاملہ فہمی، اوہام پرستی بالکل نہیں۔ اگر بنیاد درست ہے تو زندگی کے بقیہ معاملات بھی درست ثابت ہوں گے۔

(۲) صحیح ارادہ۔ درست ارادہ ہی نروان کو راہ دکھاتا ہے یعنی نروان حاصل ہونے پر تمام دکھ فنا ہو جاتے ہیں۔ غیر ضروری راحت سے پرہیز کے بعد ہی ارادے میں پختگی آسکتی ہے۔

(۳) صحیح کلام۔ حق گوئی، نرم لہجہ، محبت بھری بات چیت، شیریں بیانی ضروری ہے۔ غلط گفتگو جھگڑے کو دعوت دیتی ہے۔ زبان پر قابو رکھنا لازم ہے۔

(۴) صحیح عمل۔ اپنی زبان، نظریہ اپنے ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچانا، چوری نہ کرنا، غریبوں کی مدد اور بیماروں کی تیمارداری کرنا بد چلنی سے دور رہنا اور صحیح عمل خدمتِ خلق کا بھی نتیجہ ہوتا ہے۔

(۵) جائز و حلال کمائی۔ محنت اور ایمانداری سے اپنے لئے روزی پیدا کرنا۔ پانچ قسم کے روزگار سے دور رہنا۔ (۱) ہتھیاروں کی تجارت (۲) جان داروں کی تجارت (۳) گوشت کی خرید و فروخت (۴) نشہ آور چیزوں کی تجارت اور (۵) شکار سے اپنی روزی پیدا کرنا۔

(۶) صحیح کوشش۔ یہ کوشش جاری رکھنا کہ ذہن پر آگندہ نہ ہو۔ ذہن میں برے خیالات پیدا نہ ہوں۔ ذہن کو متوازن رکھنے کی کوشش اور اپنی ذات کے محاسبے کی کوشش، خود کے تجزئے کی کوشش اور ضبطِ نفس کی بھی کوشش کرنا۔

(۷) نیک خیال۔ ذہن کو صحیح طور پر بے دار رکھنا، ذہن کو سنسنی خیزی سے محفوظ رکھنا، چشمِ بینا کا گھلا رکھنا اور مشاہدے کو قوی بنانا بھی خیالات کو نیک بنانے میں مدد دیتا ہے۔

(۸) صحیح غور و فکر۔ درست ڈھنگ سے سوچ بچار کرنا مراقبے کے ذریعے ذہن کو ٹھیک سمت میں لے جانا۔ اسی اہم اصول پر عمل کرنے سے گیان حاصل ہوتا ہے۔۲

یہ آٹھ اصول ہوس، غصے، طمع، کینہ، حسد اور نفرت کو ختم کر کے قلب کی طہارت یا نزکیہ نفس کا باعث بنتے ہیں اور ضمیر کو روشنی عطا کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا آٹھ اصولوں میں سے اصول نمبر ۳ اور اصول نمبر ۴ کی وضاحت پانچ پند کی صورت میں اس طرح کر دی گئی ہے۔

(۱) کسی کی جان لینا (۲) جو چیز نہیں دی گئی اسے لینے کے لئے تیار نہ ہونا۔ (۳) ناجائز (غیر مذہبی، غیر سماجی اور غیر قانونی) جنسی تعلقات پیدا نہ کرنا۔ (۴) جھوٹ نہ بولنا۔ (۵) نشہ آور چیزیں استعمال نہ کرنا۔

بدھ مت میں خدا کے ہونے یا نہ ہونے کا ذکر نہیں ملتا۔ دراصل بدھ مذہب میں خدا کے وجود کے یقین کو خود اعتمادی کے جذبے کے لئے مضر سمجھا جاتا ہے چنانچہ بدھ مذہب میں ڈاکٹرکٹ یا ان ڈاکٹرکٹ کسی بھی صورت میں خدا کی پوجا، عبادت یا پرستش نہیں ہے اور نہ خدا کو کسی حوالے کے طور پر استعمال ہی کیا جاتا ہے یعنی بدھ مذہب میں خدا کی ضرورت محسوس ہی نہیں کی گئی۔ بدھ مذہب میں پیدائش سے نہیں بلکہ عمل و اخلاق کے لئے ان کا رتبہ طے پاتا ہے یعنی زندگی کے عملی پہلو اور اخلاقیات پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ گوتم بدھ اپنی یا کسی اور کی تحریر و تقریر کو آنکھ بند کر کے مان لینے سے منع کیا ہے بلکہ ان پر غور کرنے اور اپنی عقل کی کسوٹی پر کسنے پر زور دیا ہے۔<sup>۱</sup>

بدھ کے بارے میں یہ کہنا کہ ”خدا کے وجود کے یقین کو خود اعتمادی کے جذبے کے لئے مضر سمجھا جاتا ہے“ یہ مناسب تشریح نہیں، آج تک بدھ سے خدا کا انکار ثابت نہیں کیا جاسکا، صحیح بات یہ ہے کہ بدھ نے ایک سوال کے جواب میں (جو اس وقت برہمنوں کے دو گروہوں میں خدا کی فلسفیانہ تشریح و اختلاف سے متعلق تھا) فرمایا: ”تم خدا سے متعلق بحث میں نہ پڑو“ بعد میں لوگوں نے غلط معنی نکال لئے۔

## ’فلسفہ بدھ :-

بدھ مذہب تناخ یعنی آواگون کا تو قائل ہے مگر اس کے اور ہندومت کے فلسفہ آواگون میں فرق ہے۔ بدھ صرف اعمال کو اہمیت دیتا ہے روح کو نہیں۔ ہندومت روح کو مانتا ہے اور اعمال کو بھی بدھ مت میں اعمال فنا نہیں ہوتے۔ انسان کے مرجانے کے بعد انسان کا نیا وجود اس کے اعمال ہی کے اعتبار سے پُر جنم لیتا ہے۔ بدھ مت میں چونکہ جزا و سزا کوئی معانے نہیں رکھتے اسی لئے وہاں جنت و جہنم کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ بس وہاں پاک زندگی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ یہی راہ نجات ہے جو نروان دلاتی ہے یعنی نیکی اپنا صلہ خود ہے۔ پاکیزہ زندگی بدھ مت کا اعلیٰ اور آخری مقصد ہے۔ بدھ مذہب اور ہندو

۱۔ ہندوستانی مذاہب کا بنیادی لٹریچر۔ ایک مطالعہ

مذہب میں بڑا فرق رواداری ہی کا ہے۔ بدھ مذہب میں انسان کو جو بلند مرتبہ دیا گیا ہے وہ مثالی ہے یعنی بدھ مذہب میں ایک انسان کے وجود کامل بن جانے کی بھی گنجائش ہے۔ دراصل بدھ فلسفے کا دارو مدار صرف ظاہری ہے۔ یہ ایک قسم کا منظر ہے جو ہر وقت ہمارے سامنے رہتا ہے اس کی مثال سمندر کے جھاگ کی سی ہے جو پانی کی سطح پر بہتے ہیں اور بگڑ جاتے ہیں۔ مرد، عورت، اشیاء خارجی، زندگانی اشخاص، کسی بھی چیز کا حقیقی وجود نہیں۔ یہ سب ہمارے تخیل کی پیدا کی ہوئی مخلوقات ہیں۔ ان کی مثال دھوکے اور خواب کی سی ہے جیسے پانی میں چاند کا عکس خالق مطلق کوئی چیز نہیں، کائنات کا سلسلہ غیر متناہی ہے اس کی ابتداء و انتہا بھی غیر متناہی ہے۔ بدھ مت کی رو سے دنیا ایک مادّہ ازلی سے بنی ہے جس میں خود قوتِ تخلیق موجود ہے گویا یہی سارے عالم کا خدا ہے۔ بدھ مذہب تقدیر کا بھی منکر ہے۔ کائنات میں تقدیر کی کوئی قوت نہیں ہے۔ ہر ذی روح کا مستقبل خود اس کے اعمال و افعال پر مبنی ہے۔ نیک چلنی ہی کے ذریعے ہر ذی روح فنا کے اس درجے کو پہنچ سکتا ہے جہاں نہ دکھ ہے نہ سکھ ایسے کسی جذبے یا کیفیت کا وجود نہیں۔<sup>۱</sup>

## بدھ مت کے اثرات :-

بدھ مت کے اثر سے ہندو سماج کی طبیعت میں نرمی پیدا ہو گئی۔ انسان کے دل میں نہ صرف انسان کے لئے نرمی پیدا ہوئی بلکہ انسان حیوانوں کے ساتھ بھی نرمی سے پیش آنے لگے۔

ذات پات کی تفریق کو بدھ مت میں شدت کے ساتھ اور بار بار برا کہا گیا تھا۔ ذاتیں برقرار رہیں مگر ان کا کڑا پن ضرور کم ہوا۔

ہندوؤں میں گوشت خوری بالکل ختم ہو گئی۔ (آریہ طبقہ کی اکثریت کے لئے یہ درست ہو سکتا ہے، لیکن دراوڑ، قبائلی، شمالی مشرقی ہند (India's North East)، مشرقی ہند کے تمام طبقے بشمول آریہ ہمیشہ سے گوشت خور رہے)۔

دان دینے کی ابتدا بدھ مت سے ہوئی۔ گوتم بدھ کے نزدیک، بھیک، خودی کو مٹانے کی بہترین صورت ہے۔

ہندو حکمرانوں میں جنگ جوئی کا جذبہ بھی کم ہوا۔

بدھ مت میں چونکہ بُت پرستی اختیار نہیں کی گئی اس لئے ہندو عوام میں مہمل رسوم کو انجام دینے کا رجحان کم ہوا۔

<sup>۱</sup> ہندوستان سے ایجنے دیگر دھرم (خدا بخش لائبریری)

بدھ مت کے عہد میں فنِ طب میں بھی ترقی ہوئی۔ انسانوں کے لئے شفا خانے تو پہلے ہی تھے مگر بدھ کی تعلیم کے تحت حیوانوں کے لئے بھی ہسپتال کھلنے لگے۔

پتھر کا استعمال پہلے صرف شہر کی فصیل بنانے میں ہوتا تھا مگر بدھ کے عہد میں بڑی بڑی عمارتوں، خانقاہوں اور پاٹھشالاؤں کی تعمیر میں بھی پتھر کو استعمال کیا گیا اور پتھر کی نقاشی تو اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ چنانچہ بدھ مت نے ہندو تہذیب کو اپنے ایک نئے فنِ تعمیر سے بھی متعارف کرایا۔<sup>۱</sup>

## جین مذہب (Jainism)

ہندوستان کی سرزمین سے دو مذہب براہ راست تعلق رکھتے ہیں ایک ویدک دھرم اور دوسرا شرنٹر۔ ویدک وہ ہے جو وید سے نکلا اور شرنٹر وہ جو محنت (ریاضت) سے پیدا ہوا۔ شرنٹر کے ذیل میں جین اور بدھ دھرم آتے ہیں۔ بعض بھول سے جین دھرم کو ویدک یا ہندو دھرم ہی کی ایک شاخ مان لیتے ہیں اور بھگوان مہادیر کو جین دھرم کا پہلا اوتار یا پیغمبر مانتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ جین دھرم ہندو دھرم سے بالکل الگ ہے اور ویدک سے بہت پُرانا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے پُرانا دھرم ہے۔

جین کا مطلب: جن کی پوجا کرنے والے کو جین کہا گیا ہے جن وہ ہیں جو محبت اور نفرت کے کھڑاگ سے الگ ہو گئے ہیں یا پھر وہ ہیں جو ان کے بتائے ہوئے اصولوں کو مانتے ہیں۔<sup>۱</sup>

جین دھرم کے تیرتھنکر: تیرتھنکر پیغمبر یا اوتار کو کہتے ہیں بھگوان مہادیر جین دھرم کی بنیاد رکھنے والے نہیں تھے۔ وہ تو ۲۴ ویں تیرتھنکر تھے۔ پہلے تیرتھنکر شبھ دیو تھے جنہیں ادی ناتھ بھی کہا جاتا ہے۔ ان ہی کو جین دھرم کا پہلا اوتار کہا جاتا ہے۔ ان کا ذکر وید اور پرانوں میں بھی ملتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شبھ دیو کے بڑے بیٹے کا نام بھرت تھا، اسی کے نام پر ہندوستان کا قدیم نام بھارت پڑا۔ وید کو ماننے والے آریہ لوگ جب ہندوستان میں آئے تو اس سے بھی پہلے ہندوستان میں یہ شرنٹر دھرم موجود تھا چوبیس تیرتھنکر وں میں تیرتھنکر نیمی ناتھ ایک تاریخ ساز انسان تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ شری کرشن مہاراج کے چچا زاد بھائی تھے اسی طرح ۲۳ ویں تیرتھنکر پارشوناتھ (پارشناتھ) کو بھی ایک تاریخی ہستی مانا جاتا ہے۔

### ۲۴ تیرتھنکروں کے اسمائے گرامی

|                     |                     |                      |
|---------------------|---------------------|----------------------|
| (۱) شری شبھ دیو     | (۲) شری اجیت ناتھ   | (۳) شری شبھوناتھ     |
| (۴) شری امی نندن    | (۵) شری سومتی ناتھ  | (۶) شری پریم پر بھو  |
| (۷) شری پارشوناتھ   | (۸) شری چندر پر بھو | (۹) شری سوڈتھی ناتھ  |
| (۱۰) شری شیتل ناتھ  | (۱۱) شری شدنیس ناتھ | (۱۲) شری واسوپوجیہ   |
| (۱۳) شری ول ناتھ    | (۱۴) شری اننت ناتھ  | (۱۵) شری دھرم ناتھ   |
| (۱۶) شری شاننی ناتھ | (۱۷) شری کنٹھ ناتھ  | (۱۸) شری اربھان ناتھ |

- (۱۹) شری ملتی ناتھ (۲۰) شری نمئی سہرت ناتھ (۲۱) شری نمئی ناتھ  
(۲۲) شری ارشٹھ نمئی (۲۳) شری پارشونا ناتھ (۲۴) شری بھگوان مہادیر لے

جین مت کے ماننے والوں کا ایسا ہی وشواس ہے کہ تیرتھنکروں کی یہ چوبیس شخصیات ایک دوبار نہیں بلکہ ان گنت بار اس دھرتی پر آچکی ہیں۔

**مول منتر:** جین دھرم کے مول منتر کو نمسکار مہا منتر بھی کہا جاتا ہے۔ ہر جینی کے لئے لازم ہے کہ وہ اس منتر کو ۱۰۸ بار روز مالا کے منکوں پر ورد کرے۔ اس منتر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ منتر اسپر دایک اور گنٹر پرک ہے۔ اور غیر فرقہ وارانہ خوبیاں بخشنے والا ہے۔ اس منتر میں اری ہنت، سدا آچار یہ اپادھیائے اور سنسار کے سب سادھوؤں کو نمسکار پیش کیا گیا ہے۔<sup>۲</sup>

## جین مت کے فرقے :-

جو مذہب جتنا پرانا ہوتا جاتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اتنی ہی شاخیں نکل آتی ہیں۔ جین دھرم میں بھی بھگوان مہادیر کے وصال کے کئی سو برس بعد شوتامبرا اور دگامبرا نام کے دو بڑے فرقے پیدا ہو گئے۔ دگمبر فرقے کے جینی قطعی طور پر برہنہ (نگے) رہتے ہیں اور دگمبری مندروں میں جو مورتیاں ہوتی ہیں وہ بھی بنا لباس اور بنا زیور کے ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے شوتامبرا فرقے کے جینی سفید لباس پہنتے ہیں اور ان کے مندروں میں تیرتھنکروں کی مورتیاں بھی ملبوس ہوتی ہیں اور زیورات سے سچی ہوتی ہیں۔ آگے چل کر دونوں فرقوں کے درمیان پوجا کرنے کے طریقوں میں بھی فرق پیدا ہو گیا۔ آج سے لگ بھگ آٹھ سو برس پہلے جین مت میں ایک اور فرقے کا اضافہ ہوا یعنی شوتامبرا فرقے میں استھانک داسی یا بائیس سمپر دائے نام کا ایک ضمنی فرقہ پیدا ہو گیا یہ فرقہ مورتی پوجا کا قائل نہیں ہے اس فرقے کے لوگ صرف بھاؤ پوجا (احساس کی عبادت) کرتے ہیں۔ تقریباً دو سو برس ہوئے کہ استھانک داسی ضمنی فرقے میں سے بھی ایک فرقہ پیدا ہو گیا جو تیرپنتھ کہلاتا ہے۔ اس فرقے کے جینی بھی بھاؤ پوجا یعنی نراکار اپانا کرتے ہیں لیکن استھانک داسیوں کے نظریات سے ان کے نظریات مختلف ہیں جین دھرم کے ان مذکورہ فرقوں کے علاوہ بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے فرقے پائے جاتے ہیں لیکن جین دھرم کے تمام فرقوں میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ سارے جینیوں کا ایک ہی منتر ہے اور سبھی ۲۴ تیرتھنکروں کو مانتے ہیں۔ اختلاف صرف خارجی طریقہ عبادت کا ہے۔<sup>۳</sup>

## جین مذہب کی تعلیم :-

جین مذہب انہما (عدم تشدد)، سیم (نظم و ضبط) اور ریاضت کا دھرم ہے اسے آچار دھرم یعنی مذہب عمل بھی کہہ سکتے ہیں۔ جین مذہب دوسرے مذاہب کے برعکس آتم وادی (اپنے آپ کو ماننے والا ہے) ہے اور دوسروں سے کہیں زیادہ نجات کا متلاشی ہے۔ جین مت نے زندگی کے چار پدارتھ مانے ہیں: دھرم، ارتھ، کام اور موش۔ کام: دنیا کا سکھ اور اس کی لذتیں۔ ان میں نفس اور جنس کی خواہش اہم ہے۔ کام کی تکمیل کے لئے ارتھ یعنی ان کو حاصل کرنے کے ذرائع اور موش یعنی نجات حاصل کرنے کا ذریعہ دھرم ہے۔ جین مت کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا کے سکھ اور اس کی لذتیں وقتی ہیں اور آخر میں یہ سب اپنے لئے اور دوسروں کے لئے بھی دکھ دائمی ثابت ہوتے ہیں۔ ان لذتوں سے کبھی جی بھرتا بھی نہیں ہے کیوں کہ خواہشات کے پیدا ہونے کا سلسلہ نہ ختم ہونے والا ہوتا ہے۔ ان کے مقابلے میں روحانی راحت جادداں ہوتی ہے۔

جین فلسفے کی رو سے دنیا میں صرف دو عنصر ہیں۔ ایک جیو اور دوسرا اجیو یعنی جیتن اور جڑ۔ دوسرے لفظ میں روح اور مادہ ساری کائنات کی جڑ میں روح اور مادہ ہی قائم و دائم ہے۔ دنیا میں بے شمار ذی روح موجود ہیں۔ زمین، پانی، آگ، ہوا، پیڑ پودے اور پہاڑ بھی ذی روح ہیں مگر ذی روح کی قسمیں پانچ ہیں یعنی ایک حواس سے پانچ حواس (حواس خمسہ) والے ذی روح۔ لیکن ذی روح کی ہر قسم (ایک سے پانچ حواس تک کی حامل ذی روح) ایک دوسرے کے برابر ہے صرف ان کے پھلنے پھولنے میں فرق ہوتا ہے اور ہر ذی روح کو پھلنے پھولنے کا حق ہے۔ ہر ذی روح کو چوراسی لاکھ جون (جنم) سے گزرنا پڑتا ہے یعنی مرم کر جنم لینا پڑتا ہے اور تمام ذی روح کی بنیادی برابری عدم تشدد پر مبنی ہے اور اس میں اونچ نیچ اور ذات پات کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ جین مت پر مانو وادی (ذرات یعنی ایٹم کی تھیوری پر یقین رکھنے والا) ہے اس کو یقین ہے کہ دنیا میں نظر آنے والی ہر چیزوں کا ایک مجموعہ ہے وہ مانتا ہے کہ ایک ذی روح کیمیا اور پانچ بے جان کیمیاؤں کے ملنے سے ایک نیا اور اہم وصف پیدا ہوتا ہے۔ یہ کیمیا ہمیشہ سے ہے لیکن نئی نئی ترکیبوں کے پیدا ہونے کی صلاحیت کی وجہ سے نئے نئے روپ اختیار کرتا ہے۔ مگر اس میں قائم رہنے کی صلاحیت ہے۔<sup>۱</sup>

در اصل جین دھرم کی تعلیم کی بنیاد کرم واد پر ہے اور کرم واد مبنی ہے پر شار تھ پر یعنی نیک نیتی سے محنت کرنا جین مت کی رو سے آتما کو اپنے کرموں کا پھل بھوگنا پڑتا ہے۔ اس بنا پر دنیا کا کاروبار چلانے میں



خدا کا کوئی دخل نہیں ہے مگر یہ دنیا ازل سے ہے اور لامحدود ہے۔ اس دنیا کو ایشور نے بنایا تھا اور وہ اسے چلا رہا ہے یہ جین مت نہیں مانتا۔ اس کے نظریے کے مطابق آتما آزاد اور خود مختار ہے اور آتما اپنے ہی عمل سے پر م آتما یعنی عظیم روح میں بدل سکتی ہے۔ آتما کے نجات کا دار و مدار حقیقت شناسی، تکمیل علم اور مکمل اخلاقی عظمت پر ہے اور ان تین صفتوں (حقیقت، علم، عمل) کو جین مت میں رتن تریا (تین جوہر) کہا جاتا ہے۔<sup>۱</sup>

جین دھرم سے اہنسا، ستیہ، استے، برہم چریہ اور اپری گرہ میں اہنسا کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس لئے اس کا نعرہ ”اہنسا پر مودھرما“ ہے۔ جین مت کی رو سے کسی ذی روح کو جان سے مار ڈالنا ہی ہنسا نہیں ہے بلکہ کسی کو جسمانی طور پر تکلیف پہونچانا، اپنی تکلیف دہ باتوں سے کسی کا دل دکھانا، اپنے دل میں کسی کے بارے میں برا سوچنا بھی اہنسا ہے۔ ہنسا سے بچنے کے لئے جین مت نے دو یک (اچھے برے کی تمیز) پر بہت زور دیا ہے۔ (چنانچہ اپنی بات یا اپنے نظریے پر اڑے رہنا (ہٹ دھرمی) بھی جین مت کی رو سے ہنسا ہے۔ دوسرا قدم ستہ، ہے۔ یعنی جھوٹ نہ بولنا بلکہ من، زبان اور جسم سے کوئی جھوٹا کاروبار نہ کرنا، وہ کوئی چیز ہو، سرکاری ٹیکس ہو، کسی طرح کی چوری نہ کرنا، وہ کوئی چیز ہو، سرکار کا ٹیکس ہو یا کسی کا خیال۔ برہم چریہ کا پالن اپنے جسم، دل اور زبان سے کیا جائے اور پانچ ویں بات اپری گرہ کے معانی ہوتے ہیں کہ کسی طرح سے بھی کوئی پونجی جمع نہ کی جائے۔<sup>۲</sup>

مندرجہ بالا پانچوں اصولوں پر کاربند ہونا ایک عام آدمی کے لئے مشکل ہے اس لئے ان پر جین مٹی اور سادھو عورتیں عمل کر پاتی ہیں۔ چنانچہ دنیا دار لوگ انودرتوں کا پالن کرتے ہیں۔ عوام کو ستم (ڈسپلن) پر چلنا چاہئے۔ گھر گریہستی میں پھنسے ہوئے لوگ اگر دل سے، زبان اور جسم سے گناہ نہ کریں، نہ کرائیں اور نہ گناہ گار کی تائید کریں تو یہی ان کا دھرم پر چلنا ہے۔ جین مت نے داخلی طہارت اور خارجی پاکیزگی کو بہت اہمیت دی ہے۔ پوجا پاٹھ، جپ تپ جیسے عمل کو اپنا کر، ہوس، غصے، انا، دل آزاری جیسی بری باتوں کو ترک کر کے نجات پائی جاسکتی ہے۔

جین مت کی یہ خصوصیات ہے کہ وہ ایشور کو تو مانتا ہے مگر اسے دنیا بنانے والا اور دنیا چلانے والا نہیں مانتا۔ وہ مسئلہ آواگون کا قائل ہے۔ وہ جنت و جہنم کو بھی مانتا ہے اور جنت سے آگے موکش کو بھی۔ جین مت کی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہ چھوت چھات میں دشواس نہیں رکھتا۔ جین دھرم کے ماننے والے صرف بیوپاری ہی نہیں بلکہ کرناٹک اور مہاراشٹر کے لاکھوں کسان جین مت سے تعلق رکھتے ہیں اور جین مت کے ۲۴ تیرتھنکر ذات کے کھتری تھے۔<sup>۳</sup>

## سکھ دھرم (Sikhism)

لفظ 'سکھ' فارسی لفظ 'سیخ' یا سنسکرت لفظ 'ششیہ' سے ماخوذ ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سکھ، سیخ یا ششیہ، پنجابی بولی میں آکر بگڑ گیا اور سیکھ، بن گیا یعنی سیکھنے والا، چیلہ، شاگرد یا مرید۔ بعد میں یہ لفظ اصطلاح بن کر ایک اہم مذہب کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ سکھ دھرم کا آغاز گرو نانک دیو جی یا حضرت بابا نانک شاہ جی کی تعلیم سے ہوتا ہے۔ ان کے پیروکار سکھ کہلائے جس نے بھی گرو نانک دیو جی کی تعلیم کو سیکھا وہ ان کا سیکھ یا سکھ بن گیا۔

گرو نانک دیو جی کا یہی کہنا تھا کہ 'نہ کوئے ہندو نہ کوئے مسلم، یعنی اللہ کی نظر میں سب مخلوق برابر ہیں۔ انہوں نے خدا کی مخلوق کو خدا ہی کے نام پر ذبح ہونے سے بچانے کی کوشش کی۔ نانک نے اپنے الہام اور ذاتی تجربوں سے جو سیکھا تھا اسے خدا کی مخلوق تک پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ان کی تعلیمات ہی کو حقیقی نانک پنٹھ یا سکھ دھرم کہہ سکتے ہیں۔<sup>۱</sup>

بابا گرو نانک نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اپنے جمہوری نقطہ نظر کے پیش نظر اپنے دونوں بیٹوں بابا سری چند اور بابا لکشمی چند کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے ایک نیک و فرماں بردار شاگرد بھائی لہنا کو اپنا روحانی (1539ء) وارث قرار دیا اور اس کو گرو انگد کا لقب عطا کیا کیوں کہ وہ اپنے اس لائق شش کو اپنے ہی وجود کا ایک 'انگ' یا جزو خیال کرتے تھے۔ گرو انگد کے بعد ان کے خاص چیلے و خادم امر داس جی (1552ء) تیسرے گرو کے طور پر گدی نشین ہوئے۔ ان کے بعد (1574ء) بھائی جیٹھ عرف رام داس گرو بنے۔ رام داس گرو امر داس جی کے داماد تھے۔ ان کی گدی نشینی ہی سے سکھ دھرم میں مورثیت کے سلسلے کی ابتداء ہوئی۔ 1581ء میں رام داس جی نے اپنے بڑے بیٹے پر چھوٹے بیٹے ارجن دیو کو ترجیح دے کر گرو بنا دیا۔ سکھوں نے اپنے اس پانچویں گرو کو 'سچا بادشاہ' کا خطاب دیا۔ گرو انگد کے عہد سے گرو ارجن دیو جی تک سکھ دھرم نے نمایاں ترقی کی اور ہندو دھرم کے کٹر پین سے سکھ دھرم دور ہوتا چلا گیا۔ اسی درمیانی زمانے میں جداگانہ سکھ مقدس تیرتھ استھان وجود میں آ گئے۔ جیسے کھادر صاحب، گونید وال، امرت سر، ترنارن، ہرگو بند پورہ وغیرہ گرو رام داس کے عہد میں شہر امرت سر کی تعمیر شروع ہوئی اور پھر یہی شہر سکھوں کا مذہبی ہیڈ کوارٹر بن گیا۔ گرو ارجن دیو نے ادی گرنٹھ کی تشکیل کی جو ہندو بھگتوں، صوفیوں اور وحدانیت کے علم بردار مسلم عالموں کے بصیرت افروز کلام پر مشتمل ہے۔ گرو ارجن دیو نے امرت سر کے ہری مندر (گولڈن ٹیمپل) کا سنگ بنیاد بھی لاہور کے

ایک مسلمان پیرمیاں میر کے ہاتھوں سے رکھوایا تھا اور سکھ دھرم کے بنیادی اصول کے تحت ہری مندر کے چاروں جانب کے دروازے کھلے ہوئے بنوائے گئے تاکہ اس دھرم استھان میں کوئی ہر وقت آ سکے۔<sup>۱</sup>

تاریخ بتاتی ہے کہ بابا گرو نانک سے گرو ارجن دیو تک تمام سکھ گروؤں کے تعلقات باہر سے اکبر تک خوش گوار رہے اور مسلم عوام سے بھی مگر یہ برا اتفاق تھا کہ گرو ارجن دیو جی کے عہد میں کچھ کٹر قسم کے مذہبی ہندوؤں سے ناخوش گواری پیدا ہو گئی۔ چند سیاسی وجوہ سے اور کچھ خاندانی سازش کے نتیجے میں اور ایک دو غلط فہمیوں کے باعث 1606ء میں گرو ارجن دیو جی شہید کر دئے گئے یعنی اس طرح سکھ تاریخ نے ایک موڑ لے لیا اور چھٹے گرو ہرگو بند جی نے میری پیری کی سانجھی رسم جاری کر کے سیزرا اور پوپ دونوں کا مرتبہ حاصل کر لیا اور امرتسر میں اکال تخت کی بنیاد رکھی جہاں سے وہ سکھوں کے تمام مذہبی و غیر مذہبی امور کے بارے میں فیصلے صادر کرنے لگے! انہوں نے اپنے لئے کچھ لڑا کو و جاں باز سنت سپاہیوں کے جتھے بھی بنائے۔ بادشاہ جہاں گیر سے تو اس چھٹے گرو کے تعلقات وقت کے ساتھ ساتھ سدھر گئے مگر چند باتیں ایسی ہوئیں کہ جن کی بنا پر شاہ جہاں کے فوج داروں سے کئی بار ٹکراؤ کی نوبت آئی۔ اگرچہ گرو ہرگو بند جی ہر معرکے میں کامیاب رہے لیکن مصلحتاً انہوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر امرتسر سے شوالک پہاڑیوں کی وادی میں کرت پور کے مقام پر منتقل کر دیا۔ گرو ہرگو بند جی کی وفات کے بعد 1645ء میں گرو ہر رائے اور 1661ء میں گرو ہر کرشن گدی نشین ہوئے۔ گرو ہر رائے کے تعلقات بالخصوص شاہزادہ داراشکوہ سے اور بالعموم شاہ جہاں سے خوش گوار رہے۔ گرو ہر کرشن پانچ برس کی عمر میں ہی گرو نامزد ہو گئے تھے اور تھوڑے ہی دن بعد چچک کے مرض میں مبتلا ہو کر وہ رحلت فرما گئے۔ روایت یہ تھی کہ ہرگرو نے اپنی ہی زندگی میں اپنا پیش رو نام زد کیا کرتا تھا مگر گرو ہر کرشن کی 1664ء میں جب موت واقع ہوئی تو وہ آخری دم صاف طور پر اپنی زبان سے اپنے جانشین کا نام ادا نہ کر سکے چنانچہ ان کی زبان سے ’بکالہ‘ جیسے مبہم لفظ کا سہارا لے کر گاؤں بکالہ میں مقیم گرو ہرگو بند کے فرزند تیغ بہادر کو گدی نشین کر دیا گیا لیکن نتیجے میں سکھ سنتوں کے درمیان ذاتی اغراض اور خاندانی مفادات نے ابھر کر آپس میں عناد پیدا کر دیا اور سکھ دھرم کی روحانیت سکٹ میں آ گئی۔<sup>۲</sup>

گرو تیغ بہادر نے کرت پور کی بجائے آئند پور کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ لیکن نومبر 1675ء میں گرو تیغ بہادر کی شہادت ہو گئی۔ ان کے اکلوتے بیٹے گو بند رائے کو ان کی گدی پر بٹھایا گیا۔ انہوں نے خالصہ کی تنظیم کی امرت چکھانے (تبرک پانی چکھنے) کی رسم انہوں ہی نے شروع کی اور خالصہ یا سنگھوں کے لئے پانچ ’سکوں‘ (کیش، کڑا، کرپان، کنگھا اور کچھا) کا لازمی استعمال بھی انہوں ہی نے شروع

کر دیا۔ گروگو بند رائے کو نیارے خالصہ پنتھ، یا سنگھوں، کا جنم داتا کہا جاتا ہے۔ انہوں نے متعدد قلعے تعمیر کروائے۔ انہیں چند پہاڑی راجاؤں اور مغل فوج داروں سے لڑائیاں بھی لڑنا پڑیں اور کئی خوں چکاں قربانیاں دینے کے بعد 1708ء میں نانڈیٹر کے مقام پر وہ ایک پٹھان کے ذاتی عناد کا شکار ہو گئے۔ گروگو بند کے بعد کوئی بیٹا وارث نہیں بنا تھا چنانچہ ان کی شہادت کے بعد بعض سکھ سنتوں نے گروگو بند کی ترتیب دی ہوئی 'گرنتھ صاحب' ہی کو اپنا گرو ماننا شروع کر دیا اور گروگو بند کو آخری گرو مان کر گرو کے سلسلے ہی کو ختم کر دیا۔ مگر سکھوں میں بعد میں نام دھاری، نیل دھاری، نرن کاری، رادھا سوامی وغیرہ ایسے فرقے پیدا ہو گئے جو گرنتھ صاحب کے بجائے جسمانی طور پر کسی نہ کسی زندہ گرو کا ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اصل حالات نے گروگو بند سنگھ کو جنگ و جدل کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا انہوں نے خود اپنے 'ظفر نامہ' میں کہا ہے کہ:

چوں کاراز ہمہ حیلے درگذشت

حلال است بُردن نہ شمشیر دست

چو طرفہ نظر ڈالنے کے بعد انہوں نے اپنے بے درکاروں کو یہ تلقین کی تھی کہ:

بھنور سے بھڑو شند لہروں سے اُلجھو

کہاں تک چلو گے کنارے کنارے

لیکن یہ کہنا صریحاً غلط ہوگا کہ گروگو بند سنگھ اسلام کے یا مسلمان کے یا مغلیہ حکومت کے مخالف یا دشمن تھے۔ ان کی فوج میں پٹھان بھی تھے اور ان کے مدد احوں میں ترک بھی تھے۔ سید بدرالدین بدھ شاہ جیسے نیک مسلمان اور ساڈھورا جیسے پیر نے گروگو بند سنگھ کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ اپنے بھائی اور اپنے بیٹوں کو گروگو بند پر قربان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی تمام جائیداد لٹا دینے کے بعد خود بھی اذیت اٹھا کر جان دے دی مگر سکھوں کے گروگو بند پر آنچ نہ آنے دی۔ بیشتر مسلمانوں نے اور خصوصی طور پر بھیکم شاہ جیسے دینی بزرگ نے گروگو بند کی خاطر متعدد خطرات مول لئے۔ اگر گروگو بند سنگھ میں مذہبی تعصب ہوتا تو ایسی محترم اور ذمہ دار مسلمان ہستیاں گرو کے حلقہ احباب اور عقیدت مندوں میں شامل نہ ہوتیں۔ گروگو بند سنگھ ذات پات، اونچ نیچ کے مخالف تھے اور ظالموں کے دشمن۔ وہ ظالم ہندو ہو یا مسلمان، پنڈت ہو یا سکھ مہند۔ گروگو بند سنگھ کے بعد ان ہی کی تلقین پر ڈوگرہ بندہ بہادر نے بھی تیاری کی راہ چھوڑ کر تلوار کا راستہ اپنا لیا۔ بعد ازاں سکھ مشل داروں نے پنجاب اور اس کے آس پاس پھیلی ہوئی طوائف الملوکی کا فائدہ اٹھا کر بذریعہ بُرچھا گردی، یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر اپنی جداگانہ ریاستیں اور زمین داریاں قائم کر لیں۔ رنجیت سنگھ نے (1780-1839ء) ایسی تمام جداگانہ جاگیروں کو اپنے قبضے میں لے کر لاہور دربار نام سے ایک خود مختار سکھ سلطنت قائم کر لی جو پنجاب و شمالی مغربی ہند پر مشتمل

تھی۔ اسی رنجیت سنگھ نے امرت سر میں گرو گو بند سنگھ کے نام گو بند گڑھ اور گرو رام داس کے نام پر رام باغ بنوایا۔ رنجیت سنگھ نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ اس ہری مندر کو جو متبرک تالاب یا سردور کے درمیان واقع تھا اور جسے غیر ملکی حملہ آوروں نے مسمار کر دیا تھا از سر نو تعمیر کروانے کے بعد سنہ ۱۸۰۷ء میں اسے گولڈین ٹیمپل کہا جانے لگا مہاراجا رنجیت سنگھ کی موت کے بعد سکھ راج کے حالات خراب ہو گئے چنانچہ ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے سکھ راج کو اپنی سلطنت ہند میں ملا لیا۔ رنجیت سنگھ نے افغانستان کے پناہ گزیں شہزادے شاہ شجاع سے جو کوہ ہیرا چھینا تھا، انگریزوں نے اس ہیرے کو اور رنجیت سنگھ کی طلائی کرسی کو انگلستان بھیج دیا۔ رنجیت سنگھ کے معزول شدہ معصوم بیٹے دلپ سنگھ کو بھی انگلستان بھیج دیا گیا جہاں اس نے بخوشی یا بہ مجبوری عیسائی مت قبول کر لیا۔<sup>۱</sup>

سکھ دھرم کی کہانی روحانیت و شجاعت کا ایک رنگین شاہکار ہے۔ اس کیاری کی ترتیب اول بابا گرو نانک نے کی۔ اس کی آبپاشی گرو انگد، گرو امر داس اور گرو رام داس نے کی۔ اسے گرو ارجن دیو نے ادی گرنٹھ سے نکھارا اور اپنے چمک دار خون سے سینچا۔ گرو گو بند نے سنتوں میں سپاہیانہ صلاحیت پیدا کی۔ گرو ہر رائے اور گرو ہر کرشن کے زمانے میں اس کی پالنا پوسنا ہوگی۔ گروتیج بہادر کی شہادت سے آزادی ضمیر کا درجہ ملا۔ اور گرو گو بند سنگھ کے خالصہ سے اس کے خدو خال میں ایک تاریخی تبدیلی رونما ہوئی۔

سکھ عوام اپنے مختلف تیرتھ ستھانوں، تاریخی مقامات سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں۔ ان میں وہ امرت سر، پٹنا صاحب، حضور صاحب نانڈیڑ، آنند پور اور دم دمہ صاحب کو اہم ترین مانتے ہیں۔ دراصل ان مقامات کو تخت کہا جاتا ہے۔ امرت سر جو سکھوں کا ہیڈ کوارٹر بھی ہے یہاں پر گرو ہر گو بند کا قائم کردہ اکال تخت، تاحال سکھوں کی جائے اعلیٰ مانا جاتا ہے۔ یہاں سے اب تک کئی حکم نامے، جاری ہو چکے ہیں۔ کچھ سکھ حلقے ان دونوں اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ اس شہر کو پاپائے روم کے 'ویٹکان' کا سا درجہ دے دیا جائے۔

بیشتر سکھ دھرم ستھانوں اور گرو دواروں کا انتظام قانونی طور پر تشکیل شدہ اور جمہوری طور پر ساختہ کمیٹی یعنی شرومنی گرو دوارہ پر بندھک کمیٹی کے سپرد ہے۔<sup>۲</sup>

## باب - ۲

پرسنل لا..... تاریخی تناظر میں

## پرسنل لا.....تاریخی تناظر میں

### پرسنل لا کا مفہوم:

جدید قانونی اصطلاح میں پرسنل لا (Personal Law) کا مطلب اس قانون سے ہوتا ہے جس کا تعلق آدمی، گروہ کے نجی، ذاتی اور خانگی معاملات سے ہو۔ یعنی آدمی کے وہ اعمال و تصرفات جن میں اس کے ذاتی اور شخصی عمل و ارادہ کا دخل ہو۔ اور ان کا تعلق جماعت و حکومت سے مطلق نہ ہو یا برائے نام ہو۔ وضاحت کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ فرد کے ایسے اختیاری کام ہوتے ہیں جس میں اس کی رائے اور عمل بالکل آزاد ہوتے ہیں۔ اور ابتدائی طور سے اسے عملی جامہ پہناتے ہیں۔

حکومت یا معاشرہ کا تعلق ان معاملات سے فرد کے ذاتی حرکت و عمل کے بعد ظاہر ہوتا ہے اس لئے اسے شخصی کہا جاتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ دنیا کے کسی فرد کا کام مطلق شخصی نہیں ہوتا ہے بلکہ کسی نہ کسی درجہ میں اس کا تعلق دوسرے افراد سے بھی ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ تفریق اکثری ہے کلی نہیں ہے۔<sup>۱</sup>

### پرسنل لا کی ملی حیثیت:

قوموں کے لئے ان کی اقدار حیات، نظریات زندگی، اخلاق کے اصول، معاملات کے طریقے اور ان کا قانونی نظام انہیں عزیز ہوتا ہے۔ فکری سرمایہ، مذہبی اور اخلاقی تصورات ہی کسی قوم کی تہذیب کا سرچشمہ اور اس کا بنیادی پتھر ہوتے ہیں، لیکن ان سب میں کسی بھی مذہب و تہذیب کی روح ان کے پرسنل لا میں بند ہوتی ہے عائلی قوانین ہی میں قوموں کے عزائم و افکار، رسم و شعار، عقائد و ایمان کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے، کسی اور قوم کے یہاں عائلی قوانین (Family Laws) کی یہ اہمیت ہو یا نہ ہو مسلمانوں کے یہاں اس کی اہمیت و حیثیت مسلم ہے۔ یہ ان کے ایمان و عقیدہ کا جزو ہے۔ انہیں کتاب و سنت پر ایمان کا حکم ہے اور یہ قوانین ان ہی دو ماخذوں میں صراحتاً موجود ہیں۔<sup>۲</sup>

شریعت کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ حرام و حلال ہی نہیں مباح و مستحب کو نہ بڑھا کر فرض، واجب بنایا جاسکتا ہے۔ نہ اسے مکروہ اور حرام کیا جاسکتا ہے۔ نہ مطلق کو مقید کر سکتے ہیں نہ مشروط کو غیر مشروط بنا سکتے ہیں۔

اسلام میں قانون سازی خدا کے ہاتھ میں ہے

شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذي او حينا اليك ۳

جسم اگر بے جان کے اور درخت اگر بے جڑ کے قائم رہ سکتا ہے تو کوئی ملت بغیر اپنے عائلی قوانین

۱۔ مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام، ص ۱۶، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ، مرتبہ شمس تبریز خاں  
۲۔ ایضاً ۳۔ شوری، آیت نمبر ۱۳

اور خاندانی نظام کے زندہ رہ سکتی ہے ورنہ نہیں۔ کسی اور قوم کے لئے اس کی اتنی اہمیت ہو یا نہ ہو ماننے اور اطاعت کرنے اور اللہ و رسولؐ کی فرمانبرداری کا قلابہ گردن میں ڈال لینے سے اور یہ اسلام و ایمان تو لا ہی نہیں بلکہ بالفعل اور عملی طور پر اس کی پوری زندگی میں زندہ و تابندہ جاری اور نافذ ہونا چاہئے۔<sup>۱</sup>

پرسنل لا کا اگر ایک طرف عقیدہ و ایمان پر مدار ہے تو دوسری جانب امت مسلمہ کے وجود و بقا کا انحصار بھی ان ہی پر ہے۔ یہ دو دھاری تلوار ہے جسے اگر کسی قوم کے خلاف استعمال کیا جائے تو اس کے معنوی وجود کے ساتھ اس کے ظاہری ہست و بود اور نمود کو ختم کر کے رکھ دیگا سماجی نظام (Social Structure) کی تمام بنیادیں پرسنل لا اور فیملی لاز ہوتے ہیں۔ فرد کی تعلیم و تربیت،داشت و پرداخت، افراد خاندان کے تعلق کی نوعیت گھر کا اندرونی نظم و ضبط، خاندان کی تشکیل و تربیت، یعنی ایک چھوٹی سی دنیا کی داغ بیل ان ہی قوانین سے پڑتی ہے۔ جو آگے چل کر ایک محلہ، ایک شہر، ایک قوم اور ایک ملک بن جاتی ہے یا ہر مذہبی عقیدہ نظام فکر اور تصور حیات اپنے بر محل اطلاق و انطباق (Application) کے لئے کوئی سماج، معاشرہ اور تمدن چاہتا ہے جہاں وہ پھل پھول سکے اور اپنی ارتقاء کو تکمیل تک پہنچا سکے۔

مذہب ہو یا تحریک دونوں کو اپنے پاؤں ٹکانے کے لئے زمین کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے ظہور، وجود اور آئندہ زندگی کے لئے ایک خاندانی نظام ناگزیر ہے جو ان عقائد و تعلیمات پر دل سے یقین رکھتا اور زندگی میں اس کا مظاہرہ کرتا ہو۔

پرسنل لا کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جس کا وجود و عدم قوموں کے لئے برابر ہو، ان کی زندگی پر تاثیر و تاثر کا عمل نہ رکھتی ہو۔ ان کے تصور حیات و کائنات میں نہ اتری ہو، اور ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر حصے پر اس کی گہری چھاپ نہ لگی ہو، قوموں کی ذہنیت، مزاج اور ان کی حیات کی ظاہری شکل و صورت سب اسی کے عطیہ ہوتے ہیں۔ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں بتائی جاسکتی۔ (خواہ وہ متمدن ہو یا وحشی) جو اپنا خاص خاندانی نظام نہ رکھتی ہو، خواہ وہ سماجی ارتقاء سے بن گیا ہو یا وحی والہام اور خدائی قانون کے ذریعہ مرتب ہوا ہو، لیکن قوموں کی تشکیل اور صورت گری میں اس کا بڑا اور بنیادی حصہ (Role) رہا ہے۔<sup>۲</sup>

### پرسنل لا کی شرعی حیثیت:

پرسنل لا کی شرعی حیثیت اور اس کی دینی اہمیت ہندوستانی مسلمانوں کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں ہمیشہ مُستَم رہی ہے۔ یہ دین و شریعت کا لازمی اور لاینفک جز رہا ہے جس کے بغیر مسلمانوں نے کبھی دین و

<sup>۱</sup> مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام، ص ۱۹، مجلس تحقیقات و شریات اسلام لکھنؤ ۱۲ ایضاً، ص ۲۰



قانون کا تصور ہی نہیں کیا۔ یہ ایسا متفق علیہ، مسلمہ (Postulate) ہے جس میں شیعہ سنی اور کسی دہستان فقہ، یا کسی ماہر قانون اسلامی نے کوئی اختلاف رائے نہیں ظاہر کیا۔ اور اس کی یہ مسلمہ حیثیت اس لئے ہے کہ وہ احادیث سے قطع نظر خود قرآن مجید میں تفصیلاً مذکور ہے اور جہاں یہ احکام آئے ہیں وہاں صراحتاً یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اسلام کے بنیادی احکام ہیں یعنی یہ مستتب، مندوب اور مباح کے درجہ میں نہیں بلکہ ان کا شمار فرائض و واجبات میں ہے اور ان سے عذاب و ثواب کا اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضگی، اور حدود اللہ میں رہنے نہ رہنے کا تعلق ہے۔<sup>۱</sup>

اور جب پرسنل لا کی یہ حیثیت متعین ہو جاتی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان مسائل پر مسلمان کے مسلمان باقی رہنے کا سوال ہے۔ اس لئے کہ ضروریات دین کا انکار کفر ہے۔ یہاں یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینے کی ہے کہ پرسنل لا کی حیثیت کا تعین یا کسی شرعی مسئلہ کی حیثیت اور اس کی درجہ بندی کا اختیار اللہ و رسول کے سوا اور کسی کو نہیں نہ علماء اس کے مختار ہیں نہ حکومت نہ عوام، بلکہ قانون خداوندی خود اپنی حیثیت کا تعین کرتا ہے۔ ہندوستان یا سارے عالم کے مسلمان ان قوانین میں کسی بنیادی تبدیلی اور کسی ترمیم کے مجاز نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ پرسنل لا کی تبدیلی کی نظیر میں مسلم ممالک کو پیش کرتے ہیں وہ اسی وجہ سے سخی لا حاصل ہو جاتی ہے اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ مسلم ممالک میں بھی یہ نہیں ہوا ہے کہ سرے سے کسی شرعی مسئلہ ہی کو ختم کر دیا گیا ہو بلکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ تلفیق سے کام لیا گیا ہے۔ اور کوئی ترمیم ہوتی ہے تو وہ کسی امام کے مذہب کے مطابق ہوتی ہے۔<sup>۲</sup>

اس کے ساتھ ہی یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مسلم پرسنل لا کی حیثیت انسانی ذہن کے بنائے ہوئے ماہرین قانون کے تیار کئے ہوئے اور سماج کے اپنائے ہوئے قانون کی نہیں جس میں حسب خواہش وقت کی مانگ دیکھتے ہوئے مناسب یا نامناسب تبدیلیاں کی جاسکتی ہوں، بلکہ ان کی الہامی حیثیت اور اس کے دینی تقدس کا یہ تقاضہ ہے کہ اس میں انسانی رد و بدل کا دخل نہ ہو۔ اور یہ اس لئے ہے کہ مسلمان جب قرآن پر ایمان لاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کتاب عظیم کے صراط مستقیم پر اسے چلنا ہے اور اس کے قانون و شریعت کو اپنی زندگی میں نافذ اور لاگو کرنا ہے۔ پرسنل لا کی یہ دینی حیثیت انگریزی دور میں بھی مسلم رہی ہے۔<sup>۳</sup>

پرسنل لا کی شرعی حیثیت کی صراحت قرآن ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کی نظام زندگی اور نصب العین کا تعین کتاب و سنت کے علاوہ کوئی چیز نہیں کر سکتی جو دستور حیات مسلم معاشرہ میں نافذ ہے وہی

اپنے احکام کے بارہ میں مستند تفصیلات دے سکتا ہے۔

نکاح کا مسئلہ صرف معاشرتی اور روایتی مسئلہ ہی نہیں بلکہ دینی مسئلہ ہے اس لئے کہ اس کی بنیاد رسومات پر نہیں بلکہ شرعی احکام پر ہے، نکاح کے بارہ قرآن میں کہا گیا ہے ’کتاب اللہ علیکم‘<sup>۱</sup> یہ اللہ کا تمہارے لئے فیصلہ ہے۔ پھر کہا گیا ہے، ’ذلک حکم اللہ یحکم بینکم‘، یہ اللہ کا وہ حکم ہے جو تم پر جاری کرتا ہے خلع و طلاق کے احکام جہاں دئے گئے ہیں یہ یاد دہانی اور تنبیہ بھی کر دی گئی کہ یہ معمولی قانون نہیں بلکہ اللہ کے قائم کردہ حدود ہیں جن سے آگے بڑھنا جائز نہیں ’تلك حدود الله فلا تعتدوا‘<sup>۲</sup> ہاں، عدت کا جہاں بیان ہوا، وہیں یہ صراحت کر دی گئی کہ یہ اللہ کا حکم ’ذلک امر اللہ انزلہ الیکم‘<sup>۳</sup> وراثت کے تفصیلی احکام دیتے ہوئے اس کی حیثیت بھی بتا دی گئی کہ یہ خدا کی طے تقسیم ہے ’نصیباً مفروضاً‘<sup>۴</sup> اللہ کی وصیت ہے ’یوصیکم اللہ‘<sup>۵</sup> اللہ کا متعین کردہ فرض ’فريضة من اللہ‘<sup>۶</sup>۔

وراثت کے احکام کے بعد یہ تہدیدی انداز بھی اختیار کیا گیا کہ اللہ و رسول کی نافرمانی اور اس کے حدود کی پامالی جہنم کے دائمی اور رسوا کن عذاب پر ختم ہوگی۔

ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله ناراً خالداً فيها وله عذاب مهين۔<sup>۷</sup>

طلاق کے اوامر جہاں آئے ہیں وہیں یہ تصریحات بھی آگئیں کہ خدا و آخرت پر ایمان کا تقاضا ہے کہ ان احکام کی بجا آوری کی جائے اور ایمان کے ساتھ اس کا ذکر کر کے بتا دیا گیا کہ اس کا تعلق صراحتہً دین و مذہب سے ہے۔

ذلک یو عظ بہ من کان منکم یومن باللہ والیوم الآخر۔<sup>۸</sup>

اظہار کے قوانین جہاں بیان ہوئے وہاں بھی اس کا تعلق ایمان اور حدود اللہ سے قرار دے کر عذابِ علیم کی وعید سنائی گئی۔

ذلک لتقوٰ منوا باللہ ورسوله و لتک حدود اللہ وللکافرین عذاب الیم۔<sup>۹</sup>

اسی طرح ان احکام کی دینی حیثیت اور شرعی اہمیت احادیث رسول میں بھی بتائی گئی ہے۔ ابن ماجہ کی روایت ہے آپؐ نے فرمایا کہ علم المیراث نصف علم کے برابر ہے۔

تعلموا الفرائض وعلموها الناس فانها نصف العلم

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ علم فرائض سیکھو کہ وہ تمہارے دین کا ایک حصہ ہے۔

|                                  |                             |                             |
|----------------------------------|-----------------------------|-----------------------------|
| ۱۔ النساء سورۃ النساء آیت نمبر ۱ | ۲۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۲۹ | ۳۔ سورۃ طلاق آیت نمبر ۵     |
| ۴۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۱       | ۵۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۴  | ۶۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۳۳۲ |
|                                  |                             | ۷۔ سورۃ مجادلہ آیت نمبر ۴   |

تعلموا الفرائض فانها من دينكم

عہد نبوت میں بھی اس فن کے ماہرین کا خاص مقام تھا کہ حضرت عثمان اس میں بہت ماہر تھے اس طرح حضرت زید کے لئے کہا گیا انہیں یہ فن سب سے زیادہ آتا ہے۔

وافرضهم زید ابن ثابت

اس طرح شریعت کے دوسرے شعبوں کے ماہرین کے لئے نام لے کر زبان رسالت ترجمان نے کہا کہ وہ فلاں قانون شریعت میں امتیاز رکھتے ہیں۔

شریعت کی ہمہ گیری سے مسلمانوں کا کوئی عہد خالی نہیں رہا ہے۔ یہ شریعت ہی تھی جس نے باوجود سیاسی زوال اور انحطاط کے مسلم معاشرہ کے اندورنی نظم و استحکام کو برقرار رکھا ہے۔ ایک مغربی مستشرق اسلامی شریعت کی ہمہ گیری کا اس طرح اعتراف کرتا ہے۔

’فقہ نے مسلم معاشرہ کے اخلاق و معاملات کو منضبط کر دیا اور اسلامی شریعت ہمیشہ کے لئے مسلم معاشرہ کی وحدت کی بنیاد بن گئی..... مسلم جمہور نے ہمیشہ شریعت کو سماجی اقدار کا معیار تصور کیا ہے جن کے اقرار و انکار پر خود اسلام کے وجود و عدم کا دار و مدار سمجھا گیا ہے۔‘<sup>۱</sup>

شریعت کے بارے میں مسلمانوں کے گہرے جذبات اور عقیدہ مندانہ وابستگی کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے شریعت کا دامن کبھی نہیں چھوڑا نہ اس میں خالص سیاسی اور عقلی دباؤ سے ترمیم کی اجازت دی، کلامیات و عقائد میں ذات و صفات، جبر و اختیار، حدوث قدم کی بحثیں ضرور ملتی ہیں لیکن جہاں تک نص کتاب سنت کا تعلق ہے مسلمانوں نے نہ خود اس سے انحراف کی جرأت کی نہ دوسروں کو اجازت دی۔

مسلمانوں میں شریعت و طریقت کے معر کے مشہور ہیں، مسلمان تصوف و صوفیہ کو عقیدت و احترام سے دیکھتے ہیں لیکن طریقت ہمیشہ شریعت کے تابع رہی ہے اور کسی بڑے سے بڑے صوفی نے دائرہ شریعت سے قدم نکالنے کی جرأت نہیں کی اور جنہوں نے کی ان کی مسلم معاشرہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ کسی غیر مسلم حکومت کے ماتحت رہ کر بھی انہوں نے اپنے اندرونی مسائل اور عائلی قوانین میں اپنے ہاں کوئی دوسرا قانون اپنایا ہو یا کسی کو اس تبدیلی کی اجازت دی ہو۔ امام شافعیؒ اور امام لیث بن سعدؒ نے کیا خوب کہا ہے:

اذا راأیتم الرجل یمشی علی الماء ویطیر فی الهواء فلا تغروا به حتی ضوا مرة علی

الکتاب والسنة

(یعنی کسی کو پانی پر چلتے اور ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھ کر دھوکہ نہ کھاؤ بلکہ کتاب و سنت سے اس عمل کی مطابقت دیکھو۔)

## ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا تاریخی جائزہ

ہندوستان میں اسلام پہلی صدی ہجری میں ہی متعارف ہو گیا تھا جب کہ مالا بار کے راجہ نے نئے مذہب کو قبول کر لیا تھا۔ اسلامی قوانین کے باقاعدہ نفاذ کی تاریخ پہلی صدی (آٹھویں صدی عیسوی) ہجری سے شروع ہوتی ہے۔ {عہد سلطنت (1206-1526ء)} ہے۔ البتہ محمد ابن قاسم نے ۲۰/جون ۷۱۲ء (۱۰/رمضان ۹۳ھ) کو دیول (کراچی) فتح کیا، لہذا پہلی صدی ہجری درست ہو سکتا ہے مگر عہد سلطنت درست نہیں ہو سکتا۔ اس زمانے میں اسلام کے دیگر قوانین، مثلاً جرائم، شہادت اور عدالتی نظام کے قوانین کے علاوہ عائلی اور شخصی قوانین بھی بتدریج نافذ ہوئے۔ لیکن دیگر قوانین مذکور کے برخلاف عائلی قوانین کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہوتا تھا۔ غیر مسلم ان سے قطعاً مستثنیٰ تھے اور ان کے تمام مقدمات کے فیصلے ان کے اپنے مذہبی قوانین کے مطابق ہی ہوتے تھے۔ شخصی قوانین کے دائرے میں مسلمان سلاطین نے نکاح و طلاق ازدواجی زندگی کی جزئیات مثلاً نفقہ وراثت، وصیت، اوقاف، شفعہ، ہبہ اور عائلی حقوق کو شامل کیا تھا۔ ان سب ہی معاملات میں مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ قاضیوں کی عدالتوں میں شریعت کے مطابق کیا جاتا تھا۔ مگر جب انگریزوں نے ملک میں اپنا تسلط قائم کیا تو سلاطین مغلیہ کی اس پالیسی کو قائم رکھا۔ ۱۷۷۲ء میں گورنر (جنرل) وارن ہسٹنگز نے اپنا مشہور رگولیشن (Regulation) کے ذریعہ عدالتوں کو ہدایت کی کہ وراثت ازدواج اور دیگر شخصی معاملات کے مقدمات کا فیصلہ مسلمان فریقین کے لئے قرآنی قوانین اور ہندو فریقین کے لئے شاستروں کے مطابق ہوگا۔ اس پالیسی پر انگریزوں نے اپنی حکومت کے ہر عہد میں عمل کیا۔ البتہ انہوں نے بعض خصوصی قوانین (ایکٹ) بھی پاس کئے جن کو تمام ہندوستانیوں پر بالکل نافذ کیا گیا اور جن کے اثر سے بہ شمول شریعت اسلامی مختلف مذہبی قوانین کے دائرے بعض معاملات میں خود بخود محدود ہو گئے۔ مذہبی قوانین کو انگریزوں نے 'پرسنل لا' کا عنوان دیا اور اس طرح 'مسلم پرسنل لا' کی اصطلاح استعمال عام میں آئی۔ برطانوی حکومت نے چند مدونہ قوانین [مدونہ قانون (Statutory Law)] سے مراد وہ قانون ہے جو جدید ایکٹ کی شکل میں موجود ہو۔ [کے ذریعے مسلم پرسنل لا کے نفاذ کی حدود اور اس کے اطلاق کا دائرہ معین کر دیا۔ مزید برآں اسی زمانے میں مرکزی اور ریاستی مجالس قانون ساز نے مسلمانوں کے بعض عائلی معاملات سے متعلق چند ایکٹ بھی پاس کئے جو مسلم پرسنل لا کا جزو قرار دئے گئے۔]

## عام مسلمان پر مسلم پرسنل لا کا نفاذ:

عام مسلمان کن معاملات اور حالات میں مسلم پرسنل لا کے تابع ہوں گے اس کا تعین فی الوقت ۱۹۳۷ء کا شریعت ایکٹ کرتا ہے۔ یہ چند دفعات پر مشتمل ایک مختصر ایکٹ ہے جس کے متن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱- وراثت، نکاح، تفسیح نکاح بہ شمول طلاق، ایلاء، ظہار، لعان، خلع و مبرأت، نفقہ، ہبہ اور اوقاف کے معاملات میں مسلمان مسلم پرسنل لا کے تابع ہوں گے اور ان معاملات سے متعلق ایسے تمام مقامی رسم و رواج جو شریعت سے متصادم ہوں قطعاً باطل ہوں گے۔<sup>۱</sup>

۲- وصیت اور تنبیت کے معاملات میں مسلم پرسنل لا کا اطلاق اختیاری ہوگا۔ اگر کوئی عاقل و بالغ شخص شریعت ایکٹ میں مذکورہ طریقے پر ان معاملات میں بھی مسلم پرسنل لا کو قبول کر لیتا ہے تو وہ خود، اس کی نابالغ اولاد اور ان کی بعد کی پشتیں ان دونوں معاملات میں بھی شرعی قوانین کے تابع ہوں گی۔

۳- شرعی آراضی کی وراثت سے متعلق مقدمات پر خاتمہ زمینداری ایکٹ کی وجہ سے مسلم پرسنل لا کا اطلاق نہ ہوگا۔ (یہ دفعہ آندھرا پردیش کے علاقے اور ریاست تامل ناڈو میں نافذ نہیں ہے۔) جیسا کہ ظاہر ہے شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء میں اسلامی قانون کے اصول نہیں بیان کئے گئے ہیں اور اس کی مختصر دفعات صرف مسلم پرسنل لا کے اطلاق کی حدود کی نشان دہی کرتی ہیں۔<sup>۲</sup>

## مخصوص طبقات:

مسلمانوں کے دو مخصوص طبقات کے لئے شریعت کے اطلاق سے متعلق خصوصی قوانین ہیں۔ جنوبی ہند کے موپلا مسلمان، جن کی بھاری اکثریت ریاست کیرالا کے علاقے مالابار میں رہتی ہے، اس ملک میں اسلام کے قدیم ترین نام لیواؤں میں سے ہیں اور عصر حاضر میں ایک با اثر اور محترم حیثیت کے مالک ہیں۔ اس طبقے سے متعلق دو خصوصی قوانین ہیں جو ۱۹۱۸ء اور ۱۹۲۸ء میں پاس ہوئے تھے۔<sup>۳</sup> ان کی رو سے وراثت اور وصیت کے تمام معاملات میں موپلا مسلمان لازمی طور پر اسلامی قوانین کے تابع ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کے مہین طبقے کے لئے ۳۸ء میں ایک خصوصی قانون پاس ہوا تھا جو وصیت کو اسلامی قوانین کے لازمی اطلاق سے مستثنیٰ نہیں کرتا ہے۔<sup>۴</sup>

## وصیت اور تنبیت..... اور دستور ہند:

موجودہ قانونی کیفیت یہ ہے کہ کوئی مسلمان اگر موپلا یا مہین ہے تب تو وہ لازمی طور پر وصیت کے شرعی

۱۔ مسلم پرسنل لا کا تحفظ کا مسئلہ ج ۲۴ ۲۔ ایذا ج ۲۵ ۳۔ موپلا وراثت ایکٹ ۱۹۱۸ء اور موپلا وصیت ایکٹ ۱۹۲۸ء ۴۔ مہین ایکٹ ۱۹۳۸ء

احکام کا پابند ہوگا ورنہ اسے اختیار ہوگا خواہ ان پر کاربند ہو یا مقامی رسوم کا پابند رہے۔ وصیت سے متعلق مسلم پرسنل لا میں ایک مکمل قانون موجود ہے جس کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ کوئی بھی سنی شخص اپنی جائیداد کے ایک تہائی سے زیادہ حصے کی وصیت کرنے کا مجاز نہیں ہے، تاکہ وراثت کے شرعی احکام نافذ ہو سکیں۔ ہندوستان کے بعض حصوں میں وصیت کے مقامی رواج ہیں جو شریعت سے متصادم ہیں کیوں کہ وہ ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کرتے۔ اور ان مقامات کے مسلمان، بشرط کہ وہ موپلا یا میمن نہ ہوں، ان رواجوں کے اطلاق پر مصر ہو سکتے ہیں، جس کا جواز شریعت ایکٹ ۳۸ء کی دفعہ ۳ میں موجود ہے۔<sup>۱</sup>

تبنیت (یعنی کسی کو بیٹا بنانے) سے متعلق مقامی رسوم کو بھی مسلمان اپنا سکتے ہیں، اگر وہ اس مسئلے میں شریعت کی پیروی نہ کرنا چاہیں، اسلام میں منہ بولے بیٹے کی کوئی قانونی یا شرعی حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کو بیٹا بنالے تو اسلامی قانون کی نظر میں ان دونوں میں کوئی ایسا رشتہ قائم نہ ہوگا جو حرمت نکاح اور حقوق وراثت کو لازمی قرار دے۔ البتہ اگر مقامی رواج کے مطابق تبنیت کی قانونی حیثیت مسلم ہو اور وہ شخص شریعت کے بجائے اس رواج کے اطلاق کا خواہش مند ہو تو عدالتیں اسے نافذ کر سکتی ہیں۔ (1975ء میں مسلمانوں و عیسائیوں کو متبنی ایکٹ (Adoption Act) سے مستثنیٰ کر دیا گیا)۔

سطور بالا میں بالتفصیل یہ وضاحت کی گئی ہے کہ کن مخصوص معاملات میں مسلمانوں کے مختلف طبقات کے لئے مسلم پرسنل لا کا اطلاق لازمی یا اختیاری طور پر کیا جائے گا۔ اب یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ 'مسلم پرسنل' پر ہم روشنی ڈالیں۔

## مسلم پرسنل لا، فقہی مسائل کا پس منظر

### چار مختلف مسالک:

اسلامی فقہ کے مختلف مسالک مختلف ملکوں میں رائج رہے ہیں سب ہی بنیادی طور پر قرآن و سنت پر مبنی ہیں اور شرعی اجتہاد کے دائرے میں آتے ہیں۔ ہندوستان کے طول و عرض میں سنی مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت فقہ حنفی کے تابع ہے۔ لیکن جنوبی ہند کی ریاستوں کے مختلف حصوں ریاست کیرالہ و تمل ناڈو کے مختلف حصوں میں عموماً شافعی مسلک کا بھی خاص اثر ہے۔ اہل تشیع عموماً اثنا عشری عقیدہ اور فقہ جعفری کے پیرو ہیں۔ علاوہ ازیں مغربی ہندوستان میں بسنے والے خوجہ اور بوہرہ مسلمان فقہ اسماعیلیہ کے ماننے والے ہیں۔ بوہرہ مسلمانوں کی اکثریت سنی ہے، البتہ ایک بڑی تعداد داؤدی بوہرہ اسماعیل ہے۔ نیز بھٹکل (کرناٹک) ان کے علاوہ اسماعیلیہ آغا خانہ بھی قابل ذکر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ چاروں مذاہب فقہ کے بنیادی اصول تو مشترک ہیں لیکن جزئیات میں یہ ایک دوسرے سے خاصے مختلف ہیں۔ فقہ اسماعیلیہ

کے بعض مسائل درجہ بالا مذاہب سے مختلف ہیں۔ چنانچہ مسلم پرسنل لا کا ایک بہت بڑا حصہ جو قدیم شرعی مسائل پر مشتمل ہے اس ملک کے مسلمانوں کے چار مختلف طبقوں کے لئے ایک دوسرے سے مختلف ہے اور اس میں یکسانیت نہیں ہے۔<sup>۱</sup>

### فقہی ذرائع:

مذکورہ بالا چاروں مذاہب فقہ کے قدیم مسائل کو کسی جدید دفعہ اور قانون کی شکل میں اب تک مدون نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن اس ملک کی عدالتیں ان مسائل کے لئے نہ تو قرآن و سنت کا براہ راست مطالعہ کرتی ہیں اور نہ ان مذاہب کے قدیم فقہاء کی اصل تصنیفات سے رجوع، کہ اس راہ میں لسانی دقت حائل ہے۔ قدیم مسلم پرسنل لا کے لئے عدالتوں کو جو ماخذ میسر ہیں ان میں اول بعض قدیم کتب فقہ کے انگریزی ترجمے ہیں۔ (قرآن مجید کے ترجموں کا بھی شاذ و نادر عدالت ہائے عالیہ و عدالت عظمیٰ حوالہ دیتی ہیں)۔ جن میں حنفی مسلک کی مشہور کتاب، ہدایہ فقہ شافعیہ کی 'منہاج الطالبین' اور وراثت سے متعلق مشہور تصنیف 'السراجیہ' کے ترجمے شامل ہیں۔ دوم مغل بادشاہ اورنگ زیب کے زمانے میں تیار کیا گیا مجموعہ مسائل ہے جو 'فتاویٰ عالمگیری' کے نام سے مشہور ہے سوم انگریزی میں لکھی ہوئی مستند درسی کتب ہیں جن میں نواب عبدالرحمن، سر عبدالرحیم، سید امیر علی، بیلی، سر آرلڈ ولسن، ڈی. ایف. آنڈرزن ملّا، بدرالدین طیب جی، کاشی پرشاد سکسینہ اور آصف علی اصغر، فیضی کی تصانیف زیادہ معروف و مقبول ہیں۔ علاوہ ازیں بڑی عدالتیں (یعنی آزادی سے قبل پریوی کونسل، ہائی کورٹ اور اب سپریم کورٹ، صوبائی ہائی کورٹ) جس طرح شرعی مسائل کی تشریح کرتی ہیں وہ خواہ صحیح ہوں یا نہیں، چھوٹی عدالتوں کے لئے نظیر بن جاتی ہیں اور مؤخر الذکر کے لئے مسلم پرسنل لا کے جزو کی حیثیت رکھتی ہیں۔<sup>۲</sup>

### جدید مسلم پرسنل لا، مدون قوانین: (یعنی وہ ایکٹ جو مجالس قانون ساز نے پاس کئے ہیں)

شریعت کے قدیم مسائل جن کے مآخذ کا ذکر اوپر آیا ہے۔ معاصر ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا ایک غالب حصہ ہیں۔ مسلم پرسنل لا کا دوسرا چھوٹا حصہ چند قوانین پر مشتمل ہے جو وقتاً فوقتاً مرکزی اور ریاستی مجالس قانون ساز نے پاس کئے ہیں یہاں ہم ان کا اجمالی جائزہ لیں گے۔

### مہر سے متعلق ایکٹ:

ریاست جموں و کشمیر اور اودھ میں مہر سے متعلق مقامی قوانین ہیں جن کے مطابق اگر کسی نکاح نامے میں مذکورہ مہر مسمیٰ کی رقم شوہر کی مالی حیثیت کے اعتبار سے غیر معمولی طور پر زیادہ ہو تو عدالت کو اس میں ضروری تخفیف کرنے کا اختیار ہوگا۔

مختصر تاریخ اس طرح ہے۔ فقہ حنفیہ کے مطابق ہندوستان میں عدالت کو کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی بھی حالت میں فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے خواہ اس کے باعث اس کو کتنے ہی مصائب کیوں نہ برداشت کرنے پڑیں۔ اس فقہ کے ایک دوسرے مسئلے کے مطابق اگر کوئی مسلمان منکوحہ عورت مرتد ہو جائے تو اس کا مسلمان شوہر سے نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا۔ ہندوستان کے مختلف گوشوں میں بہت سے واقعات ایسے رونما ہونے لگے تھے کہ اگر کوئی حنفی عورت اپنے موجودہ نکاح کے بندھن سے آزاد ہونا چاہتی تھی تو فقہ حنفیہ میں اس کی اور کوئی صورت نہ پا کر اسلام ترک کر کے کوئی اور مذہب اختیار کر لیتی تھی اور اس طرح اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا تھا۔ مشہور عالم مولانا اشرف علی تھانوی کو جب اس صورت حال کی اطلاع ملی تو انہوں نے ان مسائل میں حنفی کو ترک کر کے ان کی جگہ فقہ مالکیہ کو اپنانے کی تجویز رکھی، جن کے مطابق مخصوص حالت میں عدالت مسلمان منکوحہ کا نکاح فسخ کر سکتی ہے اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک کتاب ”الحیلۃ الناجزۃ للحلیۃ العاجزہ“ کے عنوان سے لکھی۔ اس تجویز کی روشنی میں مرکزی مجلس قانون ساز کے رکن محمد احمد کاظمی مرحوم نے ایک بل پیش کیا جس کی بنیاد پر ”تنسیخ نکاح ایکٹ ۱۹۳۹ء“ پاس ہوا (Dissolution of Muslim Marriages Act, 1939)۔ اس کے متن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ ہر مسلمان عورت کو حق ہوگا کہ وہ شوہر کی گم شدگی، نفقہ یا دیگر حقوق زوجیت کی عدم ادائیگی، سزائے قید، مستقل نامردی، جنون، جذام یا کسی جنسی بیماری میں مبتلا، یا اس کی طرف سے بے رحمی کے سلوک کی صورت میں اس کے ساتھ اپنے نکاح کے فسخ کے لئے عدالت سے ڈگری حاصل کرے۔ (بے رحمی کے سلوک کی مثالیں ایکٹ کے مطابق یہ ہیں کہ شوہر بیوی کو شدید جسمانی گزند پہنچائے، خود بدکرداری کی زندگی گزارے یا بیوی کو اس کے لئے مجبور کرے، بیوی کی ذاتی املاک خرد برد کرے، اسے احکام شریعت کی پابندی سے منع کرے، یا ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں احکام قرآنی کے مطابق ان کے ساتھ مساوی سلوک نہ کرے)۔

۲۔ مندرجہ بالا حالات کے علاوہ ”خیار البلوغ“ (اس مسئلے کے مطابق پندرہ سال سے کم عمر کی کسی لڑکی کا نکاح اگر اس کے ولی نے کر دیا ہو تو وہ اٹھارہ سال کی عمر تک پہنچنے سے قبل اس کے فسخ پر اصرار کر سکتی ہے۔ بشرط کہ صحبت نہ ہوئی ہو)۔ یا شریعت کے کسی اور مسئلے کی بنیاد پر بھی مسلمان منکوحہ کے نکاح کو فسخ کرنے کا عدالت کو اختیار ہوگا۔

۳۔ اگر کوئی مسلمان عورت تارک اسلام ہو جائے تو اس سے اس کا نکاح خود بخود فسخ نہیں ہوگا۔ (اگر یہ مسلمان منکوحہ دراصل پہلے کسی اور مذہب کی پیرو تھی۔ بعد میں مسلمان ہو کر شریعت کے مطابق نکاح کیا تھا



اور اب پھر اپنے پرانے مذہب کو اختیار کر رہی ہے تو اس صورت میں تارکِ اسلام پر اس کا نکاح خود بخود ساقط ہو جائے گا۔ البتہ ایسا کرنے کے بعد وہ مذکورہ بالا بنیادوں میں سے کسی پر اپنا نکاح عدالت کے ذریعے فسخ کر سکتی ہے۔

۱۹۳۹ء کا یہ ایکٹ اگرچہ بنیادی طور پر فقہ مالکیہ سے ماخوذ ہے مگر بعض جزئیات میں یہ مالکی مسائل کے عین مطابق نہیں ہے اور اس میں ہندوستان کے مخصوص سماجی حالات کا خیال رکھا گیا ہے۔ یہ ایکٹ جموں و کشمیر کی ریاست کے علاوہ تقریباً سارے ملک میں نافذ ہے۔ ریاست مذکورہ میں ۱۹۴۶ء کے ایکٹ کے مخصوص ریاستی ایکٹ کا اطلاق ہوتا ہے جس کے اصول چند جزئیات اختلاف کے ساتھ ۱۹۳۹ء کے مرکزی ایکٹ کی دفعات کے مطابق ہی ہیں۔

### صوبائی ایکٹ (State Act):

مغربی بنگال، اڑیسہ، بہار، جھارکھنڈ اور آسام میں مسلمانوں کے نکاح اور طلاق کے رجسٹریشن کی ریاستی قوانین نافذ ہیں۔ ان کے مطابق مقامی مسلمان نکاح، طلاق، خلع وغیرہ کا سرکاری رجسٹراروں کے دفاتر میں رجسٹریشن کر سکتے ہیں، مگر ایسا کرنا لازمی نہ ہوگا بلکہ افراد کی مرضی پر منحصر ہوگا۔

### وقف ایکٹ ۱۹۱۳ء: (Waqf Walidating Act, 1913):

۱۹۱۳ء کا مسلم اوقاف ایکٹ وقف علی الاولاد کو قانون وقف صحیح قرار دیتا ہے۔ یہ ایک وضاحتی قانون ہے جس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸۸۶ء میں اس وقت کی اعلیٰ ترین عدالت نے ایک مقدمے کے فیصلے کے دوران وقف علی الاولاد کو شرعاً ناجائز قرار دیا تھا جب کہ قدیم فقہاء کی رائے اس کے جواز کے حق میں تھی۔ اس فیصلے کے خلاف علامہ شبلی نعمانی اور دیگر اکابر نے احتجاج کیا اور آخر کار حکومت نے ۱۹۱۳ء کا وقف ایکٹ پاس کر کے وقف علی الاولاد کو صریحاً جائز قرار دیا۔ (پریوی کونسل کا یہ فیصلہ کینیا میں اب بھی قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں مصر میں بھی وقف علی الاولاد کو ختم کر دیا گیا ہے)۔ مندرجہ ذیل بالا تمام مدون قوانین اب ہندوستانی مسلمانوں کا شخصی قانون کا جزو لا ینفک ہیں۔ چنانچہ 'مسلم پرسنل لا' کی اصطلاح کا ایک حصہ، جو کہ غالب ہے، ملک میں مروجہ فقہ اسلامی کے چار مختلف مذاہب کے غیر مدونہ احکام پر مشتمل ہے۔<sup>۱</sup>

### مذہبی قوانین کو محدود کرنے والے ایکٹ:

مختلف مذہبی فرقوں کے جداگانہ شخصی قوانین کے علاوہ ہندوستان میں حکومت کے پاس کئے ہوئے خاندانی معاملات سے متعلق چند ایسے ایکٹ بھی ہیں جن کا لازمی اطلاق بلا امتیاز مذہب اس ملک کے ہر

شہری پر ہوتا ہے۔ ان مشترکہ جدید قوانین اور ملک میں رائج کسی بھی مذہبی فرقے کے پرسنل لا کے درمیان اگر تضاد ہو تو جدید قوانین کو فوقیت حاصل ہوگی اور مذکورہ پرسنل لا کے متعلقہ مسائل منسوخ سمجھے جائیں گے۔ ایسے مشترکہ قوانین میں ایک ۱۸۵۶ء کا ”آزادی عقیدہ ایکٹ“ ہے جس کی رو سے تبدیلی مذہب کے باعث کوئی قانونی وارث حق وراثت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح ایک دوسرا قانون ۱۹۲۹ء کا ”شارڈا ایکٹ“ ہے جس کی دفعات کے مطابق قانوناً نابالغ بچوں (ایکٹ کی رو سے ۱۸ سال سے کم کا لڑکا اور پندرہ سال سے کم کی لڑکی نابالغ ہے) کو شادی کے بندھن میں باندھنا ایک قابل تعزیر جرم ہے۔ ۱۹۵۴ء ”اسپیشل میرج ایکٹ“ (Special Marriage Act) ہر شخص کو، خواہ کسی بھی مذہب کا پیرو ہو، یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنے مذہبی پرسنل لا کے بجائے اس ایکٹ کے تحت شادی کر لے یا اپنے موجود نکاح کو اس ایکٹ کے تحت رجسٹر کرالے۔ دونوں صورتوں میں وہ اپنے مذہبی پرسنل لا کے ازدواج اور وراثت سے متعلق احکام کا پابند نہ ہوگا بلکہ اس پر ایکٹ مذکور اور ۱۹۲۵ء کے ”ہندوستانی وراثت ایکٹ“ کا اطلاق ہوگا۔

چنانچہ مسلم پرسنل لا کے تمام احکام جو ہندوستان میں اس کا دائرہ متعین کرنے والے مدون قوانین کے مطابق نافذ ہیں وہ مذکورہ بالا خصوصی شخصی قوانین کے تابع ہوں گے۔

### مسلم پرسنل لا کو محفوظ کرنے والے ایکٹ:

مجلس قانون ساز کے پاس کئے ہوئے بعض ایکٹ جو ہندوستان کے دیگر شہریوں کے لئے لازمی قانون کا درجہ رکھتے ہیں اپنے اطلاق سے مسلمانوں اور ان کے پرسنل لا کے متعلقہ مسائل کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں چنانچہ اوپر ۱۹۲۵ء کے جس ”ہندوستانی وراثت ایکٹ“ کا ذکر آیا ہے اس کا اطلاق کسی مسلمان پر نہیں ہوتا (تاوقتیکہ وہ ۱۹۵۴ء کے اسپیشل میرج ایکٹ کے تحت شادی نہ کرے یا اپنی موجودہ شادی کو ایکٹ مذکور کے تحت رجسٹر نہ کرائے)۔ ۱۹۶۱ء کا ”ممانعت جہیز ایکٹ“ جو شادی کے سلسلے میں مالی لین دین کو غیر قانونی قرار دیتا ہے صریح طور پر اسلام کے احکام مہر کو قطعاً مستثنیٰ کرتا ہے۔ اسی طرح ۱۸۸۲ء کے ”انتقال جائیداد ایکٹ“ میں شرعی قانون ہبہ اور ۱۸۸۲ء کے ٹرسٹ ایکٹ میں اسلامی قانون وقف کے استثنیٰ کے خصوصی دفعات موجود ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے ہندوستان میں رائج مسلم پرسنل لا کے اطلاق کا دائرہ، اس کے نفاذ کی حدود، اس کی اصل نوعیت، اس کے ماخذ اور ان سب پہلوؤں کے اعتبار سے قرآن و سنت سے اس کا تعلق، سب بخوبی واضح ہو جاتے ہیں۔

## دیگر مذہبی فرقوں کے پرسنل لا

مسلمانوں کے علاوہ ہندوستان کے دیگر مذہبی فرقے بھی اپنے اپنے جداگانہ شخصی قوانین کے تابع ہیں۔ ان کا مختصر ذکر بھی یہاں ضروری ہے:

### اکثریتی طبقہ:

ہندوؤں کا شخصی قانون دنیا کے قدیم قوانین میں شمار کیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ قانون اپنی ابتداء میں مقدس ویدوں اور ان کی قدیم تفاسیر سے ماخوذ تھا۔ ہندوستان کے مسلم سلاطین نے ہندوؤں کے شخصی اور خاندانی معاملات کو ان کے مذہبی قوانین کے تابع رکھا تھا۔ انگریزی دور حکومت میں بھی یہ پالیسی بدستور قائم رہی۔ البتہ انہوں نے وقتاً فوقتاً وقت کے تقاضوں کے مطابق اس قدیم قانون میں بعض اصلاحات مدون قوانین کے ذریعے نافذ کیں۔ تقریباً یہ سب ہی اقدامات ہندو فضلاء و مصلحین کے مطالبے پر اور ان کے تعاون سے کئے گئے تھے۔ (ان قوانین کے ذریعے بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کی اجازت دی گئی، وراثت میں عورتوں کو حصہ دیا گیا، سنی کا رواج منسوخ قرار دیا گیا، وصیت کے اصول مرتب کئے گئے اور بعض عائلی اصلاحات نافذ کی گئیں)۔ حصول آزادی کے بعد ”ہندو کوڈ بل (ایکٹ)“ کی تحریک شروع ہوئی اور یہ تجویز ہوئی کہ ہندوؤں کے جملہ قوانین کو ضروری اصلاحات کے بعد ایک منظم کوڈ کی شکل دے دی جائے۔ ایک ایسا واحد کوڈ تو نہ بن سکا البتہ ۵۶-۱۹۵۵ء میں نکاح، تنسیخ نکاح، تنہیت، نفقہ، بلوغ و ولایت اور وراثت سے متعلق ہندو شخصی قانون کو کافی اصلاحات کے بعد چار مختلف مدون قوانین میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہ چاروں ایکٹ ہندوؤں کے علاوہ بودھوں، سکھوں اور جینیوں کے لئے بھی قانون کا درجہ رکھتے ہیں۔ دیگر شخصی معاملات میں مؤخر الذکر تینوں فرقے اپنے اپنے جداگانہ مذہبی احکام کے پیرو ہیں۔<sup>۱</sup>

### عیسائی اور پارسی:

عیسائی اور پارسی فرقوں کے شخصی قوانین جدید ایکٹ کی شکل میں ہیں۔ عیسائیوں کے لئے قانون ازدواج ۱۸۷۲ء میں اور قانون طلاق ۱۸۶۹ء میں ہندوستانی مجلس قانون ساز نے بنائے تھے۔ اسی طرح پارسی فرقے کے لئے ان معاملات سے متعلق ایک واحد ایکٹ ۱۹۳۶ء میں پاس ہوا تھا۔ وراثت کے معاملات میں عیسائی اور پارسی دونوں کے ”ہندوستانی قانون وراثت“ کے پیرو ہیں جس کے اطلاق سے ہندو اور مسلمان دونوں مستثنیٰ ہیں۔

## مذہبی قوانین کو محدود کرنے والے مشترک ایکٹ:

جن عام اطلاق والے ملکی شخصی قوانین کا ذکر اوپر آیا ہے وہ جتنا مسلم پرسنل لا پر اثر انداز ہوتے ہیں بعینہ اسی طرح ہندوؤں اور دیگر سب ہی مذہبی فرقوں کے جداگانہ قوانین کے دائرہ اطلاق کو بھی متاثر کرتے ہیں یعنی ان فرقوں کے پرسنل لا بھی مذکورہ خصوصی قوانین کی دفعات کے تابع ہیں۔

اس طرح موجودہ ہندوستان میں ایک طرف تو ہندوؤں، مسلمانوں، عیسائیوں اور پارسیوں کے الگ الگ مذہبی شخصی قوانین ہیں اور دوسری طرف مشترکہ جدید قوانین جن کا اطلاق ان سب فرقوں پر یکساں طور سے ہوتا ہے۔ مختلف مذہبی فرقوں کے پرسنل لا کے دائرے جداگانہ اور نکاح وغیرہ سے متعلق ان کے تصورات ایک دوسرے سے خاصے مختلف ہیں۔ مثلاً مشترکہ خاندانی جائیداد جو ہندو قانون کا ایک اہم تصور ہے دیگر فرقوں کے مذہبی قوانین کے لئے ایک بالکل اجنبی چیز ہے۔ اسی طرح تنہیت جس کے ہندو قوانین میں انتہائی مفصل احکام ملتے ہیں، مسلم پرسنل لا میں اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔

## باب - ۳

ہندو پرسنل لا اور مسلم پرسنل لا کے مآخذ

## (۱) ہندو پرستل لا کے قدیم و جدید مآخذ

ہندو قانون دنیا کے قدیم ترین قوانین میں شمار ہوتا ہے اسکا پس منظر اگر ہم ویدک نظریہ سے دیکھیں تو ہندو قانون چھ ہزار سال پرانا ہے۔ ان چھ ہزار سالوں میں ہندو قوانین میں کافی اتار چڑھاؤ کا زمانہ گزرا ہے۔ اور کافی رد و بدل کیا گیا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ہندو قانون اپنی اصل پر قائم رہا۔

ہم ہندو قوانین کے مآخذ کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ قدیم مآخذ      ۲۔ جدید مآخذ

قدیم مآخذ میں شروتی، اسمرتی، مجموعہ تفصیل اور شروحات اور رسم و رواج شامل ہے۔ اور جدید مآخذ میں اصول انصاف (انصاف، شفافیت)، نظیر اور قانون سازی شامل ہے۔

### قدیم مآخذ

#### ۱۔ شروتی

ہندو قانون کو آسمانی قانون یا وحی الہی کا درجہ دیا جاتا ہے کہ کچھ سنت سادھوؤں نے اس وقت خلوت اور ریاضتوں کے ذریعہ سے یہ مقام حاصل کیا تھا ایشور سے باتیں کرتے تھے اور اس وقت سے وہی باتیں شروتی اور وید کہلاتے ہیں۔

شروتی کے لفظی معنی ’’جوسنا گیا‘‘ لفظ شروتی چاروں ویدوں کو شامل ہے۔ (رگ وید، یج وید، اتھرو وید اور سام وید) لفظ بید کے معنی ہیں اس چیز کو جان لینا جو معلوم نہ ہو، ہندو بید کو خدا کا کلام کہتے ہیں جو برہما کے منہ سے نکلا ہے۔<sup>۱</sup> رگ وید سب سے پرانا صحیفہ ہے رگ وید میں زیادہ تر خدا کی تعریف ہے اور قربانی کے قوانین بیان ہوئے ہیں یج وید میں عبادت کی رسمیں بیان ہیں۔ اتھرو وید میں جادو ٹونا کی باتیں ہیں اور سام وید میں منتر ہیں جو قربانی کرتے وقت پڑھے جاتے ہیں۔ ہروید کے ساتھ اس کی تعلیقات ہیں جن کو برہمناس (Brahmanas) کہا جاتا ہے جو بعد میں جوڑا گیا ہے۔ اس کے بعد

برہمنہ یا ویدانگا کی تعداد چھ ہیں۔

- ۱۔ سکشا (Siksha)      ۲۔ کلپا (Kalpa)      ۳۔ ویاکرن (Grammer)  
۴۔ چنڈاس (Chandas)      ۵۔ جیوتش (Astronomy)      ۶۔ نروکت (Nirukt)

## ۲۔ اسمرتی

اسمرتی بھی ایک ہندو قانون کا مآخذ ہے اس کا لفظی ترجمہ ’’جو کچھ یاد رہا‘‘ ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ جو رشیوں نے یاد رکھا اسمرتی کے بارے میں بھی بہت سے لوگوں کا ماننا ہے کہ یہ بھی خدا ہی کا کلام ہے لیکن شروتی کی طرح بعینہ ان الفاظ میں نہیں ہے بلکہ رشیوں کی اپنی زبان میں ہے۔ اسمرتی کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

- ۱۔ بنیادی اسمرتی      ۲۔ ثانوی اسمرتی

اصل اور بنیادی اسمرتی ثانوی سے قدیم ہے۔ اصل اسمرتی کو آگے اور دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔

- ۱۔ دھرم سوتر (Dharma Sutra)      ۲۔ دھرم شاستر (Dharma Shashtra)

### دھرم سوتر

دھرم سوتر اسمرتی نثر کے انداز میں ہے اس کے اہم مصنفین گوتم، بدھیانہ، اپستہبا، وشستا، وشنو اور ہریت ہیں۔ دھرم سوتر کی تصنیف کی تاریخ ۲۰۰-۸۰۰ قبل مسیح بتائی جاتی ہے۔

### دھرم شاستر

دھرم شاستر اسمرتی نظم کے انداز میں ہے۔ ان کے اہم مصنفین منو، یجنا ولکیہ، نرادا، وشنو، دیوالہ، ورہسہستی، کتیا یانا، اور ویاسا ہیں۔ یجنا ولکیہ کچھ اور دھرم شاستر کے مصنفین کے بارے میں بتاتے ہیں۔ جیسے منو، اٹری، وشنو، ہریتا، یجولکیہ، اوشانا، انگیرا، مایا، اپستہبا وغیرہ وغیرہ۔ دھرم شاستر کے تین حصے ہیں:

- ۱۔ اچارہ      ۲۔ دیوہارا      ۳۔ ہرایاس چٹا

پہلے ’’اچارہ‘‘ میں مذہبی قوانین ہیں دوسرے ’’دیوہارا‘‘ دیوانی قوانین ہیں اور تیسرا ’’ہرایاس چٹا‘‘ میں کفارہ کے بارے میں ہے۔ اسمرتیوں میں منو، یجنا ولکیہ اور نرادا کو اہم مقام حاصل ہے۔ منو کا

مجموعہ قوانین ہندو سنتوں کے نزدیک سندی اعتبار سے بڑا مقام رکھتا ہے۔ منو کے بعد یجنا و لکیہ کو دوسرا مقام حاصل ہے۔<sup>۱</sup>

### ۳۔ تفصیل اور مجموعہ تفصیل: (شروحات)

ایک اسمرتی اور دوسرے اسمرتی کے اندر آپس میں اختلافات تھے اور بہت سے قانونی اصول واضح نہیں تھے۔ لہذا اس کی ضرورت سمجھی گئی کہ تفصیل (شروحات) کے ذریعہ سے ان خامیوں کو دور کیا جائے یہیں سے تفصیل اور مجموعہ کے لکھنے کا رواج عمل میں آیا۔ تفصیل اور مجموعہ کی مدت جس میں یہ لکھی گئی ۷۰۰-۱۷۰۰ عیسوی ہے۔ تفصیل کے ذریعہ سے حالات اور بدلتے وقت اور سماجی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر بہت اچھی طرح سے وضاحت اور بدلاؤ ان اسمرتیوں میں کیا گیا تا کہ روزمرہ کی ضرورتوں کو اچھی طرح پیش کیا جاسکے جو سب سے زیادہ جدید شرح ہے وہ دیجا یانتی جو نندا پنڈت نے تصنیف کی تھی یہ شرح و شنودھرم سوتر کی ہے کچھ اہم شروحات حسب ذیل ہیں:

| اردو            | کتاب              | اردو          | مصنف             |
|-----------------|-------------------|---------------|------------------|
| دایا بھاگ       | Dayabhaga         | جنتا دہانا    | Jimutavahana     |
| میتا کشرا       | Mitakshara        | یجنا و لکیہ   | Yajñayalkia      |
| ویرامترو دیا    | Viramitrodaya     | میترا میسرا   | Mitramisra       |
| ویوادا چنتامنی  | Vivada Chintamani | وچاس پتی مشرا | Vachaspati Misra |
| ویوادا رتنا کرہ | Vivadaratnakarah  | چندیشورا      | Chandeshwara     |
| دیاتوا          | Dyatattwa         | رگھونندانا    | Raghu Nandana    |
| دیارام سنگراہا  | Dayaramasangraha  | شری کرشنا     | Sri Krishna      |
| اسمرتی چنریکا   | Smritichanrika    | دیوانندا بھٹ  | Devananda Bhatta |
| پراشرامد اوگا   | Prashara Madaviga | مدھا و چاریا  | Madhavacharya    |
| ویوہارامیکھ     | Vyavahara Mayakh  | نیل کنٹھ      | Nilkantha        |

### ۴۔ رسم و رواج

پرنس لا کو دنیا کے سبھی ممالک میں اہمیت حاصل ہے۔ ہندو پرنس لا کا وجود رسم و رواج ہی سے عمل



میں آیا ہے دوسرے مذاہب و تہذیبوں میں بھی اس کو اہمیت حاصل ہے۔ اسی لئے ساری دنیا میں رسم و رواج کو قوانین کا اہم ذریعہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ پری وی کاؤنسل نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ ”ہندو پرسنل لا میں رسم و رواج کی اہمیت لکھے ہوئے کتابی قوانین سے زیادہ ہے“۔

رسم و رواج کو قانونی اعتبار سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایسے ضوابط جو کسی خاص خاندان، طبقہ، یا کسی ضلع میں زمانہ قدیم سے استعمال میں ہو۔ رسم و رواج بہت قدیم، صحیح، معقول اور متواتر ہو۔ ایک مقدمہ میں یہ بات کہی گئی تھی کہ رسم و رواج کو قانون جب ہی تسلیم کیا جائے گا جب وہ قدیم، معقول اور صحیح ہو۔ اور اس کو وجہ اور سبب کے ذریعہ وسیع نہیں کیا جائے گا۔ لیکن رواج نہ غیر اخلاقی، نہ عوامی مفادات اور نہ کسی قانون کے خلاف ہو۔ منو اور یجنا و لکیہ نے ”سداچارا“ کو رسم و رواج کے لئے استعمال کیا ہے۔ نرادا نے یہ کہا ہے کہ رسم و رواج ہر چیز کا فیصلہ کرتا ہے اور مذہبی قوانین کو مسترد کرتا ہے۔

یجنا و لکیہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اس چیز پر عمل نہیں کرنا چاہئے جو اسمرتیوں میں ہو لیکن لوگوں نے اس پر تنقید کی ہے۔

### رسم و رواج کے اقسام:

ہندو پرسنل لا میں رسم و رواج کو تین اقسام میں منقسم کیا گیا ہے:

۱. علاقائی رسم و رواج (Local Custom)

۲. طبقاتی رسم و رواج (Class Custom)

۳. خاندانی رسم و رواج (Family Custom)

### رسم و رواج کے لوازمات:

رسموں کو اس وقت درست سمجھا جائے گا جب ان میں حسب ذیل شرائط موجود ہوں۔

قدیم ہو، متواتر ہو، معقول ہو، غیر اخلاقی یا عوامی مفادات کے خلاف نہ ہو، نہ کسی آئین کے خلاف

ہو۔

## جدید مآخذ (Modern Sources)

ان مآخذ کو تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱. Equity and good conscience اصول عدل، واستحسان؟

۲. Precedent نظیر

۳. Legislation قانون سازی

### اصول عدل واستحسان (Equity and Good Conscience)

اصول عدل ایک ایسا قانونی نظام ہے جس میں ایسے ضوابط کو ترجیح دی جاتی ہے جس میں انصاف کو سامنے رکھا جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ قانونی خامیوں کو دور کیا جاسکے۔ اس میں جج (منصف) ایسے اصول وضع کرتا ہے کہ جس میں انصاف، عدل اور شائستگی کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اصول معدلت (استحسان) کا آغاز بہت قدیم بتایا جاتا ہے اور ایسے دور میں اس کی ابتدا ہوئی جب ماہرین قانون نے پرانے ہندو قوانین کی وضاحت و تشریح کی اور نئے ضوابط وضع کئے اگر کوئی اختلافی بات اسمرتیوں کے قوانین میں ہوتی تو ایسی چیز پر عمل کیا جاتا کہ جس کی بنیاد عدل، وجہ اور اصول معدلت پر ہوتا۔ (یعنی اصول استحسان پر)

کوٹلیہ نے کہا ہے کہ

”اگر مذہبی کتاب کا کوئی قانون عدل کے خلاف ہو تو مذہبی کتابوں کی بات کو مسترد سمجھا جائے گا اور عدل کو فوقیت حاصل ہوگی۔“

بیجا ولکیہ بھی اس بات کے قائل ہیں

”اگر دو اسمرتیوں میں اختلاف ہو تو اصول معدلت کو فوقیت حاصل ہوگی۔“

سپریم کورٹ نے بھی اصول انصاف کو ہندو قوانین کے مآخذ بتائے ہیں۔ یہ فیصلہ سپریم کورٹ نے گرو نانک بنام کملا بائی میں دیا تھا۔<sup>۱</sup>

### ۲. نظیر (Precedent)

جو قدیم عدالتی فیصلے تھے ان کے بارے میں واضح طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ اس وقت کسی بھی مقدمہ کی رپورٹنگ نہیں ہوتی تھی Straedecisis اور Precedent کا اصول انگریزوں کے طرز

حکومت سے ہندوستان میں آیا ہے نظیر (Precedent) بھی قانون کا ماخذ ہے اور عدالت کو ان پر عمل کرنا لازمی ہے۔ بہت سارے عدالتی فیصلے جو اب تک ہوتے آئے ہیں ان کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہے ان کے ذریعہ بہت سارے فیصلے دینے میں آسانی ہوتی ہے اسی لئے نظیر کو ہندو پرسل لا میں بہت اہمیت حاصل ہے۔<sup>۱</sup>

### ۳. قانون سازی (Legislation)

قانون سازی جدید آخذ میں سے ہیں انگریزی دور حکومت میں قانون سازی کے ذریعہ ہندو پرسل لا کے بدلاؤ میں بہت سے اسباب میں سے ہے اگرچہ قانون سازی بہت سست رفتاری سے ہوئی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے جو قانون سازی ہوئی اس کی اہمیت کچھ زیادہ نہیں۔ سب سے پہلے قانون سازی کے تحت جو قانون وجود میں آئے وہ حسب ذیل ہیں:

- 1- Caste disabilities removal Act, 1850
- 2- Hindu widows remarriage Act 1856
- 3- Hindu wills Act, 1970
- 4- Hindu transfer of bequest Act, 1914
- 5- Child marriage restraint Act, 1929
- 6- Hindu gains of learning Act, 1930
- 7- Hindu inheritance (removal of disabilities) Act, 1928
- 8- Hindu Law of inheritance (amendment) Act, 1928
- 9- Hindu women's right to property Act, 1937
- 10- Arya marriage validation Act, 1937
- 11- Hindu women's right to separate maintenance and residence Act, 1946
- 12- Hindu marriage (removal of disabilities) Act, 1946
- 13- Hindu marriage validity Act, 1949

اس طرح ہندو لا<sup>۲</sup> میں کچھ حد تک بدلاؤ اور اصلاح ہوئی لیکن یہ اصلاح بہت ہی تھوڑی اور ادھوری تھی اس طرح کی اصلاح سے کچھ مسئلوں کا حل ہوا لیکن ساتھ ہی بہت سارے نئے مسائل رونما ہوئے جیسے Hindu women's right to property Act, 1937 جس میں مالی حق عورتوں کو

<sup>۱</sup> Modern Hindu Law, Paras Diwan, Page 47 to 48, Law Agency Allahabad

<sup>۲</sup> Modern Hindu Law, Paras Diwan, Page 48 to 49, Law Agency Allahabad

دیا گیا لیکن ساتھ ہی جوائنٹ فیملی کے قوانین کو نظر انداز کر دیا گیا۔ 1941 میں ہندو لاکسمی کا وجود عمل میں آیا جس کی رپورٹ میں یہ سفارش کی گئی تھی کہ ہندو قوانین کو مرحلہ وار میں قانون کی تدوین کیا جائے پھر ایک کمیٹی ۱۹۴۴ء میں بنی جس کے چیئرمین سر ہنگال نرسنگھ راؤ تھے، راؤ کمیٹی نے یونیفارم کوڈ ہندو لاکسمی کو مستنبط کیا جس کو ہر ہندو مذہب کے ماننے والوں پر عائد کیا گیا۔ جس میں مختلف ہندو لاکسمی اسکول کے قوانین کو رکھا گیا اس ہندو کوڈ بل کی مخالفت شدت پسند ہندوؤں نے کی کچھ نے اس بات پر مخالفت کی کہ قانون سازی بہت ہی پیچیدہ مسئلہ ہوگا، اس طرح ہندو کوڈ بل کو پارلیامنٹ میں پیش کیا اور مرحلہ وار منظور کیا گیا اس طرح سے چار اہم قانون وجود میں آئے جیسے Hindu Marriage Act, 1955 اور Hindu

Adoption and Maintenance Act, 'The Hindu Succession Act, 1956

Hindu Minority and Guardianship Act, 1956 اور 1956

ان ایکٹوں کے بن جانے سے ہندو لاکسمی کچھ استحکام ہوا لیکن اب بھی پوری طرح سے پرانے رسم و رواج کا توڑ نہیں ہو سکا ہے۔ رسم و رواج کے ہندو سماج پر غلبہ کی وجہ سے ہی بعض ہندو اصلاح پسند اس کی مہم چلا رہے ہیں کہ جدید تقاضوں کے پیش نظر ہندو پرسنل لاکسمی کو معقول، متوازن بنانے کے لئے ابھی بہت سے اصلاحی اقدامات کی ضرورت ہے۔ جن میں سب سے زیادہ ضروری امر ان اصلاح پسندوں کے نقطہ نظر سے نئی تشریحات و تعبیرات کے ساتھ قانون سازی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مطالبہ سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں یہ خود ان کے اندر اٹھنے والی اصلاحی تحریک ہے۔ اس کے ساتھ یہ جان لینا بھی از حد ضروری ہے کہ اس تحریک کی ایک طبقہ کی طرف سے شدید مخالفت بھی ہو رہی ہے۔

## (۲) شریعت اسلامی کے مآخذ (Islamic Sources)

ماخذ سے وہ ذرائع مراد ہوتے ہیں جن سے قانون اخذ کیا جاتا ہے یا وہ مقامات ہیں جہاں سے قانون دلائل سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ کتب فقہ میں مآخذ کے دو قسم بیان کی جاتی ہے۔

(۱) مآخذ صوری (۲) مآخذ مادی۔

(۱) مآخذ صوری:- قانون کا وہ مآخذ ہے کے ذریعہ وہ اپنا جواز اور اثر حاصل کرتا ہے۔

(۲) مآخذ مادی:- قانون کا وہ مآخذ ہے جس سے قانون اپنا مواد حاصل کرتا ہے۔<sup>۱</sup> اس طرح ایک کے ذریعہ مواد کی فراہمی ہوتی ہے اور دوسرے کے ذریعہ قانون کا کردار اور مقام متعین ہوتا ہے۔ فقہ اسلامی کا مآخذ صوری مسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنا اور غیر مسلم کے لئے سلطنت کی مرضی و اختیار حاصل کرنا ہے۔ جس طرح دنیاوی و ملکی کا مآخذ صوری ہر مذہب و ملت کے لئے سلطنت کی مرضی حاصل کرنا ہوتی ہے۔

شریعت اسلامی کے مادی مآخذ بارہ ہیں

(۱) قرآن حکیم (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس (۵) استحسان (۶) استدلال

(۷) استصلاح (۸) مسلمہ اشخاص کی آراء (۹) تعامل (۱۰) عرف اور رسم و رواج

(۱۱) ماقبل کی شریعت (۱۲) ملکی قانون

اصول فقہ کی کتابوں میں صراحۃً صرف پہلے چار کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض مآخذ کو بعض میں داخل سمجھا گیا ہے۔ اور اختصار کے طور پر صرف چار کا ذکر کر کے ان کی تفسیر و توجیہ اس طرح کر دی جاتی ہے کہ ان کے عموم میں بقیہ داخل ہو جاتے ہیں۔<sup>۲</sup>

### قرآن حکیم:- ۱

قرآن جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل ہوا۔ اسلامی قانون کا اولین اور متفق علیہ مآخذ ہے۔ قرآن کے نظریہ میں بلحاظ حقوق و فرائض اور احکام قانون تمام انسان برابر ہیں سوائے اس کے کہ مجبوری، ضرورت، عام مصلحت، یا فطرت ہی عدم مساوات کا تقاضہ کرے۔ وہ حقوق طلبی سے زیادہ فرائض کی ادائیگی پر زور دیتا ہے اور حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری مسلم معاشرے اور حکومت پر عائد کرتا ہے۔ وہ تفصیلی احکام صرف ان امور کے بارے میں صادر کرتا ہے جو مکان و زبان کے تفسیر سے بالاتر ہیں۔ جو امور زمان و مکان کے ساتھ تبدیل ہوتے ہیں ان کے بارے میں وہ فقط عمومی مجمل اور بنیادی

<sup>۲</sup> فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۵۸، مرتبہ مولانا تقی امینی

<sup>۱</sup> اصول قانون، ص ۱۸۹

اصول بیان کرتا ہے احکام قانونی کی بجا آوری کے لئے وہ ہر شخص کو انفرادی اور ذاتی طور پر ذمہ دار قرار دیتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ کسی شخص کو بھی کسی دوسرے شخص کے جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا۔ قرآن نے قانونی احکامات کا ربط براہ راست اخلاقی اقدار اور اخلاقی احساسات سے رکھا ہے اس نے ان خباثت کو جن سے انسان کی فطرت اور عقل سلیم عبا کرتی ہے جرم ہے، حرام قرار دے کر ان طبعیات اور معروفات کو رواج دینے کا التزام کیا ہے جن کا مطالبہ انسان کی فطرت اور عقل سلیم کرتی ہے۔ اس سلسلے میں مقدار اور کیفیت ادا کے نقطہ نظر سے احکام کے سہل العمل ہونے کا خاص طور پر دھیان رکھا گیا ہے چنانچہ قرآن نے ان تمام سخت قوانین منسوخ کر دیا ہے جن کا دور سابق میں چلن تھا۔<sup>۱</sup>

## سنت :- ۲

سنت کے لغوی معنی مروجہ طور طریقے کے ہیں لیکن فقہاء کی اصطلاح میں سنت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال اور دوسروں کے وہ اقوال و افعال مراد ہیں جن سے آپؐ نے سکوت فرمایا اور جن کو قائم و برقرار رکھا۔ صحابہ کرام کے اقوال و افعال بھی اس بنیاد پر سنت میں داخل ہیں کہ ان کے پاس اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی و فعلی سند موجود ہوگی۔<sup>۲</sup>

جیسا کہ اصول کی کتابوں میں موجود ہے۔

السنته تطلق على قول رسول الله و فعله و سكوته و علما اقوال الصحابه و افعالهم۔<sup>۳</sup>

قرآن نے رسول اللہ کو ایک معلم، حاکم، مصنف، مفسر و شارح قرآن، مجتہد کا درجہ دے کر تمام انسانوں کو ان کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو لازم قرار دیا ہے۔

سنت کا علم ہمیں احادیث اور امت مسلمہ کے مسلسل اور غیر منقطع عمل سے ہوتا ہے۔ احادیث کے مجموعہ عہد صحابہؓ سے ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ان کی تدوین دور تابعی میں شروع ہوتی ہے اور احادیث کے بہت سارے مجموعہ مسانید اور تصنیفات شکل میں اس دور میں وجود میں آ جاتے ہیں، ان میں سب سے مشہور اور مستند مجموعہ منوطاء امام مالک ہے۔ تیسری صدی ہجری میں صحاح ستہ اور مسند احمد وجود میں آ گئی ہے۔ اہل تشیع اخبار یا احادیث کی جن کتابوں کو مستند خیال کرتے ہیں وہ چوتھی صدی ہجری میں وجود میں آئیں جن میں وہ روایات جمع کی گئیں جنہیں ان کے مطابق اہل بیت نے روایت کیا۔ سنت ان احکام کی تائید کرتی ہیں جو قرآن سے ثابت ہیں قرآن کے مجمل احکام کی تشریح کرتی ہے اور جہاں کسی کے حکم کے ایک سے زیادہ مفہوم پائے جائیں وہاں اس مفہوم کی تائید کرتی ہے جو شارح کا مقصود ہے۔

قرآنی احکام کی تفصیلی ادائیگی کے مستند طریقے بتاتی ہے، جن امور کے بارے میں قرآن خاموش ہے۔ ان کے متعلق جدید قوانین وضع کر کے احکام قرآنی پر اضافہ کرتی ہے۔<sup>۱</sup>

## اجماع ۳

اجماع کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ: اجماع کسی معاملے میں اہل حل و عقد کے اتفاق کو کہتے ہیں چنانچہ کتب فقہ میں یہ تعریف مذکور ہے کہ وهو اتساق اهل الحل والعقد من امتہ محمد رسول ﷺ علی امر من الامور<sup>۲</sup>

یہ اجماع حالات و تقاضہ کے مناسبت سے ملت کی فلاح و بہبود سے متعلق جملہ امور میں ہو سکتا ہے، دراصل قانون کو حالات و زمانہ کے مطابق ڈھالنے کے لئے ”اجماع“ ایک قسم کا اختیار ہے جو مقنن کی طرف سے ان لوگوں کو عطا ہوا ہے جو فکری و علمی حیثیت سے اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔<sup>۳</sup>

اجماع کی اہمیت و ضرورت اس بنا پر ہے کہ قرآنی اصول و کلیات اور نبوی تشریحات اپنے رنگ میں جامع ہونے کے باوجود نئے حالات و مسائل کے تذکرہ سے خالی ہیں بلاشبہ الہی تعلیمات اپنی جگہ کامل ہیں لیکن وہ مجموعی حیثیت سے ان امور میں کامل ہیں:-

۱۔ عقائد کے قواعد ۲۔ شرائع کے اصول اور ۳۔ اقتضاء و مصالح کے مطابق استنباط کے قوانین۔

یہ مطلب نہیں کہ ہر دور کے جزوی و فروعی احکام و مسائل کا تفصیلی ذکر ان میں موجود ہے اور اس حیثیت سے وہ کامل ہے چنانچہ فقہانے ”الیوم اکملت لکم“ کا محل ان ہی تینوں کو قرار دیا ہے۔  
هوالتنصيص على قواعد العقائد و التوفيق على اصول الشرع و قوانين الاجتهاد لا ادراج حکم کل حادثہ فی القرآن<sup>۴</sup>۔

عقائد و قواعد کی تصریح ہے جو شرائع کے اصول سے واقفیت کرائی گئی اور اجتہاد کے قوانین کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ایسا نہیں کہ ہر جزئی واقعہ و حادثہ کا حکم قرآن میں موجود ہے۔

## قیاس ۴

قیاس کے لغوی معنی ”اندازہ کرنا مطابق اور مساوی کرنا“ فقہا کی اصطلاح میں علت کو مدار بنا کر سابقہ فیصلہ اور نظیر (Precedent) کی روشنی میں نئے مسائل کو حل کرنے کو قیاس کہتے ہیں۔

۱۔ ماہنامہ نقش کوکن، ص ۲۱، اکتوبر ۲۰۰۶ء ۲۔ منهاج الاصول للبیضاوی الکتاب الثالث فی الاجماع

۳۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۱۱۳، مرتبہ مولانا تقی امینی ۴۔ ایضاً ۵۰ ص ۵۰

تقدیر الفرع بالاصل فی حکم والعلہ۔<sup>۱</sup> اس کی تفصیل یہ ہے کہ پیش آنے والے نئے مسائل کے حل کی دو صورتیں ہیں :-

جو چیزیں قرآن و سنت اور اجماع کے صریح حکم سے ثابت ہیں ان کے الفاظ و معانی میں غور کیا جائے اور فقہاء کے بیان کردہ طریقوں ’’اقتضاء، کنایہ، اشارہ‘‘ وغیرہ کے تحت نئے مسائل کا حکم دریافت کیا جائے۔ اس طرح بہت سے مسائل ظاہری الفاظ و معانی ہی سے حل ہو جائیں گے اور زیادہ گہرائی میں جانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

دوسرے حالات و مسائل کا پھیلاؤ اس قدر وسیع اور رنگ برنگی ہے کہ بسا اوقات محض اس سے کام نہیں چلتا۔ ایسی صورت میں مجبوراً صریح حکم کے مفہوم سے مسئلہ کا حل ڈھونڈا جائے گا، یعنی گہرائی میں جا کر اس کی علت نکالی جائے گی اس علت کی نوعیت و کیفیت میں غور کیا جائے گا پھر نئے مسئلہ کی علت دیکھی جائے گی، اس کے مالہ و ماعلیہ میں نظر دوڑائی جائیگی اگر پرانے اور نئے علتوں میں اتحاد ہے تو سابق حکم اس نئے مسئلہ پر بھی جاری کر دیا جائے گا دراصل اسی عمل استنباط کا نام قیاس ہے۔<sup>۲</sup>

## استحسان<sup>۳</sup>

استحسان کے لغوی معنی کسی شے کو اچھا اور مستحسن سمجھنا ہے۔ عد الشیء حسناً اور فقہاء کی اصطلاح میں مسئلہ کے دو پہلوؤں میں ایک کو کسی معقول دلیل کی بنا پر ترجیح دینے کا نام استحسان ہے۔<sup>۴</sup> انسانی ضرورتوں اور مصلحتوں کا دامن اس قدر وسیع ہے کہ قاعدہ اور قانون میں سمیٹنا مشکل ہے، ضرورتوں اور مصلحتوں کی بنیاد پہلے پڑ جاتی ہے پھر انہیں منظم شکل دینے کے لئے قاعدہ اور قانون مقرر کئے جاتے ہیں، زمان و مکان کے لحاظ سے ان میں تبدیلی موقع اور محل کے لحاظ سے تنوع اور نئی نئی ضرورتیں ایسی ناگزیر صورتیں ہیں کہ کبھی قیاس کی وسیع حدیں بھی ان کے لئے تنگ اور ضرر رساں ثابت ہوتی ہیں، ایسی حالت میں فقہاء ضرورت کو معیار بنا کر حکم ثابت کرتے ہیں، مزید وجہ ترجیح تلاش کرتے ہیں اس لئے مجبور ہیں کہ الہی حکمت کے ساتھ ہم آہنگی کو اور اس کے ذریعہ احکام معلوم کر کے فلاح و بہبود میں اضافہ اور مضرت کا دفعیہ ہو سکے، استحسان اسی ضرورت اور مصلحت کا پیدا کردہ ایک اصول یا ’’ماخذ‘‘ ہے۔

## استصلاح<sup>۵</sup> / مصالح مرسلہ<sup>۶</sup>

فقہاء کے اصطلاح میں صرف ضرورت اور مصلحت کو بنیاد بنا کر مسائل استنباط کرنے کا نام استصلاح ہے۔



والمصالحه المرسله وهى التى لا يشهد لها اصل بالاعتبار فى الشرع ولا بالغاء وان كانت على سنن المصالح وتلقته العقول بالقبول۔<sup>۱</sup>

ضرورت و مصلحت کو بنیاد بنا کر مسائل استنباط کرنا جس طرح ”استحسان“ میں گزر چکا اس سے زیادہ وسیع پیمانہ پر استصلاح پر ہوتا ہے وہ خاص ہے اور عمومیت کے لحاظ سے یہ عام ہے لیکن دوسری حیثیت سے استحسان عام ہے کہ اس میں قیاس خفی کا زاویہ نگاہ موجود ہے اور استصلاح خاص ہے کہ اس میں صرف ضرورت و مصلحت کا زاویہ نگاہ کارفرما ہوتا ہے۔

## استدلال کے

استدلال بہت سی صورتوں میں یہ استصلاح سے بھی وسیع مانا جاتا ہے، لیکن اس کا تعلق استنباط کے کسی طریقے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں تقریباً تمام وہ طریقے داخل ہیں جس سے فقہاء نے کام لیا ہے اور براہ راست قیاس کے مذکورہ طریقوں سے متعلق وہ نہیں ہے۔

## ما قبل کی شریعت ۵

ما قبل شریعت سے مراد منزل من اللہ ہدایت کے تمام وہ راستے و طریقے ہیں جو دوسری امتوں کے پاس موجود اور محفوظ تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل فرمایا تھا ظاہر ہے کہ اس میں وہی باتیں داخل ہونگی جو الہی حکمت اور اس کے بنیادی اصول کے موافق تھیں اور جن باتوں میں انسانی اغراض اور مفاد نے تصرفات کر دئے تھے یا وہ حالات و زمانہ کے تقاضے کے مناسب نہ رہ گئی تھیں۔ ان کے قبول کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ ماخذ بن سکتی ہیں۔ دراصل بنیادی تعلیمات میں تمام شریعتوں کے اتفاق کے باوجود قومی مزاج اور حالات و تقاضے کی مناسبت سے ان کے راستے اور طریقوں میں اختلاف ہوتا ہے، اس لئے ہر بعد میں آنے والی شریعت اپنے ماسبق کی ان ہی باتوں کے قبول کرنے پر مامور تھی جو بدلے ہوئے حالات کا ساتھ دے کر الہی حکمت (منافع کا حصول اور مضرت کا دفعیہ) کو بروئے کار لانے میں مددگار ثابت ہوتیں تھیں۔<sup>۲</sup>

## تعال ۹

صحابہ کرامؓ وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے براہ راست تعلیم و تربیت حاصل کی تھی، اُپ کی فکری و عملی زندگی کو اپنی زندگی میں رچایا بسایا تھا، جو کچھ جس طرح آپؐ سے سنایا آپؐ کو کرتے

دیکھا تھا، بعینہ اسی طرح اس پر عمل پیرا ہوئے، اگر کہیں شبہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے پوچھ کر تشفی کر لی۔ ان میں سے کچھ اصحاب ایسے بھی تھے جو قانونی معاملات میں خصوصیت سے ممتاز تھے اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کی شہادت موجود ہے۔<sup>۱</sup>

اس حالت میں ان سے بڑھ کر مزاج شناس نبوت کون ہو سکتا ہے؟ ان کی رائے اور عمل کے مقابلہ میں کسی کی رائے اور عمل کو اہمیت نہیں دی جاسکتی اور مجموعی حیثیت سے ان کے قول و فعل کو معیار تسلیم کرنے میں کسی اصول کلی کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ یہ تو عین مقصد نبوت کے مطابق ہے، کیونکہ نبوت اس پر بھی مامور ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت تیار کر دے جو ان کے بعد ہر حیثیت سے ان کی تعلیمات کی محافظ اور اس کے مقاصد کی تکمیل کر سکے، اس لئے فقہاء کرام نے اصحاب رسول ﷺ کے تعامل کو حجت تسلیم کیا ہے۔<sup>۲</sup>

## مسئلہ اشخاص کی رائیں

اس دسویں ماخذ میں اقوال، فتاویٰ، ثالثی، عدالتی فیصلے، سرکاری وغیرہ سرکاری ہدایتیں سب داخل ہیں مگر مرکزی حیثیت اصحاب رسول ﷺ کی رایوں کو حاصل ہوگی چنانچہ رسول ﷺ نے ان پاکیزہ نفوس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ -

اصحابی کالنجوم بآیہم اقتدیتم إھتدیتم<sup>۳</sup>

## عرف و رواج

فقہاء کرام نے عرف رواج کی یہ تعریف کی ہے :-

عادة جمہور قوم فی قول او عمل، یعنی قول یا عمل میں جمہور کی عادت کا نام عرف ہے۔<sup>۴</sup>

عرف رواج نہایت قدیم ماخذ ہے اور تقریباً ہر دور میں پایا جاتا رہا ہے، فقہ اسلامی کے نشوونما میں اس کو بڑا دخل ہے عرب وغیرہ عرب کے بہت سے عرف رواج جو الہی حکمت اور اسلام کے بنیادی اصول کے خلاف نہ تھے اور قرآن و سنت کی تصریحات ان کے بارے میں خاموش تھیں۔ ان کو صحابہؓ، تابعین اور فقہاء نے باقی رہنے دیا اور ترتیب و تدوین کے زمانہ میں وہ فقہ اسلامی کا جزو قرار پائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے عرب جاہلی کے اچھے رسم و رواج کو اسلامی شریعت کا تشریحی مادہ قرار دیا ہے (ہی مادیہ تشریعہ) ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ، ونہی عن الرسوم الفاسدہ وامر

بالصالحہ<sup>۱</sup> یعنی رسول اللہؐ نے فاسد رسموں سے منع فرما کر اچھی رسموں کے قبول کرنے کا حکم دیا۔  
اصل یہ ہے کہ وہ تمام عرف و رواج جو الہی حکمت (منافع کا حصول اور مضرت کا دفعیہ) کے موافق  
تھے وہ سب قبول کئے گئے خواہ وہ عرب میں رائج رہے ہوں یا غیر عرب میں ان کا تعلق ماقبل کی شریعتوں  
سے تھا یا نہ تھا۔

## ملکی قانون ۱۲

دعوت الہی کے اہم مقاصد میں یا مُرُکُم بالمعروف (رسول اللہ معروف کا حکم دیتا ہے) کا ذکر ہے  
اور معروف کے عموم میں وہ ملکی قانون بھی داخل ہیں جو اسلامی اصول کے موافق ہوں اور شرع اور عمل  
کے خلاف نہ ہوں۔

امت مسلمہ کے ”مشن“ میں امر ابالمعروف اور نہی عن المنکر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے:  
کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔<sup>۲</sup> اس  
بناء پر امت جہاں جہاں گئی وہاں کے اچھے رسوم و قوانین کی حوصلہ افزائی کی۔ ان سب کے بارے میں  
یہ کہنا کہ وہ ماقبل کی شریعت کے بقایا تھے اور معاشرتی فلاح و بہبود کے لحاظ سے وہاں کے باشندوں نے  
کوئی قانون وضع ہی نہیں کیا تھا محض غلط اندیشی اور قومی و جماعتی زندگی سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔<sup>۳</sup>

ابتداء میں خود رسول اللہؐ نے بہت سے ان قوانین کو معمولی ترمیم و اصلاح کے بعد قبول فرمایا جو  
عرب میں رائج تھے خواہ ان کا تعلق ماقبل کی کسی بھی شریعت سے تھا یا نہ تھا اور بعد میں یہی قوانین فقہ  
اسلامی کے جز و قرار پائے، لیکن اس قبولیت کے ہر مرحلہ میں معاشرہ کی حالت اور عوامی شعور کا ٹھیک ٹھیک  
اندازہ لگایا گیا اور جن کو قبول کیا ان کو اس طرح اسلام کے قالب میں ڈھالا گیا کہ وہ شریعت اسلامیہ  
میں بالکل فٹ ہو گئے۔<sup>۴</sup>

۳ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۲۳۲، مرتبہ مولانا تقی امینی

۲ آل عمران آیت نمبر ۱۲

۱ حجۃ اللہ الباقیہ، ص ۱۲۴

۴ ایضاً، ص ۲۳۳

## باب - ۴

ہندو پرستل لا (قوانین ہندو مذہب)

## (۱) ازدواج (Hindu Marriage)

### تعریف ازدواج

”ازدواج“ سے وہ تعلق مراد ہے جو مرد اور عورت میں تمدنی اور بعض صورتوں میں مذہبی اغراض و مقاصد کے لئے قائم کیا جاتا ہے۔

### ”دھرم شاستر کے تناظر میں ازدواج“

دھرم شاستر کے احکام کی رو سے ازدواج سنسکار یعنی مذہبی رسم ہے جو انسان کو پاک کرنے کے لئے ضروری ہے۔ منواسمیتی میں حکم ہے کہ جس شخص کے بیٹا نہ ہو وہ پوت یعنی دوزخ میں جاتا ہے اس لئے پوت سے بچانے کے لئے ”پتر“ یعنی بیٹے کی ضرورت ہے، ویدک دھرم کے مطابق نجات دہندہ لڑکا ہے نہ کہ لڑکی، جس کے لئے ازدواج لازمی ہے<sup>۱</sup>۔ دتک میں کہا گیا ہے کہ:

”جب برہمن پیدا ہوتا ہے اس پر تین قسم کا رین (قرض) ہوتا ہے۔ (۱) رشیوں کا رین جو ویدوں کے پڑھنے اور پڑھانے سے ادا ہوتا ہے۔ (۲) دیوتاؤں کا رین جو یکہ یعنی ہون کے کرنے سے ادا ہوتا ہے۔ (۳) پتروں یعنی بزرگوں کا رین جو ازدواج کر کے بیٹا پیدا کرنے سے ادا ہوتا ہے۔<sup>۲</sup>

اس قسم کے احکامات سے نیز شاستروں کے ان احکام سے جن میں آٹھ مختلف قسم ازدواج کا ذکر کیا گیا ہے بادی النظر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں ازدواج کا اصول فقط نسل کے بقاء کے لئے قائم کیا گیا تھا لیکن یہ خیال درست نہیں ہے۔ اس میں شبہ نہیں جب آریہ قوم ہندوستان میں حملہ آور ہوئی اس وقت اس کو اپنے بقاء کے لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ جس طرح ممکن ہو آبادی میں اضافہ کیا جائے تاکہ وہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کر سکے۔ لیکن ازدواج کی تکمیل کے وقت وید میں جو منتر پڑھے جانے ضروری قرار دئے گئے ہیں ان کے معائنہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس ابتدائی زمانہ میں یہی ہندو اس روحانی تعلق کو محسوس کر چکے تھے جو ازدواج سے قائم ہوتا ہے اور عورت کو اردھاگنی یعنی نصف جسم تصور کرتے تھے اور یہی دعاء مانگتے تھے کہ وہ دونوں مل کر محبت کے ساتھ اس طرح اپنی زندگی گزاریں کہ پروردگار کا اس دنیا کے پیدا کرنے میں جو اصلی منشاء ہے وہ جہاں تک ان کے امکان میں پورا ہو سکے<sup>۱</sup> ویدوں کے رو سے کوئی یکہ یا اہم مذہبی رسم اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ اس کی انجام دہی میں مرد کے ساتھ عورت شریک نہ ہو۔

ازدواج ست پد کی رسم سے پورا ہوتا ہے نہ کہ ”واگدان“ یعنی منگنی کے رسم سے۔ جب ست پد

کی رسم انجام پا جاتی ہے اور اس وقت زن و شوہر کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ شودروں اور اعلیٰ ذاتوں کی عورتوں کے لئے صرف ازدواج ہی ایک سنسکار لازمی ہے۔ نابالغ لڑکی کے ولی کا یہ مذہبی فرض اور اخلاقی فرض ہے کہ اس کا ازدواج کرے۔

### نابالغ لڑکی اور لڑکے کا ازدواج

دھرم شاستر کے احکام کی رو سے ازدواج کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں۔ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا ازدواج ہو سکتا ہے لیکن ایسی صورت میں رسوم لڑکے اور لڑکی کے ولی کی جانب سے انجام دی جاتی ہیں۔<sup>۱</sup>

### مقاصد ازدواج کے لئے ولی کے درجات

نابالغ کے ازدواج کے لئے ولی کی رضامندی ضروری ہے، دھرم شاستر میں ازدواج کی اغراض کے لئے ولی کے مدارج حسب ذیل قائم کئے گئے ہیں۔

(۱) باپ (۲) دادا (۳) بھائی (۴) کوئی شکولیہ (یعنی کوئی پدری رشتہ دار) (۵) ماں اور اس کے رشتہ دار (سوتیلی ماں ولیہ نہیں ہو سکتی)۔

ولایت کا جو سلسلہ بیان کیا گیا ہے اس میں دھرم شاستر متعلقہ بنگال میں یہ اختلاف کیا گیا ہے کہ ماں کے قبل نانا اور ماموں کا درجہ قائم کیا گیا ہے، اس کا یہ منشاء نہیں ہے کہ اوپر کے درجہ کے ولی کی موجودگی میں اس کے بعد کا شخص کسی حالت میں بھی ازدواج نہ کر سکے گا۔<sup>۲</sup>

### (Hindu Marriage Act 1955 (5) (iii))

(iii) the bridegroom has completed the age of twenty-one years

and the bride the age of eighteen years at the time of marriage;

اس سکشن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ شادی کے لئے لڑکی کی عمر ۱۸ سال اور لڑکے کی عمر ۲۱ سال ہونا

ضروری ہے۔<sup>۳</sup>

اگر باپ اپنی بیٹی کا اس وقت ازدواج نہ کرے جب وہ ازدواج کے قابل ہو گئی ہو تو ماں یا کوئی اور رشتہ دار ازدواج کر سکتا ہے۔ دستور ہند کے مطابق جب عدالت کسی لڑکی کی ولایت کا تصفیہ کر رہی ہو اسے اس امر کے متعلق پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ لڑکی کے باپ کے نام حکم امتناعی جاری کرے کہ وہ اس کا ازدواج نامناسب شخص سے نہ کرے۔

<sup>۱</sup> اگیتا بانی بنام شو بخش مبینی لارپورٹر، ج ۵، ص ۳۱۸      <sup>۲</sup> مولچند بنام بدھیا مبینی، ج ۲۲، ص ۸۱۲

لڑکی کا ولی اپنے اختیارات کسی دوسرے شخص کو تفویض کر سکتا ہے اور وہ شخص جن کو تفویض ایسے اختیارات کئے جائیں کہ لڑکی کا ازدواج اسی طرح کر سکے گا کہ گویا وہی ولی ہے۔ اور لڑکی کے ازدواج کے لئے اس کے ولی کی رضامندی لازمی ہے لیکن اگر بغیر ایسی رضامندی کے لڑکی کا ازدواج بطور مناسب بلا ارتکاب فریب جملہ مذہبی رسوم کے ساتھ انجام پا جائے تو ازدواج کا کالعدم نہ ہوگا۔ لیکن یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے منواسمرتی میں حکم ہے شوہر کو اپنی زوجہ پر حقوق مذہبی رسوم سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ زوجہ کے ولی کے دان سے حاصل ہوتے ہیں۔<sup>۱</sup>

مدارس ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ لڑکی کا ایسا چچا جو علیحدہ ہو گیا، ہو بغیر لڑکی کی ماں کی رضامندی کے اس کا ازدواج نہیں کر سکتا ہے۔ اگر لڑکی کی ماں جائداد پر قابض ہو تو بغیر اس کی رضامندی کے ازدواج جائز نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں شوہر کے رشتہ داروں کی نیز ماں کی رضامندی سے ازدواج ہونا چاہئے۔<sup>۲</sup>

جب لڑکی کی قدرتی ولیہ ماں ہو تو وہ بغیر اپنے خسر کی رضامندی کے اس کا ازدواج کر سکتی ہے گو خسر یا اسکے شوہر کے رشتہ داروں نے نامناسب طور پر ازدواج کرنے سے انکار نہ کیا ہو۔ اگر ماں خود ازدواج کی رسوم انجام دے تو وہ ازدواج کے اخراجات جائداد مشترکہ سے حاصل کر سکتی ہے۔<sup>۳</sup>

اگر لڑکی کا ولی اس کا ازدواج اس طرح کرنے والا ہو کہ وہ لڑکی کے لئے مضر ہو تو عدالت کو مداخلت کا حق حاصل ہوگا لیکن ایسی مداخلت اس وقت ہی غیر معمولی حالت میں کی جاسکے گی جب کہ ولی باپ ہو۔

### فاتر العقل (مجنوں) کا ازدواج:-

شاستروں میں فاطر العقل یا مجنوں کا ازدواج نامناسب اور اخلاق کے خلاف قرار دیا گیا ہے لیکن کالعدم نہیں ہے۔ یہ امر البتہ قابل لحاظ ہے کہ ازدواج میں شوہر لڑکی کا دان قبول کرتا ہے اور جب شوہر اپنے فعل کی ماہیت نہ سمجھ سکتا ہو تو یہ قرار دینا دشوار ہے کہ اس نے دان قبول کیا؟ اس اصول کے مد نظر مقدمہ موجبی لعل بنام چندر پتی کماری (کلکتہ جلد ۳۸، صفحہ ۷۰۰) پر یو یو کونسل نے قرار دیا کہ اس امر کا تصفیہ کرنے کے لئے کہ آیا شخص فاطر العقل کا ازدواج جائز ہے انہیں اس شخص کی دماغی حالت کو دیکھنا ہوگا۔ اگر وہ شخص اس حالت میں ہے کہ دان کر سکتا ہے تو ازدواج جائز ہوگا ورنہ نہیں۔<sup>۴</sup>

### The Hindu Marriage Act 1955 Section 5 (ii)

(ii) at the time of the marriage, neither party -

۱. منواسمرتی، باب ۵، فقرہ ۱۵۲ ۲. مدارس ہائی کورٹ رپورٹ، ج ۴، ص ۳۳۹ ۳. رنگا بنگی بنام رامانج مدراس، ج ۳۵، ص ۷۲۸

۴. ونکٹ چارلو بنام رنگا چارلو مدراس، ج ۱۴، ص ۳۱۶

- (a) is incapable of giving a valid consent to it in consequence of unsoundness of mind; or
- (b) though capable of giving a valid consent, has been suffering from mental disorder of such a kind or to such an extent as to be unfit for marriage and the procreation of children; or
- (c) has been subject to recurrent attacks of insanity.

میں اس بات کی وضاحت ہے کہ مندرجہ ذیل صورتوں میں شادی کا عدم ہوگی:

- (الف) پاگل پن کی وجہ سے اپنی رضامندی کا اظہار نہ کر سکے۔
- (ب) رضامندی تو دے سکتا ہے مگر پاگل پن کی وجہ سے شادی کے لائق نہ ہو اور بچہ پیدا کرنے کے لائق نہ ہو۔
- (ج) پاگل پن کا دورہ کبھی کبھی پڑتا ہو۔<sup>۱</sup>

**گوئنگے بہرے یا ایسے اشخاص کا ازدواج جو لا علاج مرض میں مبتلا ہوں:-**

ایسا شخص جو گونگا اور بہرہ ہو یا کسی لا علاج مرض میں مبتلا ہوں تو اس کا ازدواج ہو سکتا ہے مگر ایسا شخص اپنی زوجہ اپنے پاس رہنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔<sup>۲</sup>

**عنین (نامرد) کا ازدواج کا عدم نہیں ہے:-**

ابتدائی زمانہ میں نیوگ کا طریقہ رائج تھا بایں وجہ عنین کا ازدواج کا عدم نہیں تھا۔ اس زمانہ میں گو نیوگ کا طریقہ رائج رہا ہے لیکن عنین کا ازدواج کا عدم قرار نہیں دیا گیا ہے۔ اور شودروں میں عنین ازدواج کے ناقابل قرار دیا گیا ہے۔<sup>۳</sup>

## **Hindu Marriage Act 1955 Section 12 (1)**

**Voidable Marriages** - (1) Any marriage solemnized, whether before or after the commencement of this act, shall be voidable and may be annulled by a decree of nullity on any of the following grounds, namely -

- (a) that the marriage has not been consummated owing to the impotence of the respondent; or
- (b) that the marriage is in contravention of the condition specified in



clause (ii) of Section 5; or

(c) that the consent of the petitioner, or where the consent of the guardian in marriage of the petitioner, the consent of such guardian was obtained by force;

(d) that the respondent was at the time of the marriage pregnant by some person other than the petitioner.

اس سشن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ شادی کے وقت فریقین میں سے کسی کے اندر مندرجہ ذیل خامی موجود ہوں تو شادی کا لعدم ہوگی۔

(الف) نامردی (ب) پاگل پن (ج) دھوکے سے رضامندی حاصل کرنا (د) شادی کے وقت لڑکی کا حمل سے ہونا

### تعدد از دواج (Polygamy) :-

شاستروں کے احکام کے رو سے صرف خاص صورتوں میں مرد کو یہ اختیار تھا کہ وہ ایک زوجہ کی موجودگی میں دوسرا ازدواج کرے مثلاً پہلی زوجہ کے اولاد نہ ہو یا صرف لڑکیاں ہوں۔ اس زمانہ میں وہ قیود قائم نہیں ہیں اور ہر مرد کو یہ اختیار ہے کہ وہ ایک سے زیادہ زوجہ کرے۔ ایسا فعل دھرم شاستروں کے احکام کی رو سے اخلاق کے خلاف ہے مگر خلاف قانون قرار نہیں دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی زندگی میں دوسرا ازدواج کرے۔ جب شوہر ایک زوجہ کی زندگی میں دوسرا ازدواج کرے تو پہلی زوجہ اپنے حقوق ازدواج پانے کا دعویٰ کر سکتی ہے۔<sup>۱</sup>

### The Hindu Marriage Act 1955 Section 5 (i)

(i) neither party has a spouse living at the time of the marriage.

اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ شادی کرتے وقت فریقین میں سے کوئی شادی شدہ نہ ہو یعنی مکڑ راز دواج غیر قانونی ہوگا۔<sup>۲</sup>

### بیوہ کا مکڑ راز دواج :-

دھرم شاستر کے احکام کی رو سے بیوہ اس کی مجاز نہیں ہے کہ مکڑ راز دواج کرے۔ بعض فرقوں میں رواج کی بناء پر ایسا ازدواج جائز ہے۔ برٹش انڈیا میں ایکٹ (۱۵) ۱۸۵۶ء کی رو سے بیوہ کا مکڑ

<sup>۱</sup> Bare Act Hindu Law 2008, p.5, C.L. Publication Allahabad

<sup>۲</sup> ویراسوامی بھام اپاسوامی مدراس ہائی کورٹ رپورٹ، ج ۱، ص ۳۰۵

<sup>۳</sup> Bare Act Hindu Law 2008, p.3, C.L. Publication Allahabad

ازدواج ہو سکتا ہے۔

مسٹر جسٹس اینڈ ے نے لکھا ہے کہ بیوہ کی ازدواج کی ممانعت دھرم شاستر کی رو سے صرف تین اعلیٰ ذاتوں سے متعلق تھی۔<sup>۱</sup>

مجلس عالیہ عدالت نے قرار دیا ہے کہ قوم راجپوت میں بیوہ سے شادی ناجائز نہیں ہے۔

### The Hindu Widows Re-Marriage Act 1856

"The remarriage of widows had been validated and legalised by the HINDU WIDOWS REMARRIAGE ACT 1856. It is valid and legal under the provision of HINDU MARRIAGE ACT, 1955" (R.K. AGARWAL p.101)

ہندو بیوہ کو دوسری شادی کی اجازت سب سے پہلے 1856 میں ملی اور The Hindu Marriage Act 1955 نے اس اجازت کو برقرار رکھا لہذا بیوہ عورت دوسری شادی کر سکتی ہے۔<sup>۲</sup>

### ایک ہی گوتر میں ازدواج:-

منواسمرتی میں ذکر ہے کہ ایک ہی گوتر کی لڑکی سے ازدواج ممنوع ہے لیکن یہ ممانعت صرف اعلیٰ تین ذاتوں سے متعلق ہے۔ شودروں سے متعلق نہیں ہے۔<sup>۳</sup>

### گوتر کیا ہے؟

لفظ ”گوتر“ کا ماخذ ”گو“ یعنی گائے ہے۔ اصل میں گوتر سے وہ احاطہ مراد ہے جس میں گائے جمع کی جاتی تھیں لیکن اس کے اصطلاحی معنی خاندان یا قوم یا فرقہ ہیں اس وقت ہندوستان میں بعض شاستروں کے موافق ۱۲ اور بعض موافق ۴۲ گوتر ہیں۔ جو اشخاص ابتدائی رشیوں میں سے کسی ایک رشی کی اولاد سے ہوں وہ ”سگوتر“ یعنی ہم گوتر کہلاتے ہیں۔ گوتر اصل صرف برہمنوں کے ہوتا ہے لیکن چھتری اور ویش اپنے پروہت کا گوتر اختیار کرتے ہیں۔ شودروں کا بالعموم کوئی گوتر نہیں ہوتا ہے۔ جو اشخاص ایک ہی گوتر کے ہیں وہ آپس میں ازدواج نہیں کر سکتے ہیں۔ ازدواج کے وقت لڑکی اپنے شوہر کا گوتر حاصل کرتی ہے اور اپنے باپ کا گوتر ترک کر دیتی ہے۔

اگر ایک ہی گوتر کے لڑکے اور لڑکی کا ازدواج ہو جائے تو وہ کالعدم قرار دیا جائیگا۔<sup>۴</sup>

### سپنڈوں میں ازدواج:-

کسی مرد کا ایسی عورت سے ازدواج جائز نہیں ہے جو اس سپنڈ ہو۔

۱۔ سورج سنگھ بنام جواہر سنگھ آئین ہس ۱۴ ص ۵۰۸ ۲۔ Hindu Law, p.101, R.K. Agarwal, Law Agency

۳۔ منوباب ۳ فقرہ ۵ ۴۔ رام چندر بنام گوپال مہی، ج ۳۲ ص ۶۱۹

## سپنڈ سے کیا مراد ہے؟

لفظ ”سپنڈ“ سے ایک ہی جسم مراد ہے۔ ایسے اشخاص ایک دوسرے کے سپنڈ کہلاتے ہیں جو کسی مشترک بزرگ کی اولاد ہوں لیکن اگر اس کو بلا قید کے استعمال کیا جائے تو تمام دنیا کے انسان ایک دوسرے کے سپنڈ ہو جائیں گے اس لئے متاکثر میں سپنڈ کو اس طرح محدود کیا گیا ہے کہ سپنڈ کا تعلق باپ کے رشتہ سے سات پشت کے اور ماں کے رشتہ سے پانچ پشت کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

دھرم شاستر کے احکام کی رو سے ازدواج سے زوجہ شوہر کی سپنڈ ہو جاتی ہے اور اس اصول کے لحاظ سے بھائی وغیرہ کی زوجہ بھی سپنڈ ہو جاتی ہے۔ ماں کے بھائی اور بہن سپنڈ ہیں۔

ازدواج کی وجہ سے جو تعلق قائم ہوتا ہے وہ بطور خود ازدواج کا مانع نہیں ہے مثلاً ہندو اپنی بیوی کے رشتہ دار سے اسی طرح ازدواج کر سکتا ہے گویا اس کا ازدواج پہلی مرتبہ ہو رہا ہے۔

جب کوئی لڑکا ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتہی لیا جائے تو جو قیود اوپر درج کی گئی ہیں اس سے اور اس کی اولاد سے دونوں خاندانوں کی حد تک متعلق ہوگی۔ جس خاندان میں وہ پیدا ہوا تھا اس خاندان کے سپنڈ اور سگوتر نیز اس خاندان کے سپنڈ اور سگوتر سے جس میں وہ منتہی لیا گیا ہے ازدواج جائز نہ ہوگا۔<sup>۱</sup>

تہنیت کے وقت جو عورت اپنے شوہر کے ساتھ رسوم تہنیت میں شریک ہوئی ہو صرف وہی منتہی بیٹے کی ماں سمجھی جائے گی اور اس عورت کے باپ کے خاندان میں منتہی بیٹے کا ازدواج جائز نہ ہوگا، لیکن اگر باپ تہنیت کی رسم میں کسی عورت کو بھی شریک نہ کرے تو منتہی کے باپ کی کل زوجگان منتہی بیٹے کی ماں سمجھی جائے گی اور ان سب کے باپ کے خاندان میں اس کا ازدواج ناجائز ہوگا۔<sup>۲</sup>

## ازدواج کے اقسام:

منواسرتی میں کل آٹھ قسم کے ازدواج کا بیان ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) برہم (۲) دیو (۳) ارش (۴) پر جاپتی (۵) اشور (۶) گاندھرو (۷) راکشس (۸) پیشاچ

اول چار قسم کے ازدواج منو میں پسندیدہ قرار دئے گئے ہیں اور آخر کے چار نا پسندیدہ منجملہ ان آٹھ قسم کے ازدواج کے ہندوستان میں عام طور پر ”برہم“ ازدواج رائج ہے۔ بعض فرقوں میں اشور ازدواج کا بھی رواج ہے اور راجاؤں یا سرداروں میں بطور رواج کے گاندھرو بھی جائز ہے بقیہ پانچ قسم کے ازدواج کا مطلق رواج نہیں ہے۔<sup>۳</sup>

## (۱) ”برہم“ ازدواج:

”برہم“ ازدواج سے لڑکی کا باپ کی جانب سے کسی ایسے فاضل (پنڈت) برہمن کو دان دینا مراد ہے جس کو لڑکی کے باپ نے اپنی خوشی سے دان دینے کے لئے بلایا ہو۔<sup>۱</sup>

اس زمانہ میں ہندوستان میں عام طور پر برہم ازدواج کا رواج ہے۔ لڑکی کا باپ یا اور کوئی ولی اپنی ذات کے کسی مرد کو لڑکی دان دیتا ہے اور اس مرد کو خوشی سے دان دینے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ جن فرقوں میں اشور طریقہ کا ازدواج رائج ہے ان فرقوں میں یہی رسوم برہم ازدواج ہی کے طریقہ پر انجام دی جاتی ہیں۔

## (۲) ”دیو“ ازدواج:

”دیو“ ازدواج سے لڑکی کا اس پوجاری کو دان دینا مراد ہے جو لڑکی کے باپ کے لئے یکہ کر رہا ہو۔ ایسا دان یکہ شروع ہونے کے بعد دیا جاتا ہے۔<sup>۲</sup>

یہ ازدواج برہم سے کم درجہ کا ہے کیونکہ اس میں لڑکی یکہ کے معاوضہ میں دی جاتی ہے۔

## (۳) ”ارش“ ازدواج:

جب باپ دو یا چار گائے دولہا (لڑکے) سے لے کر لڑکی کا ازدواج کرے تو وہ ارش ازدواج کہلاتا ہے۔ ایسی صورت میں گائے رسوم معینہ شاستر کی انجام دہی کے لئے لی جاتی تھیں۔<sup>۳</sup>

## (۴) ”پر جاپتی“ ازدواج:

”پر جاپتی“ ازدواج سے یہ مراد ہے کہ جب باپ اپنی بیٹی کو عزت کے ساتھ یہ کہہ کر دیتا ہے کہ ”تم دونوں مل کر اپنی دنیوی و مذہبی فرائض انجام دو“۔<sup>۴</sup>

اس ازدواج میں اور برہم ازدواج میں صرف یہ فرق ہے کہ برہم میں دلہن کا باپ اپنی خوشی سے دولہا کو بلاتا ہے لیکن پر جاپتی ازدواج میں دولہا دلہن کے باپ سے درخواست کرتا ہے۔

## (۵) ”اشور“ ازدواج:

”اشور“ ازدواج سے وہ ازدواج مراد ہے کہ جب دولہا لڑکی کے باپ اور پدری رشتہ داروں اور خود لڑکی کو جس قدر دولت کہ وہ دے سکتا ہے دے کر دلہن کو اپنی خوشی سے لیتا ہے۔<sup>۵</sup>

یہ طریقہ لڑکی کی فروخت کرنے کے ہم معنی ہے اور منواسمرتی میں اس کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے لیکن اس زمانہ میں بعض فرقوں میں یہ طریقہ اب بھی رائج ہے۔

## (۶) ”گاندھرو“ ازدواج:

عورت مرد کا اپنی خوشی سے حظ نفس کے لئے تعلق پیدا کرنا ”گاندھرو“ ازدواج کہلاتا ہے۔  
اس ازدواج کو ناپسندیدہ اس وجہ سے قرار دیا گیا ہے کہ اس میں حظ نفس کا خیال غالب ہوتا ہے۔  
مگر گاندھرو ازدواج میں بھی رسوم کی انجام دہی لازمی ہے۔

## (۷) ”راکشس“ ازدواج:

لڑکی کے رشتہ داروں اور دوستوں کو لڑائی میں قتل یا زخمی کرنے کے بعد اس کے مکان میں داخل ہو کر لڑکی کو جبراً لے جانا جب کہ وہ رو رہی ہو اور مدد طلب کر رہی ہو ”راکشس“ ازدواج کہلاتا ہے۔  
اس وقت اس قسم کا ازدواج مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۶۶ کی رو سے اور مجموعہ تعزیرات سرکار عالی نشان (۵) ۳۲۴ء کی دفعہ ۳۰۳ کی رو سے قابل سزا ہے۔

## (۸) ”پیشاچ“ ازدواج:

عاشق کا لڑکی سے پوشیدہ طور پر تعلق کرنا جب وہ سو رہی ہو یا نشہ میں مست ہو اس کے دماغ میں کسی قسم کا نقص ہو ”پیشاچ“ ازدواج کہلاتا ہے۔<sup>۳</sup>

## ازدواج میں رقم کا معاہدہ:-

دھرم شاستر کے رو سے بعض فرقوں میں ”اشور“ ازدواج جائز ہے۔ لیکن اگر ازدواج کے معاوضہ میں کسی رقم کے دینے کا یا لڑکی کے ماں باپ کو نان و نفقہ دینے کا معاہدہ کیا جائے تو ایسا معاہدہ قابل تعمیل نہ ہوگا کیونکہ ایسے معاہدہ کی تعمیل مصلحت عامہ کے خلاف ہے۔

اگر ازدواج کرنے کے لئے رقم لڑکی کے کسی رشتہ دار کو دے دی جائے اور اس کے بعد ازدواج نہ کیا جائے تو ایسی رقم کی واپسی کا دعویٰ ہو سکتا ہے۔

جب لڑکی کے باپ کو رقم دینے کا معاہدہ کیا جائے تو ازدواج کے بعد وہ طلب نہیں کر سکتا اور اگر رقم فی الوقت ادا کر دی گئی ہو تو ازدواج کے بعد شوہر بھی اس کی واپسی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔<sup>۴</sup>

## شوہر اور زوجہ کے حقوق کا تعین شاستر میں

دھرم شاستر کی رو سے ازدواج صرف معاہدہ نہیں ہے بلکہ سنسکار یعنی مذہبی رسم ہے؛ شوہر اور زوجہ کے حقوق و فرائض کا تعین شاستروں میں کیا گیا ہے۔ فریقین اپنے معاہدے سے ان حقوق و فرائض کو تبدیل

نہیں کر سکتے ہیں۔ ازدواج دوامی تعلق ہے اس لئے منواسمرتی میں حکم ہے کہ ”زوجہ بیچ کئے جانے یا چھوڑے جانے سے اپنے شوہر سے علیحدہ نہیں ہو سکتی“۔<sup>۱</sup>

ازدواج کے وقت یہ معاہدہ ہوا تھا کہ شوہر زوجہ کے گاؤں میں رہیگا اگر گاؤں میں نہ رہے تو ازدواج فسخ ہو جائے گا۔ ملک من موپینی بنا بسنت کمار (کلکتہ جلد ۲۸ صفحہ ۷۵۱) کے اس فیصلے میں ہائی کورٹ نے قرار دیا کہ اس قسم کا معاہدہ دھرم شاستر کے اصول کے خلاف ہے اور اس کو قابل تعمیل قرار دینا مصلحت عامہ کے خلاف ہوگا۔

ہندو پرسنل لا کے مطابق اگر زوج اور زوجہ کے آپس میں یہ معاہدہ ہو کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدہ رہیں گے اور ان میں سے کوئی بھی حقوق ازدواج پانے کا دعویٰ نہ کرے گا تو عدالت ایسی قرار داد کی تعمیل کا حکم نہ دے گی بجز اس کے کہ فریقین کے حالات ایسے ظاہر ہوتے ہوں کہ حقوق ازدواج پانے کی ڈکری صادر نہ ہو سکتی ہو۔

زوج اور زوجہ میں ایسی قرار داد کہ وہ آئندہ کسی وقت الگ ہو جائیں گے مصلحت عامہ کے خلاف ہے۔<sup>۲</sup>

### حقوق ازدواج پانے کا حق :-

جب زوجہ اپنی عمر کے لحاظ سے فرائض ازدواج کے انجام دہی کے قابل ہو تو شوہر حقوق ازدواج پانے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ عدالت ایسے دعویٰ کی سماعت کے مجاز ہے نیز عدالت ڈکری صادر کرنے کے وقت زوجہ کی، فلاح اور عافیت کے تعلق مناسب شرائط قائم کر سکتی ہے۔<sup>۳</sup>

### حقوق ازدواج پانے کی دعویٰ میں جواب دہی :-

جب شوہر حقوق ازدواج پانے کا دعویٰ کرے تو مدعی علیہ کی یہ جواب دہی کافی نہیں ہے کہ اس میں جسمانی نقص ہے۔ ایسی ڈکری کے صادر کرنے سے صرف ان صورتوں میں انکار کیا جاسکتا ہے جن صورتوں میں زوجہ قانوناً شوہر کے پاس جانے سے انکار کر سکتی ہے۔

مندرجہ ذیل صورتوں میں زوجہ اپنے زوج کے پاس جانے سے انکار کر سکتی ہے۔

(۱) جب کسی قوم یا فرقہ کا یہ رواج ہو کہ ازدواج کی رسم کے بعد دوسری رسم انجام دی جائے گی اور اس کے بعد شوہر کو حقوق ازدواج حاصل ہوں گے تو جب تک ایسی دوسری رسم انجام نہ پائے اس وقت تک شوہر حقوق ازدواج پانے کا مستحق نہ ہوگا۔<sup>۴</sup>

۱۔ منوباب ۹ فقرہ ۲۶ ۲۔ دھرم شاستر مولفہ بنجاتھ، صفحہ ۵۷، حیدر آباد دکن ۳۔ ایضاً صفحہ ۵۸

۴۔ بول چند بنام جاکگی، ویلکلی رپورٹر، ج ۲۴، صفحہ ۲۲۸

(۲) جب شوہر جذام (Leprosy) یا آتشک (Syphilis) یا اور کوئی موذی مرض میں مبتلا ہو۔  
 (۳) شوہر کی ایسی بے رخی جس سے زوجہ کی فلاح و عافیت کو خطرہ ہو۔ شوہر کا ایسا فعل جس سے زوجہ کو روحانی تکلیف ہو مثلاً بغیر وجہ کے دوسرا ازدواج یا زوجہ پر بے عصمت ہونے کا جھوٹا الزام۔ لیکن اگر شوہر کسی غیر مذہب کی عورت کو اپنے گھر میں رکھے اور اسی گھر میں اپنی ہندو زوجہ کو بھی رکھنا چاہے تو وہ کافی وجہ ہو سکتی ہے۔

(۴) جب شوہر نے داشتہ رکھ لی ہو اور علیحدگی کے زمانہ میں اس کو نان و نفقہ نہ دیا ہو تو وہ حقوق ازدواج پانے پر اصرار نہیں کر سکتا۔

(۵) جب تک کوئی شخص ذات سے خارج رہے اس وقت تک وہ حقوق ازدواج پانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ لیکن مقدمہ بہادر بنام راج ونا (الہ آباد جلد ۲۷ صفحہ ۹۶) مسٹر جسٹس بلرنے اس رائے سے اختلاف کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ ذات سے خارج ہو جانا حقوق ازدواج کے پانے کے مانع نہیں ہے۔ اور مقدمہ مچو بنام اورجن ساہو (ویکلی ایپورٹر جلد ۵ صفحہ ۲۳۵) کلکتہ ہائی کورٹ نے قرار دیا ہے کہ جب شوہر ذات سے خارج ہو جائے تو وہ حقوق ازدواج پانے کا مستحق نہیں رہتا لیکن ایکٹ (۲۱) ۱۸۵۷ء کی رو سے اس حق پر اثر نہیں پڑ سکتا جو اس کو اپنے بچوں کی ولدیت کا ہے۔

اگر شوہر یا زوجہ اپنا مذہب تبدیل کر لے تو وہ ایکٹ (۲۱) ۱۸۶۶ء کی رو سے حقوق ازدواج پانے کا دعویٰ دوسرے فریق پر کر سکے گی اور اگر دوسرا فریق انکار کرے تو ازدواج فسخ قرار دیا جائے گا۔ گو دو صورتوں میں زوجہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے شوہر کے پاس جانے سے انکار کرے لیکن ایسی صورت میں ازدواج فسخ نہیں ہوتا ہے۔

اگر زوجہ اپنے شوہر سے کسی ایسی وجہ سے الگ رہے جس کا تعلق اس کی ذات یا رواج سے نہ ہو تو ازدواج فسخ نہیں ہوتا اور اس کی زوجہ کی حیثیت باقی رہتی ہے۔

جب کوئی ہندو شوہر یا زوجہ اپنا مذہب تبدیل کر لے تو ازدواج بطور خود فسخ نہیں ہوتا۔

## طلاق (Divorce)

دھرم شاستر کے احکام کی رو سے طلاق جائز نہیں ہے۔ شوہر تو ایک کی موجودگی میں مکرر ازدواج کا مجاز ہے اور زوجہ بیوہ ہونے کے بعد بھی مکرر ازدواج کی مجاز نہیں، لیکن بعض فرقوں میں رواج کی بناء پر طلاق جائز ہے۔ ایسے فرقوں میں طلاق فریقین کی رضامندی سے ہوتا ہے اور مدراس ہائی کورٹ نے قرار دیا ہے کہ ایسا رواج اخلاق کے خلاف نہیں ہے جس کی رو سے فریقین کی رضامندی سے طلاق جائز ہو۔ مسٹر اسٹیل نے اپنی دھرم شاستر (صفحہ ۱۶۸-۱۶۹) میں لکھا ہے کہ شوہر اور زوجہ کی رضامندی کے علاوہ حسب ذیل بناء پر ادنیٰ ذاتوں میں طلاق جائز ہے:

(۱) شوہر کا عنین ہونا (۲) شوہر اور زوجہ میں متواتر نزاع رہنا (۳) عادتاً برابر تاؤ (۴) ایسی بے ضابطگی جس سے ازدواج شروع ہی سے کالعدم ہوگا۔

عدالتوں نے بھی عادتاً برے برتاؤ کی صورت میں طلاق جائز قرار دیا ہے۔ متعدد مقدمات میں قرار دیا ہے کہ بغیر شوہر کی رضامندی کے طلاق جائز نہیں ہے، ایسا رواج جائز نہیں قرار دیا جاسکتا جس کی رو سے زوجہ کو بغیر اپنے شوہر کی رضامندی کے یہ حق ہو کہ وہ اس سے قطع تعلق کر کے دوسرا ازدواج کر لے۔

### The Hindu Marriage Act 1955 Section 13 (i)

**Divorce** - (1) Any marriage solemnized, whether before or after the commencement of this Act, may, on a petition presented by either the husband or the wife, be dissolved by a decree of divorce on the ground that the other party -

(i) has, after the solemnisation of the marriage, had voluntary sexual intercourse with any person other than his or her spouse; or

(ia) has, after the solemnisation of the marriage, treated the petitioner with cruelty; or

(ib) has deserted the petitioner for a continuous period of not less than two years immediately preceding the presentation of the petition; or

(ii) has ceased to be Hindu by conversion to another religion; or



(iii) has been incurably of unsound mind, or has been suffering continuously or intermittently from mental disorder of such a kind and to such an extent that the petitioner cannot reasonably be expected to live with the respondent.

(iv) has been suffering from a virulent and incurable form of leprosy; or

(v) has been suffering from venereal disease in a communicable form; or

(vi) has renounced the world by entering any religious order; or

(vii) has not been heard of as being alive for a period of seven years or more by those persons who would naturally have heard of it, has that party been alive.

اس سشن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ کوئی بھی شادی اس Act سے پہلے ہوئی ہو یا بعد میں فریقین میں سے کسی کی بھی عرضی پر ختم ہو سکتی ہے یعنی طلاق واقع ہو سکتی ہے۔

اسی سشن کے آگے اس بات کی وضاحت ہے کہ طلاق کن صورتوں میں ہو سکتی ہے:

(i) فریقین میں سے کسی کا ناجائز تعلقات ہونا۔

(ia) فریقین میں سے کوئی اپنے فریق پر ظلم کرتا ہو۔

(ib) فریقین میں سے کوئی اپنے فریق کو دو سال سے قطع تعلق کر رکھا ہو۔

(ii) فریقین میں سے کوئی فریق ہندو مذہب ترک کر دیا ہو۔

(iii) فریقین میں سے کوئی فریق پاگل ہو جائے یا دماغی طور پر اتنا بیمار ہو جائے کہ دوسرے کے ساتھ نباہنا ممکن ہو جائے۔

(iv) فریقین میں سے کسی فریق کو کوڑھ (Leprosy) کی بیماری لاحق ہو۔

(v) فریقین میں سے کسی فریق کو متعدد مرض لاحق ہو۔

(vi) فریقین میں سے کوئی فریق ترک دنیا کر لے۔ (رہبانیت اختیار کر لینا)

(vii) فریقین میں سے کوئی فریق سات سال سے غائب ہو۔<sup>۱</sup>

### زوجہ کی بدچلن سے ازدواج پر اثر:-

دھرم شاستر کے احکام کی رو سے بدچلن عورت علیحدہ کی جاسکتی ہے اور شوہر دوسرا ازدواج کر سکتا ہے لیکن اس طرح علیحدہ کئے جانے سے ازدواج فسخ نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں اگر بدچلنی ایسی نوعیت کی ہو کہ زوجہ ذات سے خارج ہو گئی تو ازدواج فسخ ہو سکتا ہے۔<sup>۲</sup>

# نان و نفقہ (Maintenance)

## نان و نفقہ کے مستحق کون؟

**For Hindu Undevident Family: Act Amended**

خاندان مشترکہ کے متعدد ارکان ہوتے ہیں جو تقسیم کرانے یا تقسیم میں حصہ پانے کے مستحق نہیں ہوتے ہیں لیکن جملہ ارکام خاندان مشترکہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خاندان مشترکہ کی جائداد سے نان و نفقہ پائیں۔ خاندان مشترکہ کی عورتیں اور وہ مرد جو محروم الارث قرار دئے گئے ہیں سب نان و نفقہ پانے کے مستحق ہیں۔ جب تک خاندان اشتراک کی حالت میں رہتا ہے اس وقت تک جملہ ارکان خاندان خواہ وہ تقسیم کرانے کے مستحق ہوں یا نہ ہوں مساوی طور پر نان و نفقہ کے مستحق ہیں۔ اگر کوئی رکن جو نان و نفقہ کا مستحق ہو ڈکری حاصل کر لے تو اس سے خاندان کی اشتراک کی حیثیت پر اثر نہ پڑے گا۔ جب نان و نفقہ کی بابت کوئی جائداد علیحدہ کی جائے تو اس حق کے ختم ہونے پر وہ جائداد مشترکہ جائداد کا جزو ہو جائے گی۔ ان اشخاص کے علاوہ جو جائداد کے حصہ دار ہیں حسب ذیل اشخاص نان و نفقہ کے مستحق قرار دئے گئے ہیں:

(۱) جو اشخاص محروم الارث ہوں۔ اور ان کی زوجہ یا بیٹی۔ (۲) ارکان خاندان مشترکہ کی بیوگان و زوجگان۔ (۳) ارکان خاندان مشترکہ کی لڑکیاں۔

## The Hindu Maintenance Act 1956 Section 21

**21. Dependants Defined -** For the purposes of this Chapter

"dependants" mean the following relatives of the deceased:

- (i) his or her father;
- (ii) his or her mother;
- (iii) his widow, so long as she does not re-marry;
- (iv) his or her son or the son of this pre-deceased son or the son of a pre-deceased son of his pre-deceased son, so long as he is a minor; provided and to the extent that he is unable to obtain maintenance, in the case of a grandson from his father's or mother's estate, and in the

case of a great-grandson, from the estate of his father or mother or father's father or father's mother;

(v) his or her unmarried daughter, or the unmarried daughter of his pre-deceased son or the unmarried daughter of a pre-deceased son of his pre-deceased son, so long as she remains unmarried; provided and to the extent that she is unable to obtain maintenance in the case of a granddaughter from her father's or mother's estate and in the case of a great-granddaughter from the estate of her father or mother or father's father or father's mother;

(vi) his widowed daughter : provided and to the extent that she is unable to obtain maintenance -

(a) from the estate of her husband; or

(b) from her son or daughter, if any, or his or her estate; or

(c) from her father-in-law or his father or the estate of either of them;

(vii) any widow of his son or of a son of his pre-deceased son, so long as she does not remarry : provided and to the extent that she is unable to obtain maintenance from her husband's estate, or from her son or daughter, if any, or his or her estate; or in the case of a grandson's widow, also from her father-in-law's estate;

اس سٹشن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ مرنے والے کے (۱) والد (۲) والدہ اور (۳) بیوی کو بشرط کہ اس نے دوسری شادی نہ کی ہو، نان و نفقہ ملے گا۔

(۴) مرنے والے کا بیٹا یا پوتا جبکہ اس کا باپ مر چکا ہو، یا پر پوتا، اس کا دادا اور والد کا انتقال ہو چکا ہو، جب تک کہ نابالغ ہو اس شرط کے ساتھ لڑکا کو دادا سے اس وقت ملے گا جب کہ اس کے والدین سے نان و نفقہ نہ مل رہا ہو اور پر پوتا کو اس وقت ملے گا جب والدین سے اور نیز دادا دادی سے بھی نہ مل رہا ہو۔

(۵) مرنے والے کی لڑکی کو نان نفقہ اس وقت تک ملے گا جب تک کہ اس کی شادی نہ ہو جائے اور مرنے والے کے لڑکے کی لڑکی کو ملے گا بشرط کہ لڑکی کا باپ مر چکا ہو، پوتے کی لڑکی کو بھی ملے گا جب کہ لڑکی کا باپ اور دادا مر چکے ہوں، اس شرط کے ساتھ جو نمبر ۴ میں مذکور ہیں۔

(۶) مرنے والے کی بیوہ بیٹی کو نان و نفقہ اس شرط کے ساتھ ملے گا (۱) اس بیوہ لڑکی کو شوہر کی جائداد سے کچھ نہ مل رہا ہو۔ (ب) بیوہ لڑکی کو اپنے بچوں سے کچھ نہ مل رہا ہو۔ (د) بیوہ لڑکی کو اپنے خسر یا خسر کے باپ سے کچھ نہ مل رہا ہو۔

(۷) مرنے والے کے بیٹے کی بیوہ یا پوتے کی بیوہ کو بھی ملے گا جبکہ پوتے کا باپ مر چکا ہو بشرط کہ بیوہ نے دوسری شادی نہ کی ہو اور وہ شرائط بھی لاگو ہوں گے جو نمبر ۴ میں مذکور ہیں یا خود کمانے لگے یا ہندو مذہب ترک کر دے ایسی صورت میں نان و نفقہ نہیں ملے گا۔<sup>۲</sup>

### خاندان منقسمہ کی صورت میں نان و نفقہ کی ذمہ داری :-

دھرم شاستر کے احکام کی رو سے مندرجہ ذیل رشتہ داروں کے نان و نفقہ کی ذمہ داری بلا لحاظ اس امر کے عائد کی گئی ہے کہ کوئی موروثی جائداد ہے یا نہیں۔

(۱) باپ (۲) ماں (۳) سوتیلی ماں (۴) بہن / سوتیلی بہن جب تک اس کا ازدواج نہ ہو۔ (۵) زوجہ (۶) بیٹا جب تک بالغ نہ ہو (۷) بیٹی جب تک اس کا ازدواج نہ ہو۔ (۸) بیوہ بیٹی جب وہ اپنے باپ کے گھر میں رہنے آجائے تو باپ پر اس کے نام و نفقہ کی اخلاقی ذمہ داری ہے اور اس کے ورثاء پر قانونی ذمہ داری ہوگی۔<sup>۳</sup>

زوجہ نان و نفقہ کی صرف اس صورت میں مستحق ہے جب وہ اپنے شوہر کے گھر میں رہے۔ جب وہ بلا کسی جائز وجہ کے اس کے گھر میں رہنے سے انکار کرے تو وہ علیحدہ نان و نفقہ پانے کی مستحق نہیں ہے اور اگر زوجہ اپنے شوہر کی رضا مندی سے کسی دوسری جگہ رہتی ہو تو جب وہ واپس آنا چاہے تو شوہر کا فرض ہے کہ اس کو اپنے گھر میں رکھے۔ اگر وہ اپنے گھر رکھنے سے انکار کرے تو اس پر اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داری ہوگی۔<sup>۴</sup>

### بیوہ کا نان و نفقہ :-

بیوہ اس شخص سے نان و نفقہ کی مستحق ہے جو اس کے شوہر کی جائداد وراثتاً پائے۔ نان و نفقہ کا تعین ہر مقدمہ کے حالات کے لحاظ سے عدالت اپنی صوابدید کے موافق کرے گی۔ بیوہ نان و نفقہ کا بقایا اور آئندہ کے لئے ماہانہ رقم کی ذکر کر سکتی ہے۔ نان و نفقہ کا تعین کرنے میں صرف بیوہ کی معمولی ضرورتوں کا ہی لحاظ نہ کیا جائے گا بلکہ اس امر کا بھی لحاظ رکھا جائے گا کہ وہ اپنی حیثیت کے موافق خیرات اور مذہبی کام انجام دے سکے نان و نفقہ تعین کرنے میں اس کے شوہر کی جائداد کی مالیت کا بھی لحاظ رکھا جائے گا اور نیز نان و نفقہ کی رقم میں حالات تبدیل ہو جانے سے تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

## بیوہ کا نان و نفقہ زائل ہونا:-

پریوی کونسل سے یہ طے ہو چکا ہے کہ بیوہ کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ اپنی شوہر کے گھر میں رہے اور اگر بیوہ اپنے شوہر کا گھر بد چلنی کی وجہ سے یا کسی اخلاق کے خلاف کام کی غرض سے نہ چھوڑے تو اس کا نان و نفقہ کا حق زائل نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر شوہر نے اپنی وصیت میں اس کے نان و نفقہ کا حق اس شرط پر مشروط کیا ہو کہ وہ کسی خاص مقام پر رہے تو وہ اس مقام پر بلا جائز وہ کے سکونت نہ رکھنے کی صورت میں نان و نفقہ کی مستحق نہ ہوگی۔

## بیوہ کا نان و نفقہ کی ذمہ داری ان اشخاص پر جو ان کے شوہر کے وارث نہ ہو:-

شاستروں کے احکام کی رو سے ہر شخص پر فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے خاندان کی بیوہ عورتوں کی پرورش کرے لیکن یہ محض اخلاقی فرض ہے۔ اور ایک فیصلہ میں یہ قرار دیا گیا کہ بیٹے کی بیوہ اپنے خسر کے مقابلہ میں اس وقت نان و نفقہ کی مستحق نہیں ہے جب وہ خسر سے علیحدہ رہتی ہو۔ اور خسر کے قبضہ میں اس کے شوہر کی کوئی جائیداد نہ ہو۔ جب ایسی بیوہ اپنے خسر کے ساتھ رہتی ہو تو اس کا اخلاقی فرض ہے کہ اس کے نان و نفقہ کا انتظام کرے اور خسر کے مرنے کے بعد اس کے وارث پر ایسی بیوہ کے نان و نفقہ کی قانونی ذمہ داری ہوگی۔ مورث کا اخلاقی فرض و رثاء کے ہاتھ میں جائیداد آنے کی صورت میں قانونی فرض ہو جاتا ہے۔ اور جس کسی بیوہ کا متوفی شوہر خاندان مشترکہ کارکن ہو اور پسماندگی کے قاعدہ سے باقی ارکان کل جائیداد مشترکہ کے مالک ہوئے ہوں تو بیوہ کو خاندان مشترکہ کے جملہ ارکان کے مقابلہ نان و نفقہ پانے کا حق حاصل ہے۔<sup>۱</sup>

## بد چلنی سے نان و نفقہ ساقط ہو جاتا ہے!

دھرم شاستر کے احکام کی رو سے اور نیز فیصلہ جات میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ جب کوئی عورت بد چلن ہو جائے تو اس کا نان و نفقہ کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ البتہ شاستروں میں یہ اخلاقی فرض قرار دیا گیا ہے کہ اس کو صرف اس قدر کھانا دے دینا چاہئے جس سے وہ زندہ رہ سکے۔ اور جب بیوہ نے بحیثیت وارث جائیداد کا دعویٰ کیا ہو اور مصالحت کی بناء پر کوئی جائیداد اس کو بطور نان و نفقہ دی گئی ہو تو اس کی بد چلنی کی بناء پر وہ ایسی جائیداد سے محروم نہیں کی جاسکتی ہے۔<sup>۲</sup>

## The Hindu Adoption and Maintenance Act Section 18(3)

**Maintenance of Wife - (3)** A Hindu wife shall not be entitled to separate residence and maintenance from her husband if she is unchaste or ceases to be a Hindu by conversion to another religion.

<sup>۱</sup> جھوپنگھ بنام لکشمی، الہ آباد ہائی کورٹ، ج ۲۶ ص ۳۲۱

<sup>۲</sup> سپربانڈی بنام کملاوتی، مدراس ہائی کورٹ، ج ۳۵ ص ۱۴۷

اس سشن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اگر عورت بدچلن ہو جائے یا پھر ہندو مذہب ترک کر دے تو نان و نفقہ ساقط ہو جائے گا۔<sup>۱</sup>

### ذات کی وجہ سے نان و نفقہ سے محروم:-

جب کوئی شخص اپنی بد اعمالی کی وجہ سے ذات سے خارج کیا جائے تو محض ذات سے خارج ہونے کا یہ اثر نہ ہوگا کہ وہ نان و نفقہ کے حق سے محروم کیا جائے۔ اگر بد اعمالی بدچلنی کی حد تک پہنچتی ہے تو صرف بیوہ کے حقوق زائل ہو جاتے ہیں۔<sup>۲</sup>

### بیوہ کو اپنے شوہر کے مکان میں رہنے کا حق:-

بیوہ کو اپنے شوہر کے مکان میں سکونت کا حق حاصل ہے اور اس کے شوہر کا وارث یا ایسا خریدار جس نے وارث سے مکان خریدا ہو بیوہ کو بے دخل نہیں کر سکتا ہے۔ ہاں اگر جب قرضہ جس کی بابت مکان فروخت ہوا ہو بیوہ پر بھی قابل پابندی یعنی جب وہ خاندان کی ضرورت کے لئے لیا گیا ہو یا اس کے متوفی شوہر کا قرضہ ہو تو بیوہ بے دخل کی جاسکتی ہے۔<sup>۳</sup>

### بیوہ بہو اور بھوج کا نان و نفقہ:-

دھرم شاستر کا یہ عام اصول ہے کہ جب کسی شخص پر کوئی اخلاقی ذمہ داری ہو تو جو شخص اس کا وارث ہو اس کے مقابلہ میں وہ اخلاقی ذمہ داری قانونی ذمہ داری ہو جائے گی۔

شاستر کی رو سے باپ کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنی بیوہ بہو کے نان و نفقہ کا کفیل ہوگا۔ جب اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا وارث ہو تو وہ اخلاقی ذمہ داری قانونی ذمہ داری ہو جائے گی اور بیٹے کا یہ قانونی فرض ہوگا کہ وہ اپنی بیوہ بھوج کے نان و نفقہ کا کفیل ہو۔

اور جب کوئی شخص بجانب اشتراک فوت ہو جائے تو ان ارکان پر جو پس ماندگی کے قاعدہ سے جائیداد پاتے ہیں اس بات کہ ذمہ داری ہے کہ وہ متوفی کے بیوہ بیٹی اور بہو کے نان و نفقہ کا کفیل ہو۔  
مدرسہ ہائی کورٹ کی یہ رائے تھی کہ ایسی ذمہ داری قائم کرنے کے لئے موروثی جائیداد کا ہونا لازمی ہے۔ اگر کوئی موروثی جائیداد نہ ہو تو صرف بیوی، والدین اور نابالغ اولاد کے نان و نفقہ کی قانونی ذمہ داری ہے۔ لیکن مدرسہ ہائی کورٹ نے مقدمہ رگمل بنام اتھمل (مدرسہ جلد ۲۲، صفحہ ۳۰۵) فیصلہ دیا ہے کہ جب باپ کو اپنے نانا سے کوئی جائیداد ملی ہو تو گواہی جائیداد قابل تقسیم ہے لیکن اس پر اپنے بیٹے کی بیوہ کے نان و نفقہ کی قانونی ذمہ داری ہے۔

## بیوگان کے حقوق جب کوئی موروثی جائیداد نہ ہو:-

مقدمہ ساوتری ہائی بنام لکشمی ہائی (مبئی، جلد ۲، صفحہ ۵۷۳) فیصلہ دیا ہے کہ جب کسی بیوہ کے شوہر نے کوئی جائیداد نہ چھوڑی ہو تو ایسی بیوہ اپنے متوفی شوہر کے چچا سے نان و نفقہ کی مستحق ہے۔ اس مقدمہ میں یہ رائے ظاہر کی گئی کہ جس حد تک بیوی، والدین اور نابالغ بچے کی پرورش کا تعلق ہے اس حد تک شاستروں میں قطعی حکم ہے کہ بلا لحاظ کسی موروثی جائیداد کے ایسی ذمہ داری قائم ہونی چاہئے لیکن خاندان کی اور عورتوں کی پرورش کے متعلق جو حکم ہے وہ محض اخلاقی ہدایت ہے اور جب کسی شخص کو کوئی موروثی جائیداد نہ پہونچی ہو تو ایسی ذمہ داری عدالت کے حکم سے قائم نہیں کی جاسکتی۔

## داشتہ کا نان و نفقہ:-

داشتہ بھی نان و نفقہ کی مستحق قرار دی گئی ہے لیکن داشتہ سے صرف وہ عورت مراد ہے جو مستقل طور پر کسی شخص کے پاس مثل زوجہ رہتی ہو۔ مگر جب داشتہ کو گھر سے نکال دیا گیا ہو تو وہ نان و نفقہ کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔<sup>۱</sup>

## داشتہ کا بیٹا نان و نفقہ کا مستحق ہے:-

جب تک اولاد نابالغ ہو اس وقت تک باپ پر نان و نفقہ کی قانونی ذمہ داری ہے لیکن بالغ ہونے کے بعد ایسی ذمہ داری باقی نہیں رہتی بجز اس کے کہ باپ کے قبضہ میں موروثی جائیداد ہو۔ شاستروں میں نان و نفقہ کی ذمہ داری داشتہ کے بیٹے کے متعلق بھی قائم کی گئی ہے۔ ایسی ذمہ داری صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے جب داشتہ سے مستقل تعلق ہو اور وہ پیشہ ورنہ ہو۔ دھرم شاستر کی رو سے ایسی ذمہ داری صرف ایسے بیٹے کے متعلق ہے جو ہندو ہو۔ اگر کسی ہندو کے کسی مسلمان یا عیسائی عورت سے کوئی بیٹا ہو تو دھرم شاستر کے احکام کی رو سے اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داری نہ ہوگی لیکن مجموعہ ضابطہ فوجداری کی رو سے ذمہ داری عائد ہو سکے گی۔ ضابطہ فوجداری کی رو سے ولد الحرام کے نان و نفقہ کی جو ذمہ داری ہے وہ باپ کی ذات سے متعلق ہے اور اس کا تعلق باپ کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد سے نہیں ہوتا۔

لیکن مقدمہ انتھنا بنا وشنو (مدراس، جلد ۱، صفحہ ۱۶۰) مدراس ہائی کورٹ نے فیصلہ دیا ہے کہ ولد الحرام کے نان و نفقہ کا بار باپ کی جائیداد پر عائد کیا جاسکتا ہے، اگر داشتہ کے نابالغ بیٹے کے لئے نان و نفقہ مقرر کیا جائے تو وہ اس کے اور داشتہ کے اخراجات کے لئے کام میں لایا جاسکتا ہے۔<sup>۲</sup>

## The Hindu Adoption and Maintenance Act

### Section 20(2)

**Maintenance of Children and Aged Parents** - (2) A legitimate or illegitimate child may claim maintenance from his or her father or mother so long as the child is a minor.

اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ ولد الحرام کو بھی بالغ ہونے تک نان و نفقہ ملے گا۔<sup>۱</sup>

### بیوہ کی سکونت :-

بیوہ کو معمولاً اپنے متوفی شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ سکونت رکھنی چاہئے اگر حالات کے لحاظ سے شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ رہنا مناسب ہو تو وہ اپنے باپ کے گھر رہ سکتی ہے۔ مقدمہ پر تھی سنگھ بنام رانی راج کنور (بنگال لارپورٹ جلد ۱۲، پریوی کونسل صفحہ ۲۳۸) میں کلکتہ ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ بیوہ کے لئے صرف یہ لازمی ہے کہ وہ نامناسب یا اخلاق کے خلاف اغراض کے لئے اپنے شوہر کے مکان سے نہ جائے۔ اگر وہ کسی اور وجہ سے اپنے شوہر کے مکان سے اپنے باپ وغیرہ کے مکان میں چلی جائے تو وہ نان و نفقہ کی مستحق ہوگی بجز اس کے کہ وہ کوئی نامناسب کام کرے یا بد چلنی کا ارتکاب کرے۔<sup>۲</sup>

## The Hindu Adoption and Maintenance Act

### Section 18(2)

**Maintenance of Wife** - (2) A Hindu wife shall be entitled to live separately from her husband without forfeiting her claim to maintenance-

(a) if he is guilty of desertion, that is to say, of abandoning her without reasonable cause and without her consent or against her wish, or of wilfully neglecting her;

(b) if he has treated her with such cruelty as to cause a reasonable apprehension in her mind that it will be harmful or injurious to live with her husband;

(c) if he is suffering from a virulent form of leprosy;

(d) if he has any other wife living;

(e) if he keeps, a concubine in the same house in which his wife is living

<sup>۱</sup> Bare Act Hindu Law 2008, p.39-40, C.L. Publications Allahabad

<sup>۲</sup> پاروتی بائی بنام چھروسباجی، ممبئی ہائی کورٹ، ج ۳۶، ص ۱۳۱



or habitually resides with a concubine elsewhere;

(f) if he has ceased to be a Hindu by conversion to another religion;

(g) if there is any other cause justifying her living separately.

اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ بیوی اپنے شوہر سے الگ مکان میں رہنے کی مانگ کر سکتی ہے۔

(۱) جب شوہر بیوی سے قطع تعلق کر لے

(۲) یا شوہر بیوی پر ظلم و زیادتی کرے

(۳) یا شوہر کو کوڑھ (Virulent Leprosy) کی بیماری ہو جائے

(۴) یا شوہر دوسری شادی کر لے

(۵) جب شوہر کوئی داشتہ رکھ لے

(۶) جب شوہر ہندو مذہب ترک کر دے

(۷) ان چھ شرائط کے علاوہ اگر کورٹ کوئی اہم وجہ مان کر بیوی کو الگ رہنے کی اجازت دے۔<sup>۱</sup>

### بھائی کی اولاد اور بیوہ نان و نفقہ کی مستحق ہے:-

نان و نفقہ کے متعلق جو جائیداد عطاء کی جائے اس میں معطی لہ کو صرف حین حیات حق ہوگا یہ عام طور پر صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ بھائی کی بیوہ اور اولاد کو بھی موروثی راج میں نان و نفقہ کا حق حاصل ہے۔ بھائی کے بیٹے اور بیٹی کی شادی وغیرہ کے اخراجات کی ذمہ داری بھی راج ہی پر ہے۔

### نان و نفقہ کی مقدار:-

نان و نفقہ کی مقدار کا تعین کرنے میں درجہ ذیل امور کا لحاظ کرنا چاہئے:

- (۱) دعویدار کی مناسب ضرورتیں۔ (۲) خاندان کی حالت اور درجہ۔ (۳) خاندان کی جائیداد اور خاندان کے ارکان کی تعداد جو نان و نفقہ کے مستحق ہیں۔ (۴) مقدمہ گوپال سامہ چٹی بنام ارون چیلیم چٹی (مدراس جلد ۲، صفحہ ۳۲) میں مدراس ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ نان و نفقہ کا تعین کرنے میں اس کا بھی لحاظ کرنا ہوگا کہ آیا دعویدار ولد الحرام ہے کیونکہ ایسے شخص کو ان اشخاص کے مقابلہ میں جو محروم الارث ہوگا۔ ان عورتوں کے مقابلہ جو خاندان میں ازدواج کی بناء پر داخل ہوئی ہیں کم مقدار دی جائے گی۔
- (۵) عورت کا نان و نفقہ مقرر کرنے میں اس کے استری دھن کی آمدنی کا بھی لحاظ کہا جائے گا۔ (۶) جب عورت اپنے شوہر کی جائیداد پر کچھ عرصہ تک قابض رہی ہو اور اس جائیداد کی آمدنی کافی ہو تو اس زمانہ کی بابت وہ نان و نفقہ طلب نہیں کر سکتی۔

## نان و نفقہ کا بقایا :-

جب خاندان مشترکہ کے کسی رکن کو ناجائز طور پر نان و نفقہ نہ دے تو ایسا رکن نان و نفقہ کا بقایا پانے کا مستحق ہوگا۔ دعویدار کو یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ناجائز طور پر اس کو نان و نفقہ نہیں دیا گیا ہے۔ محض اس بناء پر کہ فی الواقع نان و نفقہ نہیں ملا ہے کوئی شخص نان و نفقہ کے بقایا کا حق دار نہیں ہو جاتا لیکن ایسا نان و نفقہ نہ دیا جانا اس امر کا بادی النظر ثبوت ہے کہ وہ ناجائز طور پر روک لیا گیا ہے اور بقایا کا دیا جانا عدالت کی صوابدید پر منحصر ہے اور عدالت اس صورت میں بقایا دینے سے انکار کر سکتی ہے جب کوئی عورت بلا وجہ اپنے شوہر کے خاندان سے علیحدہ رہنے لگی ہو اور اس کے بعد بقایا کا مطالبہ کرے۔<sup>۱</sup>

## نان و نفقہ کی رقم میں تبدیلی :-

نان و نفقہ کے متعلق جو رقم مقرر کی گئی ہو وہ خاندان کے حالات تبدیل ہونے پر کم کی جاسکتی ہے بشرط کہ اس شخص نے جس پر نان و نفقہ کی ذمہ داری ہو عموماً حالت کو تبدیل نہ کیا ہو۔ نیز اسی اصول پر خاندان کی آمدنی زیادہ ہونے کی صورت میں نان و نفقہ کی رقم میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔<sup>۲</sup>

## جب جائداد ہبہ کی جائے :-

ورہسپتی نے اپنی اسمرتی باب ۱۵ فقرہ ۲-۷ میں بیان کیا ہے کہ حسب ذیل آٹھ اقسام کی جائداد ہبہ نہیں کی جاسکتی:

(۱) جائداد مشترکہ۔ (۲) بیٹا کا مال۔ (۳) بیوی کا مال۔ (۴) جو مال اس کے پاس گروی ہو۔ (۵) اپنی سالم جائداد جیسے مکان (۶) جو مال اس کے پاس امانتاً ہو۔ (۷) جوشی مستعار لی گئی ہو (۸) جوشی کسی کو دینے کا وعدہ کیا جا چکا ہو۔ ممبئی ہائی کورٹ نے مقدمہ زید ابائی بنام مہادیو نرائن (ممبئی جلد ۵، صفحہ ۹۹) میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ کوئی مرد اپنی مکتوبہ جائداد وغیرہ منقولہ اس طرح ہبہ نہیں کر سکتا کہ اس کی بیوی کے اخراجات کے لئے کچھ باقی نہ رہے۔ اور کلکتہ ہائی کورٹ نے مقدمہ دندرکار رائے چودھری بنام ہرچندرکار رائے چودھری (کلکتہ جلد ۱، صفحہ ۸۸۶) میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ دائی بھاگ کی رو سے ہر شخص اپنی جائداد بذریعہ وصیت اس طرح منتقل کر سکتا ہے کہ اس کی بیوی تقسیم کے وقت حصہ پانے کی مستحق نہ رہے لیکن اس مقدمہ میں فریقین اس بات پر متفق تھے کہ بیوی نان و نفقہ پانے کی مستحق ہے۔ جملہ ہائی کورٹ اس بات پر متفق ہیں کہ شوہر کے کسی فعل سے بیوی کے نان و نفقہ کے حق پر اثر نہیں پڑ سکتا ہے۔<sup>۳</sup>

<sup>۲</sup> سری رام بنام پدہ مودگی، ویلکی رپورٹر، ج ۹، ص ۱۵۲

<sup>۱</sup> ارگھیس کنور بنام بکھونت، الہ آباد ہائی کورٹ، ج ۲۱، ص ۱۸۳

<sup>۳</sup> جمنابام اچل، الہ آباد ہائی کورٹ، ج ۲، ص ۳۱۵

اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر کوئی اپنی کل جائیداد بلا بدلہ بے کرے یا اس غرض سے ہبہ کرے کہ وہ ان اشخاص کو محروم کرے جو نان و نفقہ پانے کے مستحق ہیں تو اس جائیداد پر موہوب کو پہونچنے سے نان و نفقہ کی ذمہ داری ہوگی۔ (قانون جائیداد انتقال ایکٹ ۱۸۸۲ء، دفعہ ۳۹)

### وصیت :-

جب کوئی شخص اپنی موروثی جائیداد بذریعہ وصیت منتقل کرے تو جو اصول ہبہ کے متعلق بیان کیا گیا ہے وہی اس جائیداد سے بھی متعلق ہوگا جو بذریعہ وصیت منتقل کی گئی ہو لیکن اگر کوئی شخص اپنی مکسوبہ جائیداد بذریعہ وصیت منتقل کرے تو موصی لہ پر موصی کی بیوہ کے نان و نفقہ کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ مگر مدد اس ہائی کورٹ نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے اور فیصلہ دیا ہے کہ ایسی صورت میں بھی نان و نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوگی۔<sup>۱</sup>

### جائیداد بیچ ہونے کی صورت میں نان و نفقہ کی ذمہ داری :-

جب جائیداد فروخت کی جائے تو مشتری پر نان و نفقہ کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔ اگر مشتری کو نان و نفقہ کی ذمہ داری کی اطلاع بھی ہو تو بھی جب اس نے نیک نیتی سے مناسب قیمت دے کر جائیداد خریدی ہو اس پر نان و نفقہ کی ذمہ داری عائد نہیں ہو سکتی ہے۔

### انتقل الیہ پر ذمہ داری نہ ہوگی :-

جس شخص پر نان و نفقہ کی ذمہ دار ہو جب تک اس کے قبضہ میں ایسی جائیداد موجود ہے جس سے نان و نفقہ کا انتظام ہو سکتا ہو اس وقت تک اس جائیداد پر ذمہ داری عائد نہ کی جاسکے گی جو منتقل کی جا چکی ہو بجز اس کے کہ اس جائیداد پر نان و نفقہ کی کفالت ہو۔ جب کسی عورت کو کم جائیداد کی تقسیم کی صورت میں نان و نفقہ کے بجائے حصہ پانے کا حق ہو تو وہ اس صورت میں حصہ پانے کی مستحق نہ ہوگی جب کل جائیداد کی نہیں بلکہ جائیداد کے صرف ایک حصہ کی تقسیم کی جائے۔<sup>۲</sup>

### زوجہ کا نان و نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر :-

شوہر پر اپنی زوجہ کا نان و نفقہ کی ذمہ داری ہے۔ جب تک شوہر زندہ ہے اس وقت تک یہ ذمہ داری صرف اس پر ہے۔ جب شوہر اپنی زوجہ کو چھوڑ کر چلا جائے اور کئی سال تک اس کی خبر نہ ملے تو جن اشخاص کے قبضہ میں شوہر کی جائیداد ہے ان پر نان و نفقہ کی ذمہ داری عائد کی جاسکتی ہے۔<sup>۳</sup>

<sup>۱</sup> ہری دیوی بنام دیوکاشی دیوی، کلکتہ، ج ۲۰، ص ۶۸۲

<sup>۲</sup> انگل مل بنام اچھمل، مدد اس ہائی کورٹ، ج ۲۲، ص ۳۰۵

<sup>۳</sup> رام بانی بنام گیش، ممبئی ہائی کورٹ، ج ۹، ص ۲۸۳

### نان و نفقہ کی ذمہ داری، جب شوہر سے علیحدہ رہتی ہو:-

اگر زوجہ اپنے شوہر سے ایسے حالات میں علیحدہ رہتی ہو کہ شوہر اس کے مقابلہ میں حقوق ازدواج نافذ کرانے کا مجاز نہ ہو تو زوجہ کے نان و نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر عائد کی جائے گی، بشرط کہ زوجہ کسی ناجائز غرض سے علیحدہ نہ رہتی ہو۔

جب زوجہ بغیر جائز وجہ کے شوہر سے علیحدہ رہے تو وہ نان و نفقہ کی مستحق نہ ہوگی لیکن اگر اس طرح علیحدہ رہنے میں اس کی کوئی ناجائز غرض نہ ہو تو جب وہ شوہر کے پاس واپس آجائے اس وقت وہ نان و نفقہ کی مستحق ہو جائے گی۔ اگر شوہر زوجہ کے علیحدہ نان و نفقہ کے متعلق ایسے حالات میں قرار داد کرے جب وہ علیحدہ نان و نفقہ کا مطالبہ نہ کر سکتی ہو تو ایسی قرار داد کا عدم ہوگی کیونکہ وہ بلا بدل ہے۔

جب شوہر نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا ہو تو زوجہ اس سے علیحدہ رہ سکتی ہے اور علیحدہ نان و نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ ایسے مطالبہ کے متعلق شوہر کی جائداد پر کفالت قائم کی جاسکتی ہے۔ جب شوہر نے کسی غیر مذہب کی عورت کو بطور داشتہ رکھ لیا ہو اور زوجہ اپنے مذہبی خیالات کی وجہ سے علیحدہ رہنے پر مجبور ہوتی ہو تو وہ نان و نفقہ پا سکتی ہے۔<sup>۱</sup>

### بدچلن زوجہ نان و نفقہ کی مستحق نہیں:-

اگر زوجہ بدچلن ہو تو وہ نان و نفقہ کی مستحق نہیں ہے۔ اگر زوجہ نے شوہر کے مقابلہ میں نان و نفقہ کے متعلق ذکر حاصل کر ہو تو ایسی ذکر بدچلنی مابعد کی بناء پر منسوخ کی جاسکتی ہے۔<sup>۲</sup>

## تبنیت (Adoption)

### متبنی بیٹے کی اہمیت :-

دھرم شاستر میں مختلف قسم کے بیٹوں کے ضمن میں متبنی بیٹے کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن ابتدائی زمانہ میں متبنی بیٹے کو وہ اہمیت حاصل نہ تھی جو اس زمانہ میں ہو گئی ہے۔ دھرم شاستر کی رو سے ”پُتر“ یعنی بیٹے کی ضرورت مندرجہ ذیل دو اصول پر مبنی کی گئی تھی:

(۱) بقائے نسل و نام (۲) روحانی فائدہ۔ جب شاستروں میں ازدواج کے پاک رشتہ کے متعلق صحیح خیالات قائم ہو گئے تو مختلف قسم کے بیٹے جو ابتدائی حالت میں تسلیم کئے گئے انکا رواج ترک ہو گیا اور ان کے ترک ہو جانے سے دیک طریقہ کی تبنیت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی، شاستروں میں دیک طریقہ کی تبنیت کے متعلق مذکورہ ذیل قیود قائم کی گئی ہیں:

(۱) متبنی بیٹا اور لیش (سگا) بیٹے کے مشابہ ہو (۲) متبنی بیٹے کی ماں سے متبنی بنانے والا باپ اس کے ازدواج کے قبل ازدواج کر سکتا ہو (۳) متبنی بیٹا، متبنی بنانے والے کی ذات کا ہو۔<sup>۱</sup> (۴) اس کی عمر اس قدر کم ہو کہ اس کی کل مذہبی رسوم متبنی بنانے والے کے خاندان پاسکتے ہوں۔ (۵) متبنی بیٹے کے تعلقات اس کے اصلی خاندان سے کلیتاً منقطع ہو جائیں اور وہ متبنی بنانے والے کے خاندان کا قطعی طور پر رکن ہو جائے حتیٰ کہ وہ متبنی بنانے والے کے خاندان میں اسی طرح ازدواج نہ کر سکے جس طرح اور لیش بیٹا نہیں کر سکتا ہے۔<sup>۲</sup> (۶) متبنی بیٹا متبنی بنانے والے کے خاندان میں محبت اور خوشی سے داخل ہونہ کہ کسی لالچ سے۔<sup>۳</sup> مذکورہ بالا قیود شاستروں سے متعلق نہیں ہیں کیونکہ وہ بہن یا بیٹی کے بیٹے کو متبنی بنا سکتے ہیں اور ان میں عمر کی بھی قید نہیں ہے حتیٰ کہ ایسا شخص بھی متبنی بنایا جاسکتا ہے جس کا ازدواج ہو چکا ہو۔ بعض فرقوں میں رواج کی بناء پر مذکورہ بالا قیود غیر متعلق قرار دی گئی ہیں جین مذہب کے اشخاص سے یہی دھرم شاستر کے احکام متعلق ہیں بجز اس کے کہ کوئی رواج اس کے خلاف ثابت کیا جائے۔<sup>۴</sup>

### کون متبنی لے سکتا ہے؟

صرف وہ شخص متبنی لے سکتا ہے جس کے متبنی لینے کے وقت کوئی بیٹا یا پوتا یا پڑپوتا نہ ہو۔ ان رشتہ داروں کی موجودگی میں تبنیت وقع میں آئے تو وہ کالعدم ہوگی، شوہر خود متبنی لے سکتا ہے یا اس کی اجازت سے

۱۔ منوباب ۹، فقرہ ۱۶۸ ۲۔ دھرم شاستر مولفہ پنچاتھ، ص ۶۶، حیدرآباد دکن ۳۔ منوباب ۹، فقرہ ۱۶۸

۴۔ منوباب ۹، فقرہ ۱۶۸، مہی ہائی کورٹ جلد ۲۲، ص ۴۱۶

اس کی زوجہ متبنیٰ لے سکتی ہے۔ جس شخص نے اپنے اکلوتے بیٹے کو تنیت میں دے دیا ہو وہ متبنیٰ لے سکتا ہے اور پڑپوتے کے بیٹے یا بیٹی کے بیٹے کا موجود ہونا تنیت کا مانع نہیں ہے نیز ایک بیٹے متبنیٰ کی موجودگی میں دوسرا بیٹا متبنیٰ نہیں لیا جاسکتا، اور اگر دو لڑکے کے ایک ساتھ متبنیٰ لئے جاتیں تو دونوں کی تنیت کا عدم ہوگی۔

**جس کی زوجہ مرگئی یا جس کی شادی نہ ہوئی ہو متبنیٰ لے سکتا ہے :-**

ایسا شخص متبنیٰ لے سکتا ہے جس کا ازدواج نہ ہوا ہو یا جس کی زوجہ تنیت کے قبل فوت ہو چکی ہو۔

**خاندان مشترکہ کے ارکان اور بیوگان متبنیٰ لے سکتی ہیں :-**

جب تک خاندان اشتراک کی حالت میں رہے اس وقت تک ارکان خاندان مشترکہ یا ان کی بیوگان اگر متبنیٰ لینے کی مجاز ہوں تو متبنیٰ لے سکتی ہیں۔ جب خاندان مشترکہ میں صرف ایک رکن باقی رہ گیا ہو اور اس کے فوت ہونے پر اس کی بیوہ وارث ہو جائے تو دیگر ارکان کی بیوگان کو متبنیٰ لینے کا حق حاصل نہ ہوگا۔<sup>۱</sup>

**ذاتی ناقابلیت کی وجہ سے محروم الارث شخص کب متبنیٰ لے سکتا ہے؟**

دکشی برہمنوں میں رواج ہے کہ تنیت کے وقت بیوہ سر کے بال منڈواتی ہے اگر کسی بیوہ نے اس رسم کو انجام نہ دیا ہو اور وہ کسی لڑکے کو متبنیٰ لے تو ایسی تنیت جائز ہوگی کیونکہ سر منڈانے کی رسم تنیت کی رسم کا جزو نہیں ہے۔ نیز شودر جذامی ہو تو متبنیٰ لے سکتا ہے کیونکہ اس پر کسی مذہبی رسم کا انجام دینا لازمی نہیں ہے۔ اگر کوئی برہمن مسلمان ہو جائے تو وہ اپنے بیٹے کو متبنیٰ نہیں دے سکتا، نہ خود دے سکتا ہے اور نہ کسی رشتہ دار کے ذریعہ دلا سکتا ہے، کیونکہ برہمنوں میں دیک ہونا لازمی ہے اور برہمن مسلمان ہو گیا ہے وہ دیک ہم نہیں کر سکتا ہے۔<sup>۲</sup>

## **The Hindu Adoption and Maintenance Act 1956**

### **Section No.11 (6)**

(vi) the child to be adopted must be actually given and taken in adoption by the parents or guardian concerned or under their authority with intent to transfer the child from the family of its birth [or in the case of an abandoned child or a child whose parentage is not known, from the place or family, where it has been brought up] to the family of its adoption:

Provided that the performance of datta homam shall not be essential to

the validity of adoption.

Section No.11 (6) میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ متبنی بنانا حقیقت میں ہونا چاہئے خیالی نہیں، اور تک ہم لازم نہیں ہے۔<sup>۱</sup>

## نابالغ متبنی لے سکتا ہے

تبنیت کی اغراض کے لئے اس امر کا تصفیہ کہ آیا کوئی شخص بالغ ہے یا نہیں دھرم شاستر کے احکام کے لحاظ سے کیا جائے گا۔ دھرم شاستر میں سن بلوغ اور سن شعور مترادف الفاظ ہیں اور سولہویں سال میں ہر شخص سن بلوغ کو پہنچ جاتا ہے، اگر کسی شخص کی عمر پندرہ سال نہ ہوئی ہو اور وہ متبنی لے یا لینے کی اجازت دے تو ایسا فعل اس صورت میں جائز ہوگا جب شخص اس فعل کی ماہیت اور نتائج کو سمجھ سکتا ہو، نیز اگر کسی کی جائداد Court of Wards کی نگرانی میں ہو تو وہ Court of Wards کی اجازت کے بغیر متبنی نہیں لے سکتا ہے۔<sup>۲</sup>

## عورت کب متبنی لے سکتی ہے؟

وسٹ کا قول ہے کہ کسی عورت کو بغیر اپنے شوہر کی رضامندی کے کسی لڑکے کو متبنی لینا یا دینا نہ چاہئے۔ وسٹ باب ۱۵، فقرہ ۱-۸، میں اس امر کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کہ جب تک کسی عورت کا شوہر زندہ ہو اس وقت تک وہ بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے متبنی نہیں لے سکتی ہے۔ شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بغیر اپنی زوجہ کی رضامندی کے یا اس کے مخالفت کی صورت میں بھی متبنی لے۔ اگر زوجہ شوہر کی زندگی میں بغیر شوہر کی اجازت کے متبنی لے تو ایسی تبنیت کا عدم ہوگی۔

## The Hindu Adoption and Manitenance Act 1956

### Section No.8

8. Capacity of a female Hindu to take in adoption - Any female Hindu -

- (a) who is of sound mind,
  - (b) who is not a minor, and
  - (c) who is not married, or if married whose marriage has been dissolved or whose husband is dead or has completely and finally renounced the world or has ceased to be a Hindu or has been declared by a court of competent jurisdiction to be of unsound mind,
- has the capacity to take a son or daughter in adoption.

عورت اس وقت متبہ بنا سکتی ہے جب عورت، (الف) پاگل نہ ہو، (ب) بالغہ ہو، (ج) شادی شدہ نہ ہو، اگر شادی ہو چکی تھی تو طلاق ہو چکا ہو یا شوہر مر چکا ہو ایسی صورت میں وہ متبہ بنا سکتی ہے۔<sup>۱</sup>

### بیوہ کے اختیاراتِ تنیت :-

اس امر کے متعلق کہ آیا بیوہ اپنے شوہر کے لئے متبہی کے سکتا ہے یا نہیں وسٹھ قول کی مختلف مکاتب میں مختلف طریقہ سے تعبیر کی گئی ہے۔

(۱) مکتب مکتب :- مکتب متھلا میں یہ تعبیر کی گئی ہے کہ شوہر کی رضا مندی تنیت کے وقت ہونی چاہئے اس لئے اس مکتب کی رو سے بیوہ دیمک طریقہ پر متبہی نہیں لے سکتی۔

(۲) مکتب بنگال :- مکتب بنگال کی رو سے یہ ضروری ہے کہ شوہر نے اپنی زندگی میں زوجہ کو بالصراحت متبہی لینے کی اجازت دی ہو۔ اجازت کی بناء پر بیوہ متبہی لے سکتی ہے۔

(۳) مکتب مہاراشٹر :- دوہارمیوہ میں وسٹھ کا قول صرف اس وقت تک قابل پابندی قرار دیا گیا ہے جب تک شوہر زندہ ہو اس کے انتقال کے بعد بیوہ اپنے متبہی شوہر کو روحانی فائدہ پہونچانے کے لئے ہر قسم کا کام کر سکتی ہے اور چونکہ تنیت ایسا فعل ہے اس لئے بیوہ بطور خود بغیر کسی کی اجازت کے اپنے شوہر کے لئے متبہی لے سکتی ہے، لیکن ممالک محروسہ سرکار عالی میں جن اشخاص سے دوہارمیوہ متعلق ہے۔ وہاں بیوہ بطور بلا اجازت متوفا شوہر سے متبہی لے سکتی ہے۔ مگر جن اشخاص سے متاکشرا متعلق ہے وہاں بیوہ بلا اجازت سپنڈوں کے متبہی نہیں لے سکتی۔<sup>۲</sup>

(۴) مکتب ڈریوڈ :- مکتب ڈریوڈ کی رو سے شوہر کے سپنڈوں کی اجازت سے بیوہ متبہی لے سکتی ہے۔

(۵) مکتب بنارس :- مکتب بنارس کی رو سے شوہر کی اجازت کی اسی طرح ضرورت ہے جیسے مکتب بنگال میں لیکن مکتب بنارس میں سپنڈوں کی اجازت کافی قرار دی گئی ہے۔<sup>۳</sup>

### متبہی لینے کی اجازت کی نوعیت :-

متبہی لینے کی اجازت کا کسی خاص نمونہ کے موافق ہونا ضروری نہیں ہے ایسی اجازت تحریری ہو سکتی ہے یا زبانی۔ ایسی اجازت مشروط ہو سکتی ہے یعنی اس میں یہ ہدایت ہو سکتی ہے کہ کسی خاص واقعہ کے وقوع پر تنیت عمل میں آئے ایسی صورت میں اس شرط کے وقوع پر تنیت عمل میں آ سکے گی۔ صرف ایسی شرط جائز ہے جس کے وقوع میں آنے کی صورت میں خود اجازت دہندہ متبہی لینے کا مجاز ہوتا۔



## اجازت کے الفاظ پر سختی کے ساتھ عمل ہوگا:-

اجازت جن الفاظ میں دی ہو ان کی تعمیل سختی کے ساتھ کی جائے گی اور ان میں کوئی تبدیل یا توسیع نہیں کی جاسکتی۔ اگر اجازت کے موافق عمل کرنے کا یہ نتیجہ ہو کہ ناجائز تنہیت وقع میں آئے۔

## اجازت کی بناء پر بیوہ کا متبنی لینا:-

اگر کوئی شخص ایک لڑکا اور بیوہ چھوڑ کر فوت ہو اور وہ بیوہ کو اجازت دے کہ لڑکے کے لاولد فوت ہو جانے کی صورت میں وہ دوسرا لڑکا متبنی لے سکے گی تو ایسی اجازت کی بناء پر صرف اس صورت میں عمل ہو سکے گا جب اس لڑکے کی وارث وہ بیوہ خود ہو اگر لڑکے کی شادی ہو جائے اور وہ اپنی بیوہ چھوڑ کر لاولد فوت ہو تو لڑکے کی بیوہ وارث ہوگی اس لئے اس اجازت کی بناء پر تنہیت عمل میں نہیں آسکتی۔ اور مہاراشٹر مکتب کی رو سے بیوہ بغیر اجازت کے متبنی لے سکتی ہے لیکن جب وہ اپنے سوائے کسی اور وارث کو محروم کرے تو تنہیت کا عدم ہوگی۔<sup>۱</sup>

## The Hindu Adoption and Manitenance Act 1956

### Section No.8 (C)

(c) who is not married, or if married whose marriage has been dissolved or whose husband is dead or has completely and finally renounced the world or has ceased to be a Hindu or has been declared by a court of competent jurisdiction to be of unsound mind, has the capacity to take a son or daughter in adoption.

اس سٹکشن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جس کا شوہر مر چکا ہو وہ متبنی بنا سکتی ہے لہذا پرانے قانون کے قیود ختم ہو جائیں گے اور بیوہ کو متبنی بنانے کا حق حاصل ہو جائے گا۔<sup>۲</sup>

## بیوہ نابالغہ متبنی لے سکتی ہے:-

اگر کسی بیوہ نابالغہ کو اس کے شوہر ہونے متبنی لینے کی اجازت دی ہو تو متبنی بنا سکتی ہے۔ تنہیت کا فعل اس کے شوہر کا ہے اس لئے بیوہ کی نابالغی کی وجہ سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، اور جن مقامات میں بیوہ اپنے شوہر کے سپنڈوں کی اجازت سے متبنی لے سکتی ہے، وہاں بھی بیوہ کی نابالغی تنہیت کے مانع نہ ہوگی، مہاراشٹر مکتب کی رو سے جس کے لحاظ سے تنہیت کا فعل خود بیوہ کا ہے، اس کی نابالغی مانع تنہیت ہوگی۔<sup>۳</sup>

<sup>۱</sup> راجی بنام گرمن، بمبئی، ج ۶، ص ۴۹۸، ۲ Bare Act Hindu Law 2008, p.35, C.L. Publication Allahabad

<sup>۲</sup> دھرم شاستر مولفہ بیچنا تھ، ص ۷۶، حیدر آباد دکن

## بدچلن عورت تہنیت کے رسوم انجام نہیں دے سکتی :-

بدچلن بیوہ تہنیت کے رسوم انجام نہیں دے سکتی۔ بعض صورتوں میں بدچلنی کے بعد پراچٹ کرنے سے ناقابلیت رفع ہو جاتی ہے لیکن اگر بیوہ حاملہ ہو جائے تو وضع حمل تک پراچٹ کے بعد بھی اس کو تہنیت کے رسوم انجام دینے کا حق نہ ہوگا۔<sup>۱</sup>

## ایک سے زیادہ بیوگان کی صورت میں تہنیت :-

جب ایک سے زیادہ بیوگان ہوں اور شوہران میں سے کسی ایک کو متہنی لینے کی اجازت دے تو صرف، وہی متہنی لے سکے گی۔ اور ان کو دوسری بیوگان سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہوگی اگر پھر بیوہ کو علیحدہ علیحدہ اجازت دی گئی ہو تو چھوٹی بیوہ اس صورت میں متہنی لے سکتی ہے جب بڑی بیوہ متہنی لینے سے انکار کر دے مہاراشٹر مکتب کی رو سے ایک سے زیادہ بیوگان ہونے کے صورت میں بڑی بیوہ بغیر چھوٹی بیوہ کی اجازت کے متہنی لے سکتی ہے لیکن چھوٹی بیوہ بغیر بڑی بیوہ کی اجازت کے متہنی نہیں لے سکتی بجز اس صورت کے جب بڑی بیوہ بدچلن ہو۔ بدچلنی کی صورت میں بیوہ متہنی لینے کی ناقابل ہو جاتی ہے۔<sup>۲</sup>

## مرد صرف زوجہ کو متہنی کی اجازت دے :-

مرد صرف اپنی زوجہ کو متہنی لینے کا اختیار دے سکتا ہے اس کام کے لئے زوجہ کے ساتھ وہ کسی دوسرے شخص یعنی وصی وغیرہ کو شریک بھی نہیں کر سکتا ہے، لیکن جب بیوہ شوہر کی اجازت نہ ہونے کی صورت میں سپنڈوں کی اجازت سے متہنی لے سکتی ہے تو اس کو سپنڈوں کی اجازت حاصل کرنے چاہئے لیکن تہنیت کا فعل بیوہ تنہا انجام دے گی۔ جب بیوہ کو کسی اجازت کی ضرورت نہ ہو تو وہ بطور خود متہنی لے سکتی ہے، نیز شوہر کی صریح اجازت یا ہدایت کی صورت میں بھی بیوہ کو اختیار ہے کہ متہنی لے یا نہ لے۔ اگر بیوہ ناجائز دباؤ سے متہنی لے تو ایسی تہنیت بمقدّمہ رنگا نکلا بنام الوریٹی (مدرس جلد ۱۳، صفحہ ۲۱۴) کا عدم قرار دی گئی ہے۔ لیکن مدراس ہائی کورٹ نے بمقدّمہ وکٹ نرسم بنام رنکلیا (مدرس جلد ۲۹، صفحہ ۴۳۷) فیصد دیا ہے ایسی تہنیت بطور کامل عدم نہیں ہے قابل انفساخ ہے۔ اگر بیوہ اس کے متعلق منظوری بعد میں ظاہر کرے تو وہ تہنیت جائز ہوگی۔<sup>۳</sup>

## مکتب مدراس کے مطابق شوہر کے عدم انکار سے سپنڈوں کی اجازت سے تہنیت :

شوہر کی اجازت سے بیوہ سوائے متہلا کے ہر مقام پر متہنی لے سکتی ہے، لیکن مدراس اس میں یہ قرار دیا ہے کہ اگر شوہر نے ممانعت نہ کی ہو تو شوہر کے سپنڈوں کی اجازت سے بیوہ متہنی لے سکتی ہے۔

<sup>۱</sup> رکھم بانی بنام رادھا بانی، بمبئی ہائی کورٹ رپورٹ، ج ۵، ص ۱۸۱

<sup>۲</sup> شیام لعل بنام سودامنی، بنگال لارپورٹ، ج ۵، ص ۳۶۲

<sup>۳</sup> دھرم شاستر مولفہ بیچنا تھ، ص ۷۹، حیدرآباد دکن

## جین مذہب کی بیوہ کے اختیارات :-

جین فرقہ کے رواج کی رو سے بیوہ کو وہی اختیارات حاصل ہیں جو اس کے شوہر کو اپنی زندگی میں حاصل تھے، بیوہ بغیر اپنے شوہر یا کسی اور شخص کی اجازت کے متبنیٰ لے سکتی ہے۔<sup>۱</sup>

### بچہ کو تنیت میں کون دے سکتا ہے؟

دیکھ طریقہ سے تنیت کے رسم بالعموم کم سنی میں انجام دی جاتی ہے اور اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ لڑکے کے تعلقات اپنے اصل خاندان سے منقطع ہو جاتے ہیں اس لئے تنیت میں دینے کا حق -

(۱) لڑکے کے باپ کو حاصل ہے۔ یہ حق بغیر اپنی زوجہ کی رضامندی کے بھی استعمال کر سکتا ہے۔

(۲) لڑکے کی ماں کو حاصل ہے جب اس کا شوہر رضامندی ظاہر کرنے کے قابل ہو تو وہ بغیر اس کی رضامندی کے اس حق کو استعمال نہیں کر سکتی ہے جب شوہر کا انتقال ہو جائے یا وہ مستقل طور پر غیر حاضر ہو یا تارک دنیا ہو جائے یا مجنون ہو جائے تو لڑکے کی ماں اس کو خود تنیت میں دے سکتی ہے۔<sup>۲</sup>

لڑکے کی ماں اس صورت میں تنیت میں دے سکے گی جب اس کے شوہر نے تنیت میں دینے جانے کی ممانعت نہ کی ہو، اور بیوہ اپنے اکلوتے بیٹے کو تنیت میں دے سکتی ہے۔ ماں اور باپ کے سوائے کوئی اور رشتہ دار کسی لڑکے کو تنیت میں نہیں دے سکتا ہے، جیسے دادا اپنے پوتے کو اور بھائی اپنے بھائی کو تنیت میں نہیں دے سکتے۔

ماں باپ اپنے اختیارات کسی اور شخص کو اس طرح تفویض نہیں کر سکتے ہیں کہ ان کے فوت ہونے کے بعد لڑکا تنیت میں دیا جاسکے۔ تنیت کے وقت ماں باپ کی اجازت ضروری ہے اور جب کسی ہندو بیوہ نے مکر ازدواج کر لیا ہو تو اپنے پہلے شوہر کے بیٹے کو تنیت میں نہیں دے سکتی بجز اس کے کہ اس کے متوفی شوہر نے اس کو بالصراحت اجازت دی ہو صریح اجازت کی صورت میں باوجود مکر ازدواج کے وہ تنیت میں دے سکے گی۔

## The Hindu Adoption and Manitenance Act 1956

### Section No.9 (1)

**Persons capable of giving in adoption - (1)** No person except the father or mother or the guardian of a child shall have the capacity to give the child in adoption.

اس سکن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ کون کون بچہ کو تنیت میں دے سکتا ہے مندرجہ ذیل اشخاص یکے بعد دیگرے تنیت میں دے سکتے ہیں:

(۱) باپ (۲) ماں (۳) ولی۔<sup>۳</sup>

<sup>۲</sup> جو گیش چندر بنام نریتا کلی، کلکتہ، ج ۳۰، ص ۹۶۵

<sup>۱</sup> شوٹھ بنام واکھو، الہ آباد، ج ۱، ص ۶۸۸

## **The Hindu Adoption and Manitenance Act 1956**

### **Section No.9 (2)**

(2) Subject to the provisions of [sub-section (3) and sub-section (4)] the father, if alive, shall alone have the right to give in adoption, but such right shall not be exercised save with the consent of the mother unless the mother has completely and finally renounced the world or has ceased to be a Hindu or has been declared by a court of competent jurisdiction to be of unsound mind.

Section 9 (2) میں اس بات کی وضاحت ہے کہ باپ دے سکتا ہے ماں کی رضامندی لازمی

ہے بشرط کہ:

(۱) ماں پاگل نہ ہو۔ (۲) تارک الدنیا نہ ہو۔ (۳) ہندو مذہب ترک نہ کر دیا ہو، اگر یہ سب خامیاں ہوں تو باپ بچہ کی ماں کی اجازت ضروری نہیں ہوگی۔<sup>۱</sup>

### **Section No. 9 (3)**

(3) The mother may give the child in adoption if the father is dead or has completely and finally renounced the world or has ceased to be a Hindu or has been declared by a court of competent jurisdiction to be of unsound mind.

Section 9 (3) میں اس بات کی وضاحت ہے کہ ماں بچہ کو تبینیت میں اس صورت میں دے سکتی ہے:

(۱) اگر باپ پاگل ہو گیا ہو۔ (۲) تارک الدنیا ہو گیا ہو۔ (۳) یا ہندو مذہب ترک کر دیا ہو، اگر یہ خامیاں نہ ہوں تو باپ ہی دے سکتا ہے۔<sup>۲</sup>

### **Section No. 9 (4)**

(4) Where both the father and mother are dead or have completely and finally renounced the world or have abandoned the child or have been declared by a court of competent jurisdiction to be of unsound mind or where the parentage of the child is not known, the guardian of the child may give the child in adoption with the previous permission of the court to any person including the guardian himself.

<sup>۱</sup> Bare Act Hindu Law 2008, p.36, C.L. Publication Allahabad

<sup>۲</sup> Bare Act Hindu Law 2008, p.36, C.L. Publication Allahabad

Section 9 (4) میں اس بات کی وضاحت ہے کہ ولی بچہ کو کسی کورٹ کے حکم سے تنہا نہیں دے

سکتا ہے بشرط کہ:

(۱) بچہ کے والدین مرچکے ہوں۔ (۲) والدین تارک الدنیا ہو گئے ہوں۔ (۳) والدین بچے کے لینے سے انکار کر دیا ہو۔ (۴) یا کسی بھی عدالت کے ذریعے سے والدین پاگل قرار دئے گئے ہوں۔ (۵) والدین لاپتہ ہوں۔<sup>۱</sup>

### متبنی کون ہو سکتا ہے؟ :-

دیکھ مہمانا۔ دیکھ چندریکا۔ متاکشرا اور وہا رمیو کھ میں یہ حکم درج ہے کہ جہاں تک ممکن ہو قریب ترین سپنڈ کو متبنی لینا چاہئے۔ لیکن فیصلہ جات میں یہ قرار پا چکا ہے کہ یہ محض اخلاقی ہدایت ہے اور اگر سپنڈ کی موجودگی میں غیر شخص متبنی لیا جائے تو ایسی تنہا جائز ہوگی۔<sup>۲</sup>

### ایسا لڑکا متبنی نہیں لیا جاسکتا :-

فیصلہ جات میں یہ قرار پا چکا ہے کہ اعلیٰ تین قوموں میں ایسا لڑکا متبنی نہیں لیا جاسکتا ہے جس کی ماں سے اس کے ازدواج سے قبل متبنی بنانے والا ازدواج کر سکتا ہو۔ اس اصول کے لحاظ سے بیٹی کا بیٹا، بہن کا بیٹا متبنی نہیں لیا جاسکتا اور اس اصول پر بھائی، سوتیلے بھائی چچا اور ماموں کی تنہا کا عدم ہے، لیکن چچا کے بیٹے کی تنہا رواج کی بناء پر جائز قرار دی گئی ہے، مہمبی ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہ اصول کہ ایسا لڑکا متبنی نہیں لیا جاسکتا ہے جس کی ماں سے متبنی بنانے والے کا بطور جائز ازدواج نہ ہو سکتا ہو صرف بیٹی کے بیٹے، بہن کے بیٹے اور ماں کی بہن کے بیٹے کے متعلق ہے اور شودروں میں ان کی بھی تنہا جائز ہے۔

مدرس اور مہمبی میں مندرجہ ذیل رشتہ داروں کی تنہا اعلیٰ تین ذاتوں میں جائز ہے:

(۱) بیوی کا بھائی (۲) بیوی کے بھائی کا بیٹا (۳) بیوی کی بہن کا بیٹا (۴) ماموں کی بیٹی کا بیٹا۔<sup>۳</sup>

### رواج بھی عمر کی قید کے خلاف :-

پنجاب میں از روئے رواج اس امر کی کوئی قید نہیں ہے کہ متبنی بیٹے کی عمر زیادہ سے زیادہ کیا ہونی چاہئے، جین مذہب کے اشخاص میں تنہا مذہبی رسم نہیں ہے بلکہ معاہدہ ہے اس لئے ہر عمر کا شخص متبنی لیا جاسکتا ہے۔ مہمبی میں بھی رواج کی بناء پر عمر کی کوئی قید نہیں ہے لیکن متبنی باپ کی عمر بیٹے سے زیادہ ہونی چاہئے۔ لیکن اگر بیوہ متبنی لے تو یہ قید متعلق نہیں ہے اور متبنی بیٹے کی عمر اس سے زیادہ ہو سکتی ہے۔

مہمبی میں رواج کی بناء پر ایسا برہمن بھی متبنی لیا جاسکتا ہے جس کا ازدواج ہو چکا ہو، جب ایسا شخص

متبنی لیا جائے جس کا ازدواج ہو چکا ہو تو اس کی اولاد اصل خاندان میں رہتی ہے صرف اس کا گوت تبدیل ہو جاتا ہے لیکن اس کی زوجہ اس کے ساتھ متبنی خاندان کی رکن ہو جاتی ہے۔<sup>۱</sup>

## The Hindu Adoption and Manitenance Act 1956

### Section No.10

**10. Persons who may be adopted** - No person shall be capable of being taken in adoption unless the following conditions are fulfilled, namely:

- (i) he or she is a Hindu;
- (ii) he or she has not already been adopted;
- (iii) he or she has not been married, unless there is a custom or usage applicable to the parties which permits persons who are married being taken in adoption;
- (iv) he or she has not completed the age of fifteen years, unless there is a custom or usage applicable to the parties which permits persons who have completed the age of fifteen years being taken in adoption.

اس سکن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ کون سا بچہ یا بچی تنیت میں دیا جاسکتا ہے جو بچہ یا بچی تنیت دیا جا رہا ہو شرط ہے کہ:

- (۱) ہندو ہو۔ (۲) اس سے پہلے تنیت میں نہیں دیا گیا ہو۔ (۳) شادی شدہ نہ ہو، بشرط کہ کوئی رواج ہو تو تنیت میں دیا جاسکتا ہے۔ (۴) تنیت میں دینے کے وقت بچے کی عمر ۱۵ سال سے زیادہ نہ ہو، بشرط کہ کوئی رواج ہو تو ۱۵ سال کے بعد بھی تنیت میں دیا جاسکتا ہے۔<sup>۲</sup>

### رسوم جو تنیت کے لئے لازمی ہے :-

کسی لڑکے کے ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں تنیت کے ذریعہ منتقل ہونے کے لئے یہ لازمی ہے کہ اس کا حقیقی باپ یا ماں اس کو تنیت میں دینے کا اور متبنی باپ یا ماں اس کو تنیت میں لینے کا رسم انجام دیں۔ بغیر لینے اور دینے کے رسم کے تنیت مکمل نہیں ہو سکتی، صرف دستاویز لکھا جانا کافی نہیں ہے۔

## The Hindu Adoption and Manitenance Act 1956

**Section No.11 (6)** میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ متبنی بنانا حقیقت میں ہونا چاہئے خیالی نہیں، اور دیکھ ہم لازم نہیں ہے۔ ہاں لینا اور دینا حقیقت میں ہونا چاہئے، ہوائی اور خیالی نہیں۔<sup>۳</sup>

## تبنیت کا بدل :-

تبنیت کے لئے کوئی بدل نہ لیا جانا چاہئے اگر بدل دینے کا اقرار کیا گیا ہو تو ایسے اقرار کی تعمیل نہ کرائی جا سکے گی۔ لیکن اگر بدل لے کر یا بدل کا اقرار کے کوئی تبنیت فی الواقع وقوع میں آئے تو تبنیت کا لعدم نہ ہوگی۔  
شودر :- اور شودروں میں سوائے لینے اور دینے کے کوئی رسم ادا نہیں کی جائی گی۔<sup>۱</sup>

## اعلیٰ ذاتوں میں دیک ہم لازمی ہے :-

شاستروں کے احکام کی رو سے تین اعلیٰ ذاتوں میں دیک ہم کی رسم تبنیت کی تکمیل کے لئے لازمی ہے، اگر بھائی کے بیٹے کو متبنتی لیا جائے اور دیک ہم کی رسم انجام نہ دی جائے تو تبنیت جائز ہوگی۔

### The Hindu Adoption and Manitenance Act 1956

**Section No.11 (6)** دیک ہم تو لازم ہے ہی نہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، کوئی بھی ذات، کسی بھی برادری سے تبنیت کا معاملہ ہو رہا ہو تو دیک ہم کسی پر لاگو نہیں چاہے اعلیٰ ذات کا ہو یا ادنیٰ ذات کا۔<sup>۲</sup>

جب لڑکا جو تبنیت میں لیا جائے متبنتی بنانے والے کے گوتر کا ہو تو اعلیٰ تین ذاتوں میں بھی دیک ہم کی ضرورت نہیں ہے لیکن جب اس کا گوتر مختلف ہو تو دیک ہم لازمی ہے اور اس کے انجام نہ پانے کی صورت میں تبنیت کا لعدم ہوگی۔

## تبنیت کے متعلق قیاس :-

تبنیت کے ثابت کرنے کے لئے کوئی خاص قاعدہ نہیں ہے اس کا تحریری ہونا لازمی نہیں ہے گوتر نے خاندان میں یا جب جائیداد زیادہ ہوتی ہے بالعموم دستاویز مرتب کر لی جاتی ہے۔

ہندوؤں کے متعلق یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے مذہبی اعتقاد کے لحاظ سے لا ولد ہونے کی صورت میں متبنتی لیں گے۔ بالخصوص جب وہ صاحب جائیداد ہوں اس قیاس کی تردید یا تائید کے لئے متعدد امور پر لحاظ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً جو متبنتی نہ لئے جانے کی صورت میں جائیداد کا مالک ہوگا اس سے تعلقات کیسے ہیں؟ زوجہ سے تعلق کیسے ہیں؟ اگر اس سے متاکثر متعلق ہے تو متبنتی نہ لئے جانے کی صورت میں اس کی زوجہ کی حالت کیسی رہے گی۔ اس کو اولاد ہونے کی امید تھی یا نہیں۔

جس کسی لڑکے کے ساتھ عرصہ تک مثل متبنتی بیٹے کے عمل ہوتا رہا ہو تو یہ قیاس کیا جائے گا کہ تبنیت کی تکمیل کے لئے جو امور لازمی تھے وہ انجام پا چکے ہیں، یہ ممکن ہے کہ کسی شخص کے مقابلہ میں قانون میعاد کی رو سے میعاد عارض ہو جائے یا امر مانع تقریر مخالف کے اصول کے لحاظ سے وہ تبنیت کے متعلق عذر نہ کر سکے لیکن اس کا یہ نتیجہ نہ ہوگا کہ کا لعدم تبنیت جائز سمجھی جائے گی۔<sup>۳</sup>

## تبنیت کا اثر:-

تبنیت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ متبنی بیٹے کے تعلقات اس کے اصل خاندان سے منقطع ہو جاتے ہیں اور وہ متبنی بنانے والے کے خاندان کا اس طرح رکن ہو جاتا ہے کہ گویا اسی خاندان میں پیدا ہوا تھا اور اس خاندان میں پیدا ہونے کی صورت میں جو اس کے حقوق و فرائض ہوتے ہیں وہی اس کے حقوق و فرائض ہو جاتے ہیں لیکن اس کے تعلقات اس کے اصل خاندان سے بھی اس حد تک باقی رہتے ہیں کہ وہ کسی ایسی عورت سے ازدواج نہیں کر سکتا ہے نہ کسی ایسے لڑکے کو متبنی لے سکتا ہے جس سے ازدواج یا جس کی تبنیت اس صورت میں جائز نہ ہوتی جب وہ تبنیت کے ذریعہ سے دوسرے خاندان میں منتقل نہ ہوا ہوتا کہ جب تبنیت بطور جائز عمل میں آگئی ہو تو وہ منسوخ نہیں کی جاسکتی اور متبنی بیٹا اپنے اصل خاندان میں واپس نہیں جاسکتا بمقدّمہ رامیشور راؤ بنام غلام غوث خاں۔ مقنن دکن جلد ۳، صفحہ ۹۳ میں مجلس عالیہ عدالت نے فیصلہ دیا ہے کہ متبنی کرنے والا اگر متبنی لڑکے کو تبنیت سے خارج کر دے اور لڑکا اس سکوت اختیار کرے اور اپنے اصل باپ کی جائداد حاصل کر لے تو اس طریق عمل سے تبنیت معدوم ہو جاتی ہے۔<sup>۱</sup>

## متبنی بیٹے کے وراثت کے حقوق:-

جب متبنی بنانے والے کے تبنیت کے بعد کوئی صلیبی بیٹا نہ ہوا ہو تو اس صورت میں متبنی بیٹا متبنی بنانے والے کے اور اس کے باپ دادا وغیرہ کی کل جائداد کا اسی طرح وارث ہوتا ہے جس طرح کہ وہ اس صورت میں ہوتا جب وہ صلیبی بیٹا ہوتا، متبنی بیٹا اپنے متبنی باپ کے کل پدری رشتہ داروں کا اسی طرح وارث ہے جس طرح اور لیش بیٹا ہوتا ہے (اصل)۔ اگر کوئی شخص تبنیت کے ذریعہ سے خاندان کا رکن ہوا ہو تو متبنی بیٹا اس کا بھی وارث ہوگا، متبنی بیٹے کی اولاد کو وہی حقوق حاصل ہیں جو اور لیش بیٹے کی اولاد کو ہوتے ہیں، اور متبنی بیٹے کو متبنی بنانے والے کے کل پدری رشتہ داروں کی جائداد میں وہی حقوق حاصل ہیں جو اور لیش بیٹے کو ہوتے ہیں۔<sup>۲</sup>

اور متبنی بیٹا اپنی متبنی ماں اور اس کے رشتہ داروں کا اسی طرح وارث ہوتا ہے جس طرح اور لیش بیٹا ہوتا ہے، اور جب بیوہ متبنی لے تو متبنی بیٹے کو حقوق تاریخ تبنیت سے حاصل ہونگے نہ کہ بیوہ کے شوہر کے انتقال کی تاریخ سے۔ اور جب کوئی ایسا شخص متبنی لیا جائے جس کے اولاد موجود ہو تو ایسی اولاد متبنی بنانے والے کے گوثر کی نہ سمجھی جائے گی اور اس کو متبنی بنانے والے کی جائداد کے وارث ہونے کا حق نہ ہوگا۔<sup>۳</sup>

## متبنی بنانے والے کی بیوی متبنی بیٹے کی وارث:-

جب کوئی مرد کسی لڑکے کو متبنی لے تو اس کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو تبنیت کی رسم میں



شریک کرے اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو شریک کئے بغیر کسی لڑکے کو متبئی لے تو اس کی بیوی یا کل بیویوں کو متبئی ماں کا درجہ حاصل ہو جائے گا اور وہ سب متبئی بیٹے کی اسی طرح وارث ہو سکیں گی، جس طرح اس کی حقیقی ماں ہوتی۔ اسی صورت میں متاکشرا کے اصول کے لحاظ سے متبئی ماں کو متبئی باپ کے مقابلہ میں وراثت میں مرچ حق حاصل ہوگا اگر ایک سے زیادہ متبئی مائیں ہوں تو جائیداد ناقابل تقسیم ہونے کی صورت میں بڑی متبئی ماں وارث ہوگی۔ اور اگر جائیداد قابل تقسیم ہو تو کل متبئی مائیں اسی طرح بالاشتراک وارث ہوں گی جس طرح وہ اپنے شوہر کی وارث ہوتیں۔<sup>۱</sup>

جب کسی شخص کے ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے کسی ایک کو تنہیت کی رسم میں اپنے ساتھ شریک کرے تو جو بیوی اس طرح شریک کی جائے اس کو متبئی بیٹے کے متعلق وہی حقوق حاصل ہوں گے جو حقیقی ماں کو حاصل ہوتے ہیں اور متبئی بنانے والے کی دیگر بیویاں سوتیلی ماں کی حیثیت رکھیں گی۔ اور جب شوہر کسی ایک زوجہ کو متبئی لینے کی اجازت دے اور وہ بحیثیت بیوہ اس اجازت کی بناء پر متبئی لے تو اس کو متبئی پہلے کے متعلق حقیقی ماں کا درجہ حاصل ہوگا اور اس کے شوہر کی اور بیویوں کو سوتیلی ماں کا درجہ حاصل ہوگا۔<sup>۲</sup>

### متبئی کے حقوق جب متبئی بنانے والے کے اوریش (اصل) بیٹا پیدا ہو:-

جب متبئی وقوع میں آنے کے بعد متبئی بنانے والے کے کوئی اوریش بیٹا پیدا ہو جائے تو متبئی بیٹے کے حقوق کم ہو جاتے ہیں، وسٹ کا قول ہے کہ ”ایسی صورت میں متبئی بیٹا چوتھائی حصہ کا مستحق ہے“۔ یہ امر جملہ مکاتب میں تسلیم کیا گیا ہے کہ متبئی بیٹا اوریش بیٹے کے مقابلہ میں کم حصہ کا مستحق ہے لیکن اس کے حصہ کے متعلق اختلاف ہے۔<sup>۳</sup>

### نا جائز تنہیت کا اثر:-

جب کوئی تنہیت ناجائز ہو تو متبئی بیٹے کو متبئی بنانے والے کی جائیداد میں کوئی حقوق حاصل نہیں ہوتے ہیں اور جو حقوق اس کو اصل خاندان میں حاصل تھے ان پر کوئی مضراثر نہیں پڑ سکتا۔ جب تک کسی شخص کو متبئی بیٹے کی حیثیت حاصل نہ ہو اس وقت تک اس کے حقوق و فرائض میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی ہے تنہیت جائز ہونے کی صورت میں کل اغراض کے لئے موثر ہوگی اور ناجائز ہونے کی صورت میں وہ کسی غرض کے لئے بھی موثر نہ ہوگی۔

### متبئی بیٹے کے حق جب بیوہ متبئی لے:-

جب کسی عورت کو اجازت ہو کہ وہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد کسی لڑکے کو متبئی لے تو یہ امر بیوہ کا

اختیاری ہے کہ متبنی لے یا نہ لے جب تک تنیت وقوع میں نہ آئے اس وقت تک بیٹے کو جائیداد میں کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔ دھرم شاستر کے اصول کے مطابق جائیداد بھی بغیر مالک کے نہیں مل سکتی۔ اس لئے ایسی صورت میں جب تنیت وقوع میں نہیں آتی۔ آخری مالک کا قریب ترین وارث جائیداد کا مالک ہو جاتا ہے اگر آخری مالک خاندان مشترکہ کا رکن نہیں ہے تو اولاد نہ ہونے کی صورت میں اس کی بیوہ وارث ہوتی ہے اور اگر خاندان مشترکہ ہوتا ہے تو متاکشرا کے اصول کے مطابق جائیداد ارکان خاندان مشترکہ کو پسماندگی کے قاعدہ سے پہونچ جاتی ہے جب بیوہ کسی لڑکے کو متبنی لیتی ہے تو متبنی بیٹے کو اس طرح جائیداد پہونچ جاتی ہے کہ گویا وہ متبنی باپ کے فوت ہونے کے وقت ہی متبنی لیا گیا تھا اور جن اشخاص کو اس کی تنیت کے قبل پہونچ چکے تھے وہ ان حقوق سے محروم ہو جائیں گے۔<sup>۱</sup>

### جب بیوہ وارث ہو:-

اگر تنیت کے قبل بیوہ وارث ہو چکی ہو تو بیوہ کے محدود حقوق ختم ہو جائیں گے اور متبنی بیٹا جائیداد کا مالک ہو جائے گا، اور بیوہ کو صرف نان و نفقہ کا حق باقی رہ جائے گا متبنی بیٹے کے نابالغ ہونے کی صورت میں بیوہ کی حیثیت ولیہ کی ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں متبنی بیٹا بیوہ کے استری دھن کا بیوہ کی زندگی میں مالک نہیں ہوتا ہے اور بیوہ استری دھن کو اس طرح استعمال کر سکتی ہے جس طرح تنیت سے قبل کر سکتی تھی۔ عدالت متبنی کو جائیداد پر قبضہ دلانے سے قبل بیوہ کے نان و نفقہ کا پورا انتظام کرے گی۔

جب ایک سے زیادہ بیوگان ہوں تو جس بیوہ کو متبنی لینے کی اجازت ہو وہ اس اجازت کی بناء پر متبنی لینے سے اپنے نیز اور بیوگان کے حقوق زائل کر دیتی ہے، ایسی صورت میں دوسری بیوگان سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ متبنی بیٹا متونی کے کل جائیداد کا مالک ہو جائے گا، اور کسی بیوہ کو بھی جائیداد میں ملکیت کے حقوق باقی نہ رہیں گے لیکن سب نان و نفقہ کا حق حاصل ہو جائیگا۔

مکتبہ ہاراشتر کی رو سے بیوہ بغیر شوہر کی سابقہ اجازت کے متبنی لے سکتی ہے اور بڑی بیوہ بغیر چھوٹی کی رضا مندی کے متبنی لے سکتی ہے، اور متبنی بیٹے کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس صورت میں ہوتے جب تنیت شوہر کی اجازت سے وقوع میں آتی تنیت وقوع میں آنے کے بعد مکتبہ ہاراشتر سے بھی بیوگان کو صرف نان و نفقہ کا حق باقی رہ جاتا ہے۔<sup>۲</sup>

### متبنی بیٹے سے کم درجہ والے کا حقوق زائل ہونا:-

تنیت وقوع میں آنے کے بعد ایسے شخص کے حقوق زائل ہو جاتے ہیں جسے متبنی بیٹے سے کم درجہ کے حقوق حاصل ہوں یعنی وہ کل اشخاص محروم ہو جاتے ہیں جو اس صورت میں وارث نہ ہوتے جب متبنی بیٹا آخری مالک جائیداد کے فوت ہونے کے وقت موجود ہوتا۔ مثلاً (۱) اگر ناقابل تقسیم راج کی صورت میں

۱۔ رکھابائی بنام رادھابائی، ممبئی ہائی کورٹ، رپورٹ، ج ۵، ص ۱۸۱

۲۔ بابو موہی بنام رتوجی، ممبئی، ج ۲۱، ص ۳۱۹

آخری مالک کے فوت ہونے پر اس کا بھائی وارث ہو تو متنبی بیٹا اس کو محروم کر دیگا۔ (۲) جائیداد مشترکہ کی صورت میں اگر ایک بھائی دوسرے بھائی کی جائیداد پسماندگی کے قاعدہ سے حاصل کرے تو متنبی بیٹا اپنے متنبی باپ کے حقوق حاصل کرے گا۔

### متنبی سے اعلیٰ حقوق والے کا حقوق زائل نہ ہوں گے :-

جب جائیداد کسی ایسے شخص کو حاصل ہو جائے جس کے حقوق اور لیش بیٹے کے مقابلہ میں مرجح ہوتے تو تنبیت وقوع میں آنے سے اس کے حقوق زائل نہ ہوں گے بجز اس کے کہ ایسا شخص وہی بیوہ ہو جو متنبی لے۔  
بمقدمہ بھو بن موئی بنام رام کشور (ویسکی رپورٹ، جلد ۳، پریوی کونسل صفحہ ۱۵) پریوی کونسل سے قرار پا چکا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوہ اور بیٹا چھوڑ کر فوت ہو اور بیوہ کو اجازت ہو کہ بیٹے کے فوت ہونے پر وہ دوسرا بیٹا متنبی لے سکتی ہے اور بیٹا کی شادی ہونے کے بعد لا ولا فوت ہو جائے تو اس بیٹے کی بیوہ جائیداد کی مالک ہوگی اور اس کے باپ کی اجازت کی بناء پر جو تنبیت وقوع میں آئے اس سے لڑکی کی بیوہ کے حقوق پر اثر نہ پڑے گا۔ اس صورت میں اگر لڑکے کی بیوہ موجود نہ ہوئی اور اس کی ماں وارث ہوتی تو اس کے باپ کی اجازت کی بناء پر جو تنبیت وقوع میں آتی اس سے متنبی بیٹے کو جائیداد میں حقوق حاصل ہو جاتے۔

### متنبی کب وارث کے حقوق زائل کر سکے گا اور کب نہیں؟ :-

(۱) جب تنبیت آخری مالک جائیداد کے لئے کی جائے تو متنبی بیٹا ایسے شخص کے حقوق ساقط کرے گا جس کے حقوق اس صورت میں کم درجہ کے ہوتے جب اس کی تنبیت آخری مالک جائیداد کے فوت ہونے کے قبل وقوع میں آتی۔

(۲) جب تنبیت آخری مالک جائیداد کے لئے نہ کی گئی ہو بلکہ کسی سابقہ مالک کی بیوہ نے کی ہو تو ایسی تنبیت کے طور پر جائز ہونے کی صورت میں متنبی بنانے والی بیوہ کے حقوق زائل ہو جائیں گے۔

(۳) جب تنبیت ایک شخص کے لئے کی جائے تو کسی ایسے وارث کے حقوق زائل نہ ہوں گے جس نے وراثت اس شخص کے سوائے کسی اور شخص سے حاصل کی ہو۔

### متنبی کے حقوق کا نفاذ کن صورتوں ملتی کیا جاسکتا ہے؟ :-

متنبی بیٹے کو متنبی بنانے والے کی جائیداد میں اسی طرح حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جس طرح اور لیش بیٹے کو حاصل ہوتے ہیں۔ دائے بھاگ کی رو سے اور لیش بیٹے کو بھی جب تک باپ زندہ رہتا ہے اس کی

۱۔ سر نرندران بنام سیلا جا، کلکتہ، ج ۱۸، ص ۳۸۵ ۲۔ بیکٹ منی بنام شام سندر، ویسکی رپورٹ، ج ۷، ص ۳۹۲

۳۔ کالی پرسنو بنام گوپال چندر، کلکتہ، ج ۲، ص ۲۹۵

دستک طریقہ پر تنیت صرف لڑکے کی ہو سکتی ہے اور بیوہ بھی جب متنبی ہے تو اپنے شوہر کے لئے لیتی ہے اس طریقہ پر عورت اپنے لئے متنبی نہیں لے سکتی ہے اور اگر متنبی لے تو ایسے بیٹے کو اس کی جائیداد میں کوئی حقوق حاصل نہ ہوں گے۔

مدرس میں رواج کی بناء پر دیوداسی لڑکی کو مٹھنی بنائی جاتی ہے اور ایسی لڑکی اپنی مٹھنی ماں کی جائیداد کی وارث ہوتی ہے ایسی تنہیت کے لئے کسی رسم کی ضرورت نہیں ہے جب تک کوئی رواج اس کے خلاف ثابت نہ ہو صرف ایک لڑکی مٹھنی لی جس سکے گی۔ مگر کلکتہ اور ممبئی میں ایسی تنہیت کا عدم قرار دی گئی ہے۔

کوئی مرد یا عورت کسی لڑکی کو متبھی نہیں لے سکتے ہیں بجز اس کے کہ کسی رواج کی بناء پر اس کی اجازت ہو۔

**This Act made the following changes in the law relating to adoption:-**

(1) A female also may be adopted (Section 7 and 8)

پُرانے ہندو قانون میں بچیوں کو تنہیت میں نہیں دی جاتی تھیں، صرف لڑکے ہی متنبی بنائے جاتے تھے، مگر نئے ہندو قانون میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اب بچیاں بھی تنہیت میں دی جاسکتی ہیں۔<sup>۲</sup>

# ولایت اور نابالغی کا مسئلہ

## (Guardianship)

### نابالغی کی مدت :-

دھرم شاستر کی رو سے نابالغی ۱۶ (سولہ) سال کی عمر میں ختم ہوتی ہے اور بنگال میں نابالغی پندرہ سال کی اختتام پر ختم ہو جاتی ہے۔ بنگال کے سوائے باقی مقامات میں نابالغی سولہ سال کے اختتام پر ختم ہوتی ہے۔ ایکٹ ۸/۱۸ء کی رو سے جب کسی شخص کا کوئی ولی عدالت کے حکم سے مقرر ہوا ہو یا اس کی جائیداد کورٹ آف وارڈز (Court of Wards) کی نگرانی میں لی گئی ہو تو نابالغی ۲۱ سال کے اختتام پر اور دوسری صورتوں میں ۱۸ سال کے اختتام پر ختم ہوتی ہے۔ اس قانون کی رو سے ایسے نابالغ کی جائیداد کا ولی مقرر نہیں کیا جاسکتا جو خاندان مشترکہ کا رکن ہو اور جس سے متاثر متعلق ہو۔<sup>۱</sup>

### The Hindu Minority and Guardianship Act, 1956

#### Section 4 (a)

(a) "minor" means a person who has not complete the age of eighteen years;

اس سشن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ نابالغی (Minor) کا اطلاق ۱۸ سال سے کم عمر پر ہوتا ہے، اس کے بعد ہی بالغ سمجھا جائے گا۔

مگر Majority Act اس سے اختلاف کرتا ہے اس ایکٹ کے مطابق تمام مسئلوں میں نابالغی (Minority) ۱۸ سال ہی مانی جائے گی۔ اگر ان کا ولی کورٹ کے ذریعے سے ولی مقرر ہوا ہو تو نابالغی ۲۱ سال میں ختم ہوگی مگر ان دونوں ایکٹوں میں The Hindu Minority and Guardianship کو ترجیح دی جائے گی۔<sup>۲</sup>

مندرجہ ذیل کے تحت۔ جب خاندان مشترکہ کے کل ارکان نابالغ ہوں تو ممبئی ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے کہ عدالت ان کی جائیداد کا ولی مقرر کر سکتی ہے۔ مگر ایکٹ ۸/۱۸ء امور ذیل سے متعلق نہیں ہے۔ (۱) ازدواج (۲) مہر (۳) طلاق (۴) تنہیت۔ یہ قانون ہندوؤں کے وصیت کرنے کے اختیار پر موثر ہے یعنی اس امر کا اندازہ کرنے کے لئے کہ کوئی ہندو وصیت کرنے کا مجاز ہے یا نہیں، یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ اس

قانون کی رو سے بالغ ہو چکا ہے یا نہیں۔

جب یہ امر نداعی ہو کہ کوئی شخص نابالغ ہے یا نہیں تو صداقت نامہ ولایت اس واقع کی شہادت نہیں ہے نہ اس شخص کی جنم پتری قابل ادخال شہادت ہے۔ مگر شاستر کی رو سے وہ شخص جس کی عمر ۱۶ سال ہو بالغ سمجھا جائے گا۔<sup>۱</sup>

## نابالغ کا ولی کون؟

دھرم شاستر کی رو سے ہر نابالغ کا اصل ولی راجہ ہے۔ لیکن یہ فرض راجہ کی جانب سے نابالغ کے رشتہ داروں کو تفویض کیا جاتا ہے۔ ہر نابالغ کا باپ اور اس کے بعد اس کی ماں قدرتی ولی ہیں۔ ماں کے عدم موجودگی کی صورت میں یا جب وہ اس کام کی انجام دہی کے ناقابل ہو نابالغ کا قریب ترین رشتہ دار از قسم ذکور ولی مقرر کیا جانا چاہئے۔ اور پدری رشتہ داروں کو ان پر ترجیح دی جائے گی، جب باپ اپنی وصیت کے ذریعہ سے اپنے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا کوئی ولی مقرر کرے تو سوائے اس کے اور کوئی ولی اس وقت تک مقرر نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو کہ وصیت ناجائز ہے۔

اگر ماں اپنی وصیت کے ذریعہ سے کوئی ولی مقرر کرے تو عدالت اس کا یا کسی اور مناسب شخص کا تقرر کرے گی۔ جب خاندان مشترکہ متاکشرا کے تابع ہو تو نابالغ کے حصہ کے انتظام بھی منتظم خاندان کرے گا اور نابالغ کی ماں کو اس کے حصہ پر کوئی دخل نہ ہوگا لیکن خاندان منقسم ہونے کی صورت میں نابالغ کی ماں بحیثیت ولیہ اس کی جائداد کا انتظام کرے گی۔

نابالغ منکوحہ لڑکی کا ولی اس کا شوہر ہے، اور نابالغ بیوہ لڑکی کا ولی شوہر کا قریب ترین رشتہ دار ہوگا نہ کہ اس کا باپ اور اس کے رشتہ دار۔

لیکن اگر عدالت کی رائے میں نابالغ کے فائدہ کے لئے ایسا تقرر مناسب ہو تو عدالت اس کے باپ یا اس کے رشتہ دار کو ولی مقرر کر سکتی ہے۔<sup>۲</sup>

جب کسی نابالغ کی ماں اس کی ولیہ مقرر ہوئی ہو تو محض اس وجہ سے ولایت سے علیحدہ نہ کی جائے گی کہ اس نے مکرر ازدواج کر لیا ہے۔ بشرط کی ایسا ازدواج ذات کے رواج کی بنیاد پر جائز ہو۔ یہ امر عدالت کی صوابدید پر منحصر ہے کہ نابالغ کو اس کی ولایت میں رکھے یا نہ رکھے۔

ہندو پرسنل لا کے مطابق جب کوئی شخص اپنے بیٹے کو تنیت میں دے دے تو اس کو اس کے ولایت کا حق باقی نہیں رہتا۔ عدالت کو اختیار ہے کہ کسی ولی کو خواہ اس کا تقرر کسی طریقہ سے ہوا ہو موقوف کر کے اس کے بجائے دوسرا ولی مقرر کرے۔ عدالت اس اختیار کو اس وقت استعمال کرے گی جب اس کو موقوف کرنے کی کافی وجوہات ہوں۔<sup>۳</sup>

۱۔ گن راج کنور بنام ایلوکھ پانڈے، الہ آباد، ج ۱۸، ص ۸۷۸ ۲۔ طوطا رام بنام رام، الہ آباد، ج ۳۳، ص ۲۲۲ ۳۔ گنگا پرشاد بنام جھالوکلے،

### The Hindu Minority and Guardianship Act, 1956 Section 4 (b)

(b) "guardian" means a person having the care of the person of a minor or of his property or of both his person and property, and includes -

- (i) a natural guardian
- (ii) a guardian appointed by the will of the minor's father or mother.
- (iii) a guardian appointed or declared by a court, and
- (iv) a person empowered to act as such by or under any enactment relating to any Court of Wards.

اس سکشن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ ولایت (Guardianship) کا مطلب یہ ہے کہ ولی نابالغ اور اس کی جائیداد کی دیکھ بھال کرے اور اولیاء کی چار قسمیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اصل ولی۔

(۲) وہ ولی جو والدین کے وصیت کے ذریعے سے ولی مقرر ہوا ہو۔

(۳) کورٹ نے ولی مقرر کیا ہو۔

(۴) بچوں کی عدالت (Court of Wards) نے ولی مقرر کیا ہو۔<sup>۱</sup>

### مکرر ازدواج کرنے والی ماں کا حق ولایت

جب نابالغ بچوں کی ماں اپنی ذات کے رواج کی بناء پر مکرر ازدواج کرے تو اس امر کا تصفیہ کہ آیا وہ اپنے بچوں کی ولیہ رہ سکتی ہے اس کی ذات کے رواج پر منحصر ہوگا۔ ایسی صورت میں عدالت بچوں کی بہبود کے لحاظ سے جو حکم مناسب خیال کرے صادر کرے گی۔ جب مکرر ازدواج ایکٹ (۱۵) ۱۸۵۶ء کے احکام کے لحاظ سے کہا جائے تو اس کے دفعہ (۳) کے متعلق الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ ایسی عورت اپنے سابقہ شوہر کے بچوں کی ماں اس قانون کی اغراض کے لئے نہیں قرار دی جاسکتی اور وہ ولیہ مقرر کئے جانے کے مستحق نہیں ہے۔<sup>۲</sup>

### ولی کے حقوق نابالغ کو اپنے پاس رکھنے کے متعلق

ولی کو یہ قطعی حق حاصل ہے کہ نابالغ کو اپنے پاس رکھے۔ اس حق سے وہ نابالغ کے خواہش سے بھی محروم نہیں کیا جاسکتا ماں باپ کے لئے یہ حق جائیداد کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے۔ ماں باپ اور ولی اپنے آپ کو اس حق سے کسی معاہدہ کی بناء پر محروم نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر یہ حق کسی دوسرے کو تفویض کیا جائے تو

<sup>۲</sup> خوشالی بنام رانی، الہ آباد، ج ۴، ص ۹۵

<sup>۱</sup> Bare Act Hindu Law 2008, p.29, C.L. Publication Allahabad

ماں باپ یا ولی اس کو منسوخ کر سکتا ہے۔ اور اس کا فرض ہے کہ جب ایسی تفویض سے نابالغ کو مضرت پہنچے ہو تو اس کو منسوخ کرے۔<sup>۱</sup>

## والدین کا حق ولایت جب وہ مذہب تبدیل کر لیں

باپ کو اپنے نابالغ بچوں کی ولایت کا قدرتی حق حاصل ہے اور وہ اس حق سے محض اس وجہ سے محروم نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا ہے لیکن اگر مذہب تبدیل کرنے کی وجہ بدچلنی ہو جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اس کا گھر نابالغ بچوں کی سکونت کے لئے موزوں نہیں ہے تو عدالت کسی اور شخص کو ولی مقرر کر سکتی ہے۔ جب مذہب تبدیل کرنے کے وقت اس نے اپنے بچوں کو اپنے رشتہ داروں کے سپرد اس غرض سے کر دیا ہو کہ وہ ان کی اصل مذہب کے موافق کریں اور اس کے بعد ان کی ولایت کا دعویٰ کرے تو عدالت اس امر پر غور کرے گی کہ آیا اس کی درخواست منظور کرنے سے نابالغ بچوں کا فائدہ ہوگا؟<sup>۲</sup>

جب ماں اپنا مذہب تبدیل کر لے تو لازمی طور پر اپنے بچوں کی ولیہ مقرر کئے جانے کی مستحق نہ ہوگی۔ بچوں کا مذہب وہی ہوتا ہے جو ان کے باپ کا ہوتا ہے اور ماں جب اس مذہب کی نہ ہو تو وہ اپنے بچوں کو ان کے باپ کے مذہب کے موافق تعلیم نہ دے سکے گی اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ وہ ایسی صورت میں ماں ولیہ نہ رہ سکے گی۔ اور یہ امر بھی قابل لحاظ نہ ہوگا کہ بچوں کی یہ خواہش ہے کہ وہ وہی مذہب اختیار کر لیں جو ان کی ماں نے اختیار کیا ہے۔

اگر کوئی نابالغ شخص اپنا مذہب تبدیل کر لے تو وہ اپنے باپ یا ماں کو تفویض کیا جاسکے گا، کیونکہ قانوناً والدین کو اپنے بچوں کی ولایت کا قدرتی حق حاصل ہے۔ ایسا حق ۱۸ سال کی عمر تک استعمال کیا جاسکتا ہے۔<sup>۳</sup> جب باپ نے اپنے بچوں کو کسی دوسرے شخص کی حفاظت میں اپنی خوشی سے چھوڑ دیا ہو تو باپ کے قدرتی حقوق زائل نہیں ہو جاتے البتہ باپ مذکورہ ذیل صورتوں میں بچوں کو واپس نہ پاسکے گا۔

(۱) جب بچوں کی فلاح و بہبودی پر مضراثر پڑے یا (۲) جب باپ نے ایسے حقوق بدچلنی یا معنوی رضا مندی سے ساقط کر دئے ہوں یا (۳) جب باپ نے اس طرح عمل کیا ہو یا وہ ایسی حالت میں ہو گیا ہو کہ بچوں کے لئے یہ صرف مفید ہی نہ ہو بلکہ اہم امور کے لحاظ سے یہ لازمی ہو کہ باپ کے حقوق میں دخل دیا جائے۔<sup>۴</sup>

## ماں ہوگی ولد الحرام بچے کی ولیہ

ولد الحرام بچے کی قدرتی ولیہ اس کی ماں ہے، لیکن اگر اس نے بچے کو اپنے سے علیحدہ کر کے باپ کے یا کسی اور شخص کے پاس پرورش کے لئے چھوڑ دیا ہو تو عدالت اس کو ایسا بچہ نہ دلائے گی بلخصوص جب اس طرح بچہ اس کو دلانے سے بچہ کی تعلیم وغیرہ پر اثر پڑنے کا احتمال ہو۔<sup>۵</sup>

۱۔ پلورڈ بنام روس، مدراس، ج ۳۳ ص ۲۸۸ ۲۔ مکندل، بنام نو دیپ چندر، کلکتہ، ج ۲۵ ص ۸۸۱ ۳۔ ریڈ بنام کرشن، مدراس، ج ۹ ص ۳۹۱  
۴۔ لعل داس بنام میکجو، کلکتہ، ج ۴ ص ۳۷۴ ۵۔ دھرم شاستر مولفہ بیچنا تھ، ص ۱۳۵، حیدر آباد دکن



## استری دھن (Stridhana)

### استری دھن کی تعریف :-

استری دھن سے عورتوں کی خاص جائیداد مراد ہے۔ منو اسمرتی میں حکم ہے کہ عورتیں جائیداد نہیں حاصل کر سکتیں اور وہ ہمیشہ کسی نہ کسی کی ولایت میں رہتیں ہیں۔ شادی سے قبل باپ کی ولایت میں، شادی کے بعد شوہر کی ولایت میں اور شوہر کے مرنے کے بعد بیٹے کی ولایت میں<sup>۱</sup> لیکن باوجود اس کے شاستروں میں بعض قسم کی جائیداد کے متعلق عورتوں کو قطعی اختیارات دئے گئے ہیں اور ایسی جائیداد کا سلسلہ وراثت بھی مردوں کی جائیداد کے سلسلے سے مختلف ہے۔ اس قسم کی جائیداد کو استری دھن کہتے ہیں۔

بعض کے قول کے مطابق استری دھن سے صرف وہ جائیداد مراد ہے جو اس کے رشتہ داروں کی طرف سے اس کو دی جائے اور اس کا زیور اور کپڑے، غیر اشخاص کی طرف سے جو جائیداد اس کو ہبہ کی جائے وہ اس صورت میں استری دھن ہو سکے گی جب ہبہ ازدواج کے وقت یا بعض اقوال کے بموجب اس وقت کیا گیا ہو جب شوہر زوجہ کو اپنے گھر لے جا رہا ہو۔<sup>۲</sup>

### The Hindu Succession Act, 1956 Section 14 (1)

**14. Property of female Hindu to be her absolute property - (1)** Any property possessed by a female Hindu, whether acquired before or after the commencement of this Act, shall be held by her as full owner thereof and not as a limited owner. In this sub-section, "property" includes both movable and immovable property acquired by a female Hindu by inheritance, or devise, or at a partition, or in lieu of maintenance or arrears of maintenance, or by her own skill or exertion, or by purchase or by prescription, or in any other manner whatsoever, and also any such property held by her as *stridhana* immediately before the commencement of this Act.

اس سکشن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ ہندو عورت اس مال کی قطعی مالک ہوگی چاہے اس Act سے پہلے یا بعد میں ملا ہو، اسی سکشن کے آگے اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ کون سی جائیداد استری دھن ہے؟ وہ جائیداد جو ورثہ ملا ہو، یا وہ جائیداد جو جوائنٹ فیملی کے تقسیم سے ملا ہو، یا وہ جائیداد جو بحیثیت نان و نفقہ ملا ہو، یا وہ جائیداد جو تحفہ کا ہو (اپنوں سے یا غیروں سے) شادی سے پہلے یا شادی کے بعد۔ یا وہ جائیداد جو مکسوم ہو، یہ تمام جائیداد استری دھن کے دائرے میں آتا ہے۔<sup>۳</sup>

۱۔ منوباب ۱۸، فقرہ ۳۱۶ نیز منوباب ۹، فقرہ ۳ ۲۔ دھرم شاستر مولفہ، بیجنا تھ، ص ۴۶۵، حیدر آباد دکن

## دھرم شاستر متعلقہ بنارس - متاکشرا:-

متاکشرا میں لفظ ’’استری دھن‘‘ بہت وسیع معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور اس سے ہر قسم کی جائداد مراد ہے جو کسی بھی طریقہ سے عورت کو پہنچی ہو۔

استری دھن کی وراثت کا جو خاص قاعدہ قرار دیا گیا ہے وہ اس جائداد سے متعلق نہیں ہوتا جو عورت کو وراثتاً پہنچی ہو۔ ایسی جائداد کو متاکشرا کے معنی میں استری دھن ہے لیکن اس جائداد میں عورت کے حقوق محدود ہوتے ہیں اور سلسلہ وراثت کا اس سے قائم نہیں کیا جاتا بلکہ اس مرد سے کیا جاتا ہے جس سے اس نے جائداد وراثتاً حاصل کی ہے۔<sup>۱</sup>

## دھرم شاستر متعلقہ ڈراویڈا:-

پرسواماد ہو چندریکا میں لفظ ’’استری دھن‘‘ اس قدر وسیع معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے جس طرح متاکشرا میں استعمال ہوا ہے۔ سمرتی چندریکا میں استری دھن کی مفصلہ ذیل تقسیم کی گئی ہے:

(۱) ادھیگنی یعنی جو ازدواج کی رسم کے وقت دیا جائے (۲) ادھیہ وے نیکا یعنی جو اس وقت دیا جائے جب شوہر زوجہ کو اپنے گھر لے جا رہا ہو۔ ان دونوں قسم کی جائداد کو استری دھن قرار دیا گیا ہے خواہ وہ رشتہ داروں، نے دی ہو یا غیروں نے۔ (۳) پریتی دت یعنی وہ جائداد جو رشتہ داروں نے محبت کی وجہ سے دی ہو۔ (۴) جو جائداد کہ شوہر یا والدین یا بیٹے یا اور رشتہ داروں نے ہبہ کی ہو۔ (۵) ادھی ویدیکا یعنی وہ جائداد جو شوہر نے کسی اور عورت سے ازدواج کے وقت دی ہو۔ (۶) شلک یعنی انعام (۷) انوے دھیہ یعنی ہبہ مابعد۔<sup>۲</sup>

## دھرم شاستر متعلقہ بنگال - دائے بھاگ:-

دائے بھاگ میں لفظ ’’استری دھن‘‘ محدود معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے وہ خاص جائداد مراد ہے جس کے متعلق عورت کو قطعی اختیارات حاصل ہیں اور جن کے متعلق سلسلہ وراثت اسی سے قائم ہوتا ہے۔ جب شوہر نے اپنی زوجہ کو کوئی جائداد ہبہ کی ہو تو وہ استری دھن ہے لیکن اس کے غیر منقولہ ہونے کی صورت میں وہ اس کو بغیر شوہر کی رضا مندی کے منتقل نہیں کر سکتی ہے۔

جب عورت مخالفانہ قبضہ کی بناء پر کوئی جائداد حاصل کرے تو ایسی جائداد اس کی استری دھن ہوگی۔<sup>۳</sup>

## شلک:-

دائے بھاگ میں لفظ ’’شلک‘‘ کے دو مختلف مفہوم بیان کئے گئے ہیں:

- (۱) وہ جائداد جو لڑکی کو اس غرض سے دی جائے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر جانے پر رضامند ہو جائے۔
- (۲) وہ انعام جو عورت کو اس غرض سے دیا جائے کہ وہ اپنے شوہر یا کسی اور رشتہ دار کے اجرت کے کام پر جانے کے لئے رضامند ہو جائے۔<sup>۴</sup>

۱۔ بھگوان دین دو بے بنام بینابائی، ویلکی رپورٹر، ج ۹، پریوی کونسل، ص ۲۳ ۲۔ دھرم شاستر مولفہ: جتنا تھ، ص ۴۲۲، حیدرآباد دکن

۳۔ دائے بھاگ باب ۴، فصل ۳، فقرہ ۱۹-۲۱

۴۔ موہم بنام کاشی، کلکتہ ویلکی، ج ۲، ص ۱۶۱

## وراثتاً پہونچی جائداد استری دھن ہے یا نہیں؟ :-

مختلف مقامات میں جو کتب (فقہ) رائج ہیں ان کے لحاظ سے استری دھن کی تعریف کی گئی ہے۔ متاکشرا کی رو سے وہ جائداد جو کسی عورت کو وراثتاً پہونچے وہ استری دھن ہے لیکن دائے بھاگ کی رو سے ایسی جائداد استری دھن نہیں ہے۔

### دھرم شاستر متعلقہ بنگال :-

دھرم شاستر متعلقہ بنگال کی رو سے جب کوئی عورت خواہ بیوہ کی حیثیت سے خواہ بیٹی کی حیثیت سے کسی مرد کی وارث ہوتی ہے تو اس جائداد میں اس کے حقوق محدود ہوتے ہیں اور اس کا حق ختم ہونے کے بعد متوفی مرد سے وراثت کا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ جب کوئی عورت کسی استری دھن کی وارث ہوتی ہے تو ایسا استری دھن اس عورت کے ہاتھ میں استری دھن باقی نہیں رہتا۔<sup>۱</sup>

### دھرم شاستر متعلقہ بنارس :-

گو متاکشرا میں اس جائداد کو استری دھن قرار دیا گیا ہے جو کسی عورت کو وراثتاً پہونچے لیکن سب قسم کے استری دھن کے متعلق عورت کو غیر محدود اختیارات نہیں دئے گئے ہیں۔ ایسی جائداد کے متعلق جو عورت کو کسی مرد سے یا کسی عورت سے وراثتاً پہونچنے پر قرار دیا گیا ہے کہ عورت کے اختیارات قطعی نہ ہوں گے اور اس کے مرنے کے بعد سلسلہ وراثت کا اس عورت سے نہیں بلکہ اس شخص سے قائم کیا جائے گا جس سے اس نے جائداد حاصل کی تھی۔<sup>۲</sup>

### دھرم شاستر متعلقہ بمبئی :-

بمبئی میں متاکشرا کی عام تعریف تسلیم کی گئی ہے اور قرار دیا گیا ہے کہ ہر قسم کی جائداد جو عورت کو پہونچے وہ اس کی استری دھن ہے۔ لیکن جو جائداد عورت کو وراثتاً پہونچتی ہے اس کے متعلق یہ فرق قائم کیا گیا ہے کہ جب جائداد بیوہ وغیرہ کی حیثیت سے پہونچتی ہے تو اس کے مرنے کے بعد وہ جائداد اس مرد کے ورثاء کو پہونچتی ہے جس سے اس عورت نے پائی تھی، لیکن جائداد بیٹی وغیرہ کی حیثیت سے پہونچتی ہے تو اس کو قطعی اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور سلسلہ وراثت اسی سے قائم ہوتا ہے۔<sup>۳</sup>

### استری دھن کی تعریف کا خلاصہ :-

لفظ ’’استری دھن‘‘ کے مختلف معنی قرار دئے گئے ہیں اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے :

(۱) ہبہ (۲) خریداری یعنی بدل کر دے کر حقوق حاصل کرنا (۳) وراثت (۴) تقسیم

## رشتہ داروں کی طرف سے ہبہ :

ہبہ رشتہ داروں کی طرف سے ہو سکتا ہے یا رشتہ داروں کے علاوہ کی جانب سے۔ جب رشتہ داروں کی طرف سے جائیداد ہبہ ہو تو جملہ مکاتب فقہ کی رو سے وہ استری دھن قرار دی گئی ہے البتہ جب شوہر نے جائیداد غیر منقولہ زوجہ کو ہبہ کی ہو تو وہ بلا اجازت شوہر اس کو منتقل نہیں کر سکتی۔<sup>۱</sup>

## غیروں کی جانب سے ہبہ :

جب ہبہ غیر اشخاص کی جانب سے ہو تو وہ بنارس اور بمبئی کے مکتب کی رو سے ہر حالت میں استری دھن ہے لیکن اور مکاتب کی رو سے صرف اس صورت میں استری دھن ہوگی جب ازدواج کے وقت جائیداد ہبہ کی جائے یعنی ادھیگنی ہو۔<sup>۲</sup>

## بدل دے کر حقوق حاصل کرنا :

جب شوہر کی زندگی میں زوجہ اپنی محنت سے کوئی جائیداد حاصل کرے تو وہ سوائے بنارس اور بمبئی مکتب کے استری دھن نہ سمجھی جائے گی۔

جب کوئی بیوہ یا کنواری لڑکی اپنی محنت سے کوئی جائیداد حاصل کرے تو وہ جملہ مکاتب کی رو سے اس کی استری دھن ہوگی۔

جب شوہر کی جائیداد سرکار میں ضبط ہو گئی ہو اور بیوہ کے نام جدید سند کے بناء پر عطا ہو تو ایسی جائیداد استری دھن سمجھی جائے گی۔ لیکن اگر کوئی عورت وارث ہو اور اس وجہ سے اس نام سند جاری ہوئی ہو تو محض سند جاری ہونے سے عورت کو اس سے زیادہ حقوق حاصل نہ ہوں گے جو اس کو وراثت کی بناء پر حاصل تھے۔

اور جب کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ تجارت میں شریک رہ کر کوئی جائیداد پیدا کرے تو اس کے حصہ کی حد تک جائیداد استری دھن ہوگی اور اس کے متعلق سلسلہ وراثت اس سے قائم ہوگا نہ کہ اس کے شوہر سے۔<sup>۳</sup>

## وراثت :

جو جائیداد وراثتاً پہونچتی ہے اس کے متعلق یہ قرار دیا گیا ہے کہ دائے بھاگ کی رو سے ایسی جائیداد کسی صورت میں استری دھن نہیں ہے، اور مہاراشٹر مکتب کی رو سے صرف اس صورت میں استری دھن ہے جب جائیداد ایسی عورتوں کو پہونچے جو پیدائش سے گوتر سپنڈ تھیں لیکن ازدواج کی وجہ سے دوسرے گوتر کی ہو گئی ہیں مثلاً بیٹی، بہن۔<sup>۴</sup>

۱۔ دائے بھاگ، باب ۲، فصل ۱، فقرہ ۱۸، ۱۹ و ۲۳

۲۔ برج اندر بنام رانی جانی، مکتبہ لارپور، ج ۱، ص ۳۱۸

۳۔ کاشی پرشاد بنام انداکور، الہ آباد، ج ۳۰، ص ۴۹۰

۴۔ شیو شکر بنام دینی، الہ آباد، ج ۳۵، ص ۷۷

## The Hindu Succession Act, 1956 Section 15 (1)

### 15. General rules of succession in the case of female Hindus -

- (a) firstly, upon the sons and daughters (including the children or any pre-deceased son or daughter) and the husband;
- (b) secondly, upon the heirs of the husband;
- (c) thirdly, upon the mother and father;
- (d) fourthly, upon the heirs of the father; and
- (e) lastly, upon the heirs of the mother.

اس سٹشن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ کن لوگوں کو حق وراثت پہونچتی ہے:

(الف) لڑکا، لڑکی اور پوتا، پوتی کو جب کہ ان کے والدین کا انتقال ہو چکا ہو

(ب) مرنے والی کے شوہر کو اور مرنے والی کے شوہر کے رشتہ داروں کو

(ج) مرنے والی کے والدین کو

(د) مرنے والی کے والد کے رشتہ داروں کو

(ط) مرنے والی کی ماں کے رشتہ داروں کو

### جائیداد وراثت سے جائیداد خریدنا:

جب کسی عورت کو کوئی جائیداد وراثتاً پہونچے تو اس کو جائیداد کی کل آمدنی صرف کرنے کا حق حاصل ہے، لیکن اگر وہ ایسی آمدنی کو صرف نہ کرے بلکہ اس کو بچا کر اس سے کوئی جائیداد خریدے تو آیا ایسی جائیداد استری دھن سمجھی جائے گی؟۔ مکتب مہاراشٹر کے لحاظ سے جب صورت میں وراثت استری دھن ہے تو ایسی بچت یا جو جائیداد اس سے خریدی جائے گی وہ بھی استری دھن ہوگی لیکن دیگر مقامات میں ایسی بچت کے متعلق نیت دیکھنی ضروری ہے، اگر بچت سے جائیداد خرید کر اصل جائیداد میں شامل کرنے کی نیت ہو تو ایسی بچت یا جائیداد استری دھن نہ سمجھی جائے گی۔<sup>۱</sup>

### استری دھن کا ثبوت:

جو جائیداد عورت کے قبضہ میں ہو وہ سب استری دھن نہیں ہے، اس لئے یہ قرار دیا گیا ہے کہ اس امر کا بار ثبوت کہ عورت کے قبضہ میں جو جائیداد ہے وہ استری دھن ہے اس پر ہوگا جو اس کا استری دھن ہونا بیان کرے۔<sup>۲</sup>

## استری دھن صرف شوہر استعمال کر سکتا ہے:

خاص صورتوں میں شوہر کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنی زوجہ کا استری دھن استعمال کرے۔ ایسا حق صرف شوہر کو ذاتی طور پر حاصل ہے۔ اس حق کو اس کے عطا کرنے والے استعمال نہیں کر سکتے ہیں۔<sup>۱</sup>

## عورت کو استری دھن پر اختیاری قطع:

استری دھن کے متعلق عورت کے اختیارات صرف اس طرح محدود کئے گئے ہیں کہ وہ بغیر اپنے شوہر کی رضامندی کے منتقل نہیں کر سکتی ہے اس لئے جب کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو اس سے وہ قیود متعلق نہیں رہ سکتی بلکہ اس کو قطعی اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔

جب کوئی بیوہ اپنی محنت یا ہنر سے کوئی جائیداد حاصل کرے یا غیر اشخاص اسے کوئی جائیداد ہبہ کریں تو وہ استری دھن ہوگی اور بیوہ کو اس کے متعلق قطعی اختیارات حاصل ہوں گے۔ مگر جو جائیداد غیر منقولہ شوہر نے اپنی زوجہ کو ہبہ کی ہو اس کے منتقل کرنے کا اختیار زوجہ کو شوہر کے انتقال کے بعد بھی نہیں ہے۔ ایسا انتقال اس کے حین حیات جائز نہ ہوگا، لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کے استری دھن کے وارث اس کو کالعدم قرار دے سکیں گے۔<sup>۲</sup>

## وصیت (Wills)

### وصیت کا اختیار:

دھرم شاستروں میں وصیت کے متعلق احکام نہیں ہے لیکن ایسے اقوال موجود ہیں جن میں قرار دیا گیا ہے کہ جب کسی شخص نے کوئی جائیداد دوسرے شخص کو دینے کا وعدہ کیا ہو اور وہ اس کو دئے بغیر فوت ہو جائے تو اس کی اولاد وعدہ ایضاً عہد کرنے پر مجبور کی جائے گی۔ بادی النظر میں یہ اخلاقی ہدایت معلوم ہوتی ہے لیکن اب یہ طے ہو چکا ہے کہ ہر ہندو اپنی جائیداد بذریعہ وصیت اسی طرح منتقل کر سکتا ہے جس طرح وہ اپنی زندگی میں ہبہ کرنے کا مجاز ہے۔ دائے بھاگ کی رو سے خاندان مشترکہ کی صورت میں بھی ہر رکن کو اپنا حصہ بغیر تقسیم کرائے، منتقل کرنے کا اختیار ہے۔ اس لئے وہ اس کے متعلق وصیت بھی کر سکتا ہے موروثی جائیداد کے متعلق بھی باپ کو غیر محدود اختیارات حاصل ہیں اس لئے وہ بیٹوں کی موجودگی میں بھی اس کے متعلق وصیت کر سکتا ہے۔<sup>۱</sup>

### نابالغ وصیت نہیں کر سکتا ہے اور عورت کر سکتی ہے:

جب تک کوئی شخص سن بلوغ کو نہ پہنچے وہ اپنی جائیداد کے متعلق وصیت کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ جب کسی عورت کو کسی جائیداد کے متعلق قطعی اختیارات حاصل ہوں تو وہ بلا لحاظ اس کے کہ وہ منکوحہ وہ غیر منکوحہ اپنی جائیداد بذریعہ وصیت منتقل کرنے کی مجاز ہے۔ لیکن جس جائیداد کے متعلق اس کے اختیارات محدود ہیں اس کے متعلق وہ وصیت کرنے کی مجاز نہیں ہے، جب بیوہ اپنے شوہر کی جائیداد بذریعہ وراثت پاتی ہے تو اس کے متعلق اس کے اختیارات محدود ہیں اور وہ اس کو بذریعہ وصیت منتقل نہیں کر سکتی، اور جب ایک سے زائد بیوگان کسی جائیداد کی مشترکہ مالک ہوں تو ان میں سے کوئی ایک مشترکہ جائیداد کے متعلق وصیت نہیں کر سکتی۔<sup>۲</sup>

### وصیت کے متعلق ثبوت:

جب کوئی شخص کسی وصیت سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اس اس کا فرض ہے کہ ثابت کرے کہ وہ وصیت ایسے شخص کی ہے جو وصیت کرنے کا مجاز تھا اور جو کچھ وصیت نامہ میں درج کیا گیا ہے وہ درحقیقت موصی کا اصل منشاء ہے۔ جب عدالت کو اس امر کے متعلق شبہ پیدا ہو کہ وہ وصیت بلا جبر واکراہ نہیں ہوئی ہے تو ایسے شبہ کو رفع کرنے کا بار ثبوت اس شخص کے ذمہ ہوگا جو اس وصیت کو نافذ کرانا چاہتا ہے۔<sup>۳</sup>

<sup>۱</sup> لعل بہادر بنام کنہیا لعل، آلہ آباد، ج ۲۹، ص ۲۴۴

<sup>۲</sup> ٹیگور بنام ٹیگور، ویلکی رپورٹر، ج ۱۸، ص ۳۵۹

<sup>۳</sup> شاماچرن بنام کھترمنی، کلکتہ، ج ۲۷، ص ۵۲۱

## کس جائداد کے متعلق وصیت کی جاسکتی ہے :

جب کسی شخص کو اپنی زندگی میں کسی جائداد کے منتقل کرنے کا اختیار ہو تو وہ اس جائداد کو بذریعہ وصیت بھی منتقل کر سکتا ہے۔ ہر شخص اپنی علیحدہ یا مکسومہ جائداد کے متعلق وصیت کر سکتا ہے۔ جب کسی خاندان مشترکہ کی جائداد کا صرف ایک شخص مالک رہ جائے تو وہ اس جائداد کو بذریعہ وصیت منتقل کر سکے گا۔ خاندان مشترکہ کے ارکان جن سے متاکثر متعلق ہے، اپنی مشترکہ جائداد بذریعہ وصیت منتقل نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے فوت ہونے کے بعد بقیہ ارکان خاندان کو جائداد پسماندگی کے قاعدہ سے پہنچتی ہے، اور اس حق کو وصیت کے حق کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔<sup>۱</sup>

## وصیت کی رو سے صرف ایسی جائداد قائم کی جاسکتی ہے جس کو دھرم شاستر جائز کہتا ہے :

ہر شخص جسے وصیت کرنے کا اختیار ہو وہ یہ ہدایت کر سکتا ہے کہ اس کی جائداد کسے پہنچے گی اور اس کے حقوق کس قسم کے ہوں گے اور اس کے حق کے ختم ہونے کے بعد وہ جائداد کس کو پہنچے گی۔ ایسی شرائط قائم کرنے کے وقت موصی کو یہ اختیار نہ ہوگا وہ ان اشخاص کے متعلق جنہیں حق حاصل ہوں گے یا ان حقوق کے متعلق جو حاصل ہوں گے ایسی شرائط قائم کرے جو دھرم شاستر کے اصل احکام کے بناء پر ہوں اس لئے دھرم شاستر کی رو سے جس شخص کو جائداد عطا کی جاسکتی ہے صرف اسی شخص کو وصیت کے ذریعہ سے بھی عطاء ہو سکے گی اور جس قسم کی جائداد کو دھرم شاستر میں تسلیم کیا گیا ہے صرف اسی قسم کی جائداد وصیت کی بناء پر بھی عطاء کی جاسکے گی۔

اور بہت سارے مقدمات میں یہ قرار دیا گیا کہ کوئی شخص جدید قانون وراثت کا اپنی وصیت کے ذریعہ سے قائم نہیں کر سکتا ہے اور وصیت کی بناء پر حق حاصل کرنے کے لئے موصی لہ کاموصی کی وفات کے وقت وجود میں ہونا لازمی ہے۔<sup>۲</sup>

## کن امور کے متعلق وصیت جائز نہیں ہے :

وصیت جن میں یہ ہدایت ہو کہ جائداد کی وراثت کا سلسلہ اس طرح قائم ہوگا کہ عورتیں اور متبہی بیٹے محروم ہوں گے کا لعدم قرار دی گئی ہے۔ اور جائداد کے انتقال کے متعلق ایسی قیود بھی ناجائز ہیں جو اس حق کے مغائر عطا کیا گیا ہو۔ جب ایسی قیود کا یہ منشاء معاملہ ہوتا ہو کہ جائداد کسی شخص کی ملکیت نہ ہو متعدد موصی لہم کو یکے بعد دیگرے اس غرض سے پہنچے کہ وہ اس کے منافع سے مستفید ہوتے رہیں تو ایسی وصیت کا لعدم اور جائداد کے متعلق اس طرح عمل ہوگا کہ گویا وصیت نہیں کی گئی ہے۔ اور جب جائداد عطا کی جائے اور اس کے بعد انتقال کے متعلق عطا کی نوعیت کے مغائر قیود قائم کی جائیں تو ایسے قیود ناجائز ہیں اور جائداد بلا کسی



قید کے منتقل ہوگی۔ اور نیز ایسے قیود اس صورت میں بھی ناجائز ہوں گے جب وہ اس غرض سے قائم کئے گئے ہوں کہ جائیداد کو قرضہ کی ذمہ داری سے یا اور کسی ذمہ داری سے محفوظ رکھا جائے جو اس پر قانوناً عاید ہو سکتی ہے۔ اور ایسی شرط بھی کالعدم ہے جس میں ان اشخاص کو جائیداد تقسیم کرنے کی ممانعت کی گئی ہو جو کہ تقسیم کرنے کے مجاز ہوں۔<sup>۱</sup>

موصی کو یہ حق حاصل ہے کہ ایک یا زائدہ موصی لہم کو یکے بعد دیگرے حین حیات حقوق عطا کرے اور یہ ہدایت کرے کہ ان کے حقوق ختم ہونے کے بعد جائیداد کا کوئی اور شخص قطعی مالک ہوگا۔ جب جائیداد میں حین حیات حق کسی شخص کا قائم رہے تو آخری موصی لہ حین حیات حق کے ختم ہونے کے بعد جائیداد پائے گا لیکن اگر کسی شخص کا حق ختم کئے بغیر موصی لہ کے حق کا استعمال نابالغی کے زمانہ کے بعد ملتوی کیا جائے تو ایسی شرط کالعدم ہوگی۔ جس شرط کو اس طرح قائم کرنے کا موقع نہیں ہے وہ اس طریقہ سے بھی قائم نہیں کہ جاسکتی کہ جائیداد پر اماناء کا قبضہ قائم کیا جائے۔<sup>۲</sup>

لیکن بمقتد امرت لعل دت بنام سرنوموئی داسی (کلکتہ، جلد ۲۴، صفحہ ۵۸۹) مسٹر جسٹس جنکسن نے ایسی شرط کو جائز قرار دیا ہے جس کی رو سے جائیداد کی آمدنی بیوہ کی زندگی میں جمع کئے جانے کی اور بیوہ کے مرنے کے بعد متنبی بیٹے کو اور اگر وہ نہ ہو تو بیٹی کے بیٹے کو کل جائیداد دئے جانے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ایسی شرط کو اس اصول پر جائز قرار دیا گیا ہے کہ کم جائیداد ایسے شخص کو پہنچنے والی ہے جو وجود میں ہے تو ایسے شخص کا تعین بیوہ کی زندگی میں نہیں ہو سکتا ہے۔<sup>۳</sup>

### وصیت کا طریقہ اور اس کی تعبیر:

دھرم شاستر کے احکام کے مطابق وصیت زبانی ہو سکتی ہے لیکن ایسی وصیت پورے طور پر ثابت ہونی چاہئے۔ اگر کوئی کاغذ موصی کی ہدایت کے موافق مرتب ہوا ہو اور اس نے اسے قبول کیا ہو تو وہ وصیت نامہ ہو سکے گا جو اس پر موصی کے دستخط ثبت نہ کئے گئے ہوں۔ اگر کسی کاغذ میں موصی کی آخری خواہش درج ہو تو اس کاغذ کی نوعیت ناقابل لحاظ ہے مثلاً عرضی جو عہدہ داران سرکار کے روبرو پیش کی گئی ہو یا عہدہ داران سرکاری کے استفسار کا جواب وصیت نامہ قرار دیا گیا ہے۔<sup>۴</sup>

### تفہیم:

**What property may be disposed of by will? - Under the pure Hindu Law, a Hindu could not by will bequeath property which he could not**

۱۔ ہری لعل بنام بائی منی، بمبئی، ج ۲۹، ص ۳۵۱

۲۔ راجیندر بنام شام چند، کلکتہ، ج ۲، ص ۱۰۶

۳۔ کلیان بنام سانول، الہ آباد، ج ۷، ص ۱۶۳

۴۔ راجیندر لعل بنام راج کمار، کلکتہ، ج ۳۴، ص ۵

have alienated by gift inter vivos nor can he by will so dispose of his property as to defeat the legal right of his wife or any other person to maintenance. (R.K. Agarwal, p.378)

ازدواج کے متعلق جو دستاویز مرتب ہوئی ہو یا دستاویز انتقال میں اگر آخری خواہش درج ہو تو وہ بطور وصیت نامہ استعمال ہو سکتا ہے۔ اور جس طریقہ سے وصیت کی جاسکتی ہے اسی طریقہ سے اس کی تہنیک بھی کی جاسکتی ہے، اور وصیت کی تہنیک کے لئے کوئی معین الفاظ ضروری نہیں ہیں اگر موصی کا منشاء تہنیک کے متعلق ظاہر ہوتا ہو وہ کافی ہے۔<sup>۱</sup>

جب جائیداد عام الفاظ میں منتقل کی گئی ہو اور اس امر کی صراحت نہ ہو کہ کامل حقوق منتقل کئے گئے ہیں تو جب تک منشاء اس کے خلاف ظاہر نہ ہوتا ہو یہ قرار دیا جائے گا کہ کامل حقوق منتقل کئے گئے ہیں اور اس صورت میں بھی کامل حقوق منتقل ہو جائیں گے جب ایسی شرائط قائم کی گئی ہوں جو کالعدم ہوں۔<sup>۲</sup>

### مبہم الفاظ میں وصیت :

اگر کوئی وصیت ایسے الفاظ میں کی جائے کہ موصی کا منشاء نہ معلوم ہو سکے تو اس وصیت پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ جب موصی کا منشاء معلوم ہو سکتا ہے تو اس کی تکمیل کی پوری کوشش کی جائے گی لیکن جب منشاء نہ معلوم ہو سکے تو عدالت موصی کی طرف سے وصیت مرتب نہیں کر سکتی۔ اور جب وصیت ان الفاظ میں ہو کہ ”غریب رشتہ داروں متعلقین اور ملازمین کو ملے“ تو ایسی وصیت جائز ہے، کیونکہ منشاء کا تعین ہو سکتا ہے۔<sup>۳</sup>

### وصیت کا لعدم ہونے کی صورت میں وارث مالک ہوگا :

جب کوئی جائیداد وصیت کے ذریعہ سے بطور جائز منتقل نہ ہوئی ہو تو وہ جائیداد وارث کو پہونچے گی گو وصیت میں اس امر کی صراحت ہو کہ وارث کو جائیداد نہ پہونچے۔ جب کوئی جائیداد جائز طور پر منتقل ہو جائے تو وارث کچھ نہیں پاسکتا۔ لیکن جب تک وہ منتقل نہ ہو اس وقت تک وارث ہی مستحق ہوگا خواہ موصی کا وارث کو محروم کرنے کا ارادہ ظاہر ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔<sup>۴</sup>

### غیر قانونی وصیت :

کوئی شخص اگر دھوکے بازی سے یا زبردستی سے وصیت کرا لیتا ہے تو یہ وصیت غیر قانونی ہوگی، لیکن اگر ثابت ہو جائے کہ یہ وصیت درست ہے، تو وصیت جائز ہوگی ورنہ نہیں۔<sup>۵</sup> (R.K. Agarwal, )

p.379)

۱۔ Hindu Law, R.K. Agarwal, p.378, Central Law Agency Allahabad

۲۔ رامیشور بنام گچھی، کلکتہ، ج ۳۱، ص ۱۱۱ ۳۔ منورا بنام کالی چرن، کلکتہ، ج ۳۱، ص ۱۶۶ ۴۔ پرسٹو بنام تارک ناتھ، ویلنگی رپورٹر، ج ۱۹، ص ۴۸

۵۔ Hindu Law, R.K. Agarwal, p.379, Central Law Agency Allahabad

## وراثت (Inheritance)

### اولاد کی وراثت:

اولاد سے بیٹے، پوتے پر پوتے مراد ہیں۔ دھرم شاستر کا عام قاعدہ یہ ہے کہ اوپر کے درجہ کے ورثاء اپنے سے نیچے کے درجہ کے ورثاء کو محروم کرتے ہیں لیکن اس عام قاعدہ کا یہ استثناء ہے کہ بیٹے، پوتے اور پر پوتے ایک ساتھ وارث ہوتے ہیں۔ کھتیر بنام بورنو۔ ویلکی رپورٹ جلد ۱۵ صفحہ ۴۸۲۔

اگر کسی شخص کے فوت ہونے پر اس کے سب بیٹے زندہ ہوں تو جائیداد صرف ان بیٹوں کی تعداد کے لحاظ سے مساوی حصوں میں تقسیم ہوگی اور یہ امر قابل لحاظ نہ ہوگا کہ ان بیٹوں کے اولاد ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کم ہے یا زیادہ۔ البتہ جب کوئی بیٹا اپنے باپ کی زندگی میں فوت ہو گیا ہو اور باپ کے فوت ہونے کے وقت ایسے بیٹے کا بیٹا یا پوتا موجود ہو تو ایسا بیٹے کا بیٹا یا پوتا اپنی شاخ کا قائم مقام ہوگا اور وہی حصہ پائے گا جو اس شاخ کو اس صورت میں ملتا جب بزرگ خاندان کے سب بیٹے اس کے فوت ہونے پر زندہ ہوتے۔

جب باپ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں سے تقسیم کر لی ہو اور تقسیم کے بعد اس کے کوئی بیٹا پیدا ہو تو ایسا بیٹا کل جائیداد کا وارث ہوتا ہے۔ اور وہ بیٹے محروم ہو جاتے ہیں جو سابق میں تقسیم کرا چکے ہیں۔<sup>۱</sup>

جب باپ نے اپنے کسی بیٹے سے تقسیم نہ کی ہو تو اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے کل بیٹے وارث ہوتے ہیں اور اگر کوئی بیٹا باپ کی زندگی میں فوت ہو گیا ہو تو اس کا بیٹا یا پوتا اس شاخ کے قائم مقام کی حیثیت سے اس کا حصہ پاتا ہے۔

جب آخری مالک جائیداد کے فوت ہونے پر اس کے بیٹے جائیداد کے وارث ہوں تو ان کی اولاد کو بھی اس جائیداد میں حق ہوگا۔ ایسا حق اس جائیداد کے متعلق بھی حاصل ہوگا جو آخری مالک جائیداد کی مکسوبہ ہو یا جسے اس نے تقسیم کرا کر علیحدہ کر لی ہو اور جب وارث ایسا ہو جو جائیداد اپنے باپ سے تقسیم کرا چکا تھا تو بھی اس کے وارث ہونے پر اس کے بیٹے، پوتے اور پر پوتے کو اس جائیداد میں حق حاصل ہوگا۔

بمقدمہ فقیر پانام یلپا (بمبئی جلد ۲۲ صفحہ ۱۰۱) یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر پوتا اپنے دادا سے موروثی جائیداد تقسیم کرا لے اور اس کے بعد دادا کی مکسوبہ جائیداد خاندان مشترکہ کے ارکان کو ملے تو ایسا پوتا جو تقسیم کرا چکا ہے اس مکسوبہ جائیداد میں حصہ پانے کا دعویٰ نہ کر سکیگا۔

بیٹے بلا لحاظ اس امر کے مساوی حصہ پاتے ہیں کہ وہ ایک ہی ماں کی اولاد ہیں یا مختلف ماؤں کی۔ جائیداد بیٹوں کی تعداد کے لحاظ سے مساوی حصوں میں تقسیم کی جائے گی۔<sup>۲</sup>

<sup>۱</sup> ٹونڈر نرائن بنام رگھناتھ نرائن، ویلکی رپورٹر، ۱۸۶۳ء، مقدمات دیوانی، ص ۲۰

<sup>۲</sup> ٹولی بنام بھگوان۔ الد آباد، ج ۳، ص ۴۷

## The Hindu Succession Act 1956 Section 20

**Right of Child in Womb-** A child who was in the womb at the time of the death of an intestate, and who is subsequently born alive shall have the same right to inherit to the intestate as if he or she had been born before the death of the intestate, and the inheritance shall be deemed to vest in such a case with effect from the death of the intestate.

اس سٹشن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ والد کے مرنے کے بعد بچہ (لڑکا یا لڑکی) پیدا ہوتا ہے تو وارث ہوگا۔<sup>۱</sup>

### داسی پتر:

تین اعلیٰ ذاتوں میں ایسی عورت کی اولاد وارث نہیں ہو سکتی ہے جس سے ازدواج نہ ہوا ہو۔ ایسی اولاد صرف نان و نفقہ کی مستحق ہوتی ہے اور نان و نفقہ کا حق بھی صرف ذاتی حق ہے جو قابل تو ریٹ نہیں ہے۔  
الہ آباد ہائی کورٹ نے قرار دیا کہ ایسے برہمن کی اولاد جو کسی داشتہ سے ہو وارث ہو سکتی ہے جو ذات سے خارج ہو گیا ہو اور اپنے خاندان سے علیحدہ ہونے کے بعد اس سے جائداد حاصل کی ہو۔ ایسی اولاد بالاشتراک یا بالانفراد شوروں میں وارث ہو سکتی ہے۔

منو (باب ۹ فقرہ ۱۷۹) اور متاکشرا (باب الفصل ۱۲ فقرہ ۱) میں حکم ہے کہ شوروں میں داسی پتر باپ کی مرضی سے حصہ پا سکتا ہے اور باپ کے فوت ہونے کے بعد اس کے سوتیلے بھائیوں پر فرض ہے کہ اس کو نصف حصہ دیں اور اگر اس کے کوئی بھائی نہ ہو تو وہ کل جائداد کا وارث ہوگا۔<sup>۲</sup>

### داسی پتر کس کے وارث ہو سکتے ہیں؟

داسی پتر صرف اپنے باپ کی جائداد کا وارث ہو سکتا ہے۔ وہ باپ کے اور رشتہ داروں کا وارث نہیں ہو سکتا۔

اگر داسی پتر کا باپ خاندان مشترکہ کا رکن ہو تو اس کے فوت ہونے پر جائداد پسماندگی کے قاعدہ سے باقی ارکان کو پہونچگی اور داسی پتر تقسیم کرانے کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ وہ خاندان مشترکہ کا رکن نہیں ہے۔  
داسی پتر کو پیدا ہوتے ہی مثل اور لیش بیٹے کے خاندان مشترکہ کی جائداد میں کوئی حق نہیں پہونچتا۔ باپ اپنی زندگی میں اگر اپنے کسی فعل سے اس کو خاندان کا رکن بنا دے تو وہ مستحق ہو سکتا ہے۔<sup>۳</sup>

<sup>۱</sup> Bare Act, Hindu Law 2008, p.24, C.L.Publications, Allahabad

<sup>۲</sup> منو باب ۹ فقرہ ۱۷۹۔ متاکشرا، فصل ۱۲، فقرہ ۱۔  
<sup>۳</sup> رام سرن بنام ٹیک چند۔ کلکتہ، ج ۲۸، ص ۱۹۴

جب داسی پتر اور ایش جانداد کے مالک ہو جائیں و بالاشتراک رہنے کی صورت میں داسی پتر ایش کی جانداد بھی پسماندگی کے قاعدہ سے پائے گا اگر ایش کے اولاد نہ ہو اور وہ داسی پتر سے اشتراک کی حالت میں فوت ہو جائے تو داسی پتر ایش بیٹے کی بیوہ اور بیٹی کو محروم کر سکے گا۔

بمقدمہ جو گندر بنام تیانند (مکلتہ جلد ۱۸ صفحہ ۱۵۱) قرار دیا گیا ہے کہ یہ قاعدہ ناقابل تقسیم سے راج بھی متعلق ہے۔ داسی پتر کے ایش بیٹے کو وہی حقوق حاصل ہوتے ہیں جو اس کے باپ کو حاصل تھے اور وہ اس کے قائم مقام کی حیثیت سے اس طرح جانداد پاسکے گا جس طرح کہ داسی پتر زندہ رہنے کی صورت میں خود پاتا۔

جب ایک سے زیادہ داسی پتر ہوں تو وہ ایک دوسرے کے بحیثیت بھائی وارث ہو سکتے ہیں۔ داسی پتر اور اس کی ماں بھی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں۔

### اولاد کے بعد بیوہ وارث ہے:

جب کسی شخص کے کوئی بیٹا یا پوتا یا پڑپوتا نہ ہو تو اس کی بیوہ وارث ہوگی۔ جب ایک سے زیادہ بیوگان ہوں تو وہ بالاشتراک وارث ہوں گی۔ تارا چند بنام رام۔ مدراس ہائی کورٹ رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۵۱۔

جملہ بیوگان ایک وارث کی حیثیت سے جانداد حاصل کرتی ہیں اور ان سے پسماندگی کا قاعدہ متعلق ہے۔ جب تک ایک بیوہ زندہ رہے اس وقت تک کوئی بعد کے درجہ کا وارث مستحق نہیں ہو سکتا۔ جب جانداد ناقابل تقسیم ہو تو بڑی بیوہ وارث ہوتی ہے اور بیوگان کو نان و نفقہ کا حق ہوتا ہے۔<sup>۱</sup>

### جب ایک سے زیادہ بیوگان ہوں:

جب ایک سے زیادہ بیوگان وارث ہوں تو جانداد قابل تقسیم ہونے کی صورت میں وہ جانداد کی آمدنی مساوی حصوں میں تقسیم کرنے کی مجاز ہوں گی۔ اگر وہ کل جانداد کو بڑی بیوہ کے قبضہ میں بحیثیت منظمہ رکھنا مناسب نہ خیال کریں تو اس قرار داد کی بناء پر یا عدالت کے حکم سے اپنے اپنے حصہ پر قابض ہو سکیں گی لیکن وہ اپنے اپنے حصہ کی اس طرح تقسیم نہ کر سکیں گی کہ ہر ایک کو اپنے حصہ پر قطعی حق حاصل ہو جائے۔ جب کوئی بیوہ اپنے حصہ پر قابض ہو تو بھی پسماندگی کا قاعدہ متعلق ہوگا اور ایک بیوہ کے فوت ہونے پر دوسری بیوہ اس کے قبضہ کی مستحق ہوگی۔

### بیوہ کے بدچلن ہونے کا اثر:

جب کوئی عورت بدچلن ہو تو وہ اپنے شوہر کی وارث نہ ہو سکے گی۔<sup>۲</sup>

جب بدچلنی کا ارتکاب شوہر کی صریح خواہش پر ہوا ہو تو بیوہ محروم نہ ہوگی۔ جب بیوہ حق وراثت پہنچنے کے وقت بدچلن ہو اور وہ وارث ہو جائے تو اس کی بدچلنی مابعد سے اس کے حقوق زائل نہ ہوں گے۔<sup>۱</sup> مگر جدید قانون کے مطابق اگر کوئی عورت (بیوی، بیٹی، ماں وغیرہ) بدچلن ہو جائے تو بدچلنی کی وجہ سے وراثت سے محروم نہیں ہوگی۔

Unchastity of a female heir also is no disqualification under this Act.

(Hindu Law, R.K. Agarwal, p.280)

### بیوہ کے مکمل رازدواج کا اثر:

برٹش انڈیا میں ایکٹ ۱۵/۱۸۵۶ء کی رو سے ہندو بیوگان کو مکمل رازدواج کا حق دیا گیا ہے لیکن اس قانون میں یہ حکم ہے کہ جب کوئی بیوہ مکمل رازدواج کرے تو جو حقوق اس نے اپنے شوہر کی جائداد میں حاصل کئے ہوں وہ زائل ہو جائیں گے۔ جب کوئی بیوہ ایسے حالات میں مکمل رازدواج کرے کہ اگر ایکٹ ۱۵/۱۸۵۶ء نافذ ہوتا تو اس کا ازدواج مکمل رازدواج ہوتا تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ ایسی بیوہ نے جو حقوق اپنے شوہر کی جائداد میں حاصل کئے تھے وہ زائل ہو جائیں گے لیکن قطع نظر ایکٹ ۱۵/۱۸۵۶ء کے بعض فرقوں کے رواج کی بناء پر مکمل رازدواج جائز ہے۔ ایسی صورت میں یہ امر غور طلب ہوتا ہے کہ آیا مکمل رازدواج سے بیوہ کے حقوق زائل ہوں گے یا نہیں۔ اگر ایسے فرقوں کا کوئی ایسا رواج ثابت ہو کہ مکمل رازدواج کی بناء پر اپنے شوہر کی جائداد سے محروم کی جائے گی تو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس رواج کے موافق عمل کیا جائے گا۔

جس صورت میں جائداد کے متعلق کوئی خاص رواج ثابت نہ ہو اس صورت میں کیا عمل ہوگا اس بارے میں برٹش انڈیا کی عدالتوں میں اختلاف ہے۔ الہ آباد ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ ایسی صورت میں بیوہ مکمل رازدواج کی بناء پر جائداد سے محروم نہ کی جائے گی۔<sup>۲</sup>

### بیوہ کے بعد بیٹی وارث ہے:

بیوہ کے بعد یا بیوہ کے نہ ہونے کی صورت میں بیٹی وارث ہے بجز اس کے کہ وہ کسی مقام کے رواج کی بناء پر محروم کی گئی ہو۔

### بیٹی کا باعصمت ہونا:

مکتب بنگال کی رو سے بیٹی مثل بیوہ کے صرف اس صورت میں وارث ہو سکے گی جب وہ باعصمت ہو لیکن اگر وہ وارث ہونے کے بعد بدچلن ہو تو محروم نہ کی جائے گی۔ لیکن مدراس بمبئی اور الہ آباد ہائی کورٹ

نے قرار دیا ہے کہ وارث ہونے کے لئے نیک چلنی کی شرط صرف بیوہ سے متعلق ہے بیٹی سے یا ماں سے متعلق نہیں ہے۔<sup>۱</sup>

### نواسہ یعنی بیٹی کا بیٹا:

جب متوفی کی کوئی ایسی بیٹی باقی نہ رہی ہو جو وارث ہو سکتی ہو تو نواسہ اپنے نانا کی جائیداد کا وارث ہوتا ہے۔ نواسہ اپنی ماں سے ایسی صورت میں کوئی حق نہیں پاتا ہے بلکہ نانا کا وارث ہوتا ہے۔ جب تک کوئی بیٹی بھی جو وارث ہو سکتی ہو زندہ ہو اس وقت تک نواسہ وارث نہیں ہو سکتا۔

نواسوں کو نانا کی جائیداد میں اپنی ماں کے حصہ کے لحاظ سے حق نہیں پہنچتا بلکہ اپنے ذاتی حق کی بناء پر ان سب کو مساوی حصہ پانے کا حق ہوتا ہے۔ جب نواسے وارث ہوں تو جائیداد نواسوں کی تعداد کے لحاظ سے مساوی حصوں میں تقسیم ہوگی۔ اور ہر نواسہ اپنے حصہ کا قطعی مالک ہوگا۔<sup>۲</sup>

### ماں اور باپ کی وراثت:

نواسہ کے بعد درجہ ماں یا باپ کا قائم کیا گیا ہے۔ اس امر کے متعلق مختلف مکاتب میں اختلاف ہے کہ پہلے ماں وارث ہوگی یا باپ وارث ہوگا۔

### مکتب بنارس و متھلا:

مکتب بنارس و متھلا کی رو سے نواسہ کے بعد پہلے ماں کو وارث قرار دیا گیا ہے اور اس کے بعد باپ کو۔<sup>۳</sup>

بہمنی ہائی کورٹ نے قرار دیا ہے کہ متاکشرا میں ماں میں متبتی ماں بھی داخل ہے اور متبتی باپ کے قبل وارث ہوتی ہے۔

### مکتب بنگال:

مکتب بنگال کی رو سے پہلے باپ وارث ہوتا ہے اور اس کے بعد ماں ہوتی ہے۔<sup>۴</sup>

### مکتب مہاراشٹرا:

مکتب مہاراشٹرا کی رو سے قرار دیا گیا ہے کہ باپ کے مقابلہ میں ماں کو ترجیح حاصل ہے۔<sup>۵</sup>

یہ ترجیح باپ کے مقابلہ میں صرف ماں کو حاصل ہے اور جہاں تک کہ بندھوں کا تعلق ہے باپ کے بندھوں کو ماں کے بندھوں پر ترجیح حاصل ہے۔

<sup>۳</sup> متاکشرا، باب ۲، فقرہ ۳

<sup>۲</sup> نکیش بنام گرو راؤ، بہمنی، ج ۱، ص ۳۰۳

<sup>۱</sup> کوچی باڈو بنام لکشمی، مدراس، ج ۵، ص ۱۳۹

<sup>۵</sup> بال کرشن بنام لکشمی، بہمنی، ج ۱۳، ص ۲۰۵

<sup>۴</sup> داتے بھاگ باب ۱۱، فصل ۳، فقرہ ۸

## بھائی کا درجہ وراثت:

ماں یا باپ کے بعد وراثت میں بھائی کا درجہ قرار دیا گیا ہے۔<sup>۱</sup>  
متاکشرا اور نیزدائے بھاگ کی رو سے حقیقی بھائی کو سوتیلے بھائی کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔  
حقیقی بھائی پہلے وارث ہوگا اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں سوتیلے بھائی وارث ہو سکے گا لیکن میو کھ کی رو سے حقیقی بھتیجے کو سوتیلے بھائی کے مقابلہ میں مرتج حق حاصل ہے۔<sup>۲</sup>

## بھتیجے کی وراثت:

جب کوئی بھائی موجود نہ ہو تو مکتب بنارس و بنگال کی رو سے بھتیجے وارث ہوگا۔ جب تک کوئی بھائی موجود ہو بھتیجے وارث نہیں ہو سکتا کیونکہ عام اصول یہ ہے کہ جب قریب کا سپنڈ موجود ہو تو بعد کا سپنڈ وارث نہیں ہو سکتا۔

جب کسی شخص کو بحیثیت بھائی جائداد میں حق پہنچ جائے تو اس کے فوت ہونے پر اس کا قائم مقام وہ حق پائے گا مثلاً ایک شخص تین بھائی چھوڑ کر فوت ہو اور وہ اس کی جائداد کے وارث ہوں تو ان بھائیوں میں سے ایک کے فوت ہونے کے بعد اس کی اولاد کو اس کا حق پہنچے گا۔ جب بھائی فی الواقع حق پہنچنے کے وقت موجود ہو تو اس کا بیٹا اس کا قائم مقام ہو سکے گا۔ یہ کافی نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کے فوت ہونے کے وقت زندہ ہو۔ مثلاً اگر جائداد پہلے بیوہ کو پہنچے اور اس وقت بھائی زندہ ہو اور وہ بیوہ کی زندگی میں فوت ہو جائے تو ایسی صورت میں بھائی کا بیٹا اپنے باپ کا قائم مقام نہ ہو سکے گا۔<sup>۳</sup>

## نا قابل تقسیم جائداد کی وراثت

### نا قابل تقسیم جائداد:

’’نا قابل تقسیم جائداد‘‘ سے وہ جائداد مراد ہے، جو بہ لحاظ اپنی نوعیت کے ایسی ہو کہ اس کو صرف ایک شخص لے سکے مثلاً:-

- (الف) راج ایسی جائداد نہیں ہے کہ اسے ایک سے زائد اشخاص لے سکیں۔
- (ب) دیول ایسی جائداد نہیں ہے کہ اس کا سبیت ایک سے زیادہ ہو سکے۔
- (ج) مٹھ ایسی جائداد نہیں ہے کہ اس کا مہنت ایک سے زیادہ ہو سکے۔
- (د) ایسے عہدہ کی جائداد جس کا کام صرف ایک شخص انجام دے سکتا ہو۔

ابتداء میں جاگیرات اور وہ جائداد جو دیسمکھ، دلش پانڈے، دیسائی، ٹیل و پٹواری وغیرہ کو دی گئی تھی وہ خدمت کے معاوضہ میں دی گئی تھی لیکن زمانہ گزرنے سے بعض مقامات پر ایسی جائدادیں موروٹی



تصور کی جانے لگی ہیں اور وہ تقسیم کے قابل قرار دی گئی ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ خدمت کی انجام دہی کا مناسب انتظام کیا جائے۔ جس طرح کہ اس صورت میں جب کسی جائیداد پر دیوتا کی پوجا کی کفالت قائم کی جاتی ہے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ پوجا کے لئے ایک مناسب حصہ علیحدہ کر کے باقی جائیداد تقسیم کی جاتی ہے اسی طرح ایسی موردی عہدوں کی جائیداد کی بھی تقسیم کی جاتی ہے۔ (ٹیگور لکچرز بابت ۱۹۰۴ء صفحہ ۲۴) ۱۔

### راج کے متعلق وراثت کے قواعد:

راج ناقابل تقسیم قرار دیا گیا ہے اور اس کے وراثت کے متعلق ہر خاندان کا رواج متعلق سمجھا جاتا ہے۔ رواج اور شاستروں کے احکام کی رو سے حسب ذیل قواعد راج کے متعلق قرار دئے جاسکتے ہیں:-

- (۱) بڑا بیٹا راج کا مستحق ہوتا ہے۔
- (۲) چھوٹے بیٹے نان و نفقہ کے مستحق ہیں اور اکثر صورتوں میں ان کو جاگیر وغیرہ اس شرط سے عطا کی جاتی ہے کہ وہ فوجی خدمات انجام دیں۔
- (۳) اگر بڑے بیٹے میں وہ ناقابلیت ہو جس کی بناء پر معمولی جائیداد کے متعلق کسی شخص کو محروم الارث قرار دیا گیا ہے تو ایسا ناقابل شخص راج سے بھی محروم ہو جائے گا۔
- (۴) ناقابل شخص جب راج کا مستحق نہ قرار پائے اور اس کا چھوٹا بھائی راجہ ہو جائے تو اس ناقابل کی اولاد راج کی مستحق نہ ہوگی بلکہ اس چھوٹے بھائی کی اولاد مستحق ہوگی۔
- (۵) بڑا بیٹا اگر اپنے باپ کی زندگی میں فوت ہو جائے تو دوسرا بیٹا راج کا مالک نہ ہوگا بلکہ بڑے بیٹے کی اولاد مالک ہوگی۔ جب تک بڑی شاخ کی اولاد موجود ہے چھوٹی شاخ مستحق نہ ہوگی۔
- (۶) جب کوئی بیٹا یا خاندان کا اور رکن از قسم ذکور نہ ہو تو بیٹی راج کی مالک ہو سکتی ہے۔
- (۷) اگر بڑا بیٹا بدچلن ہو تو اس کو محروم کر کے چھوٹے بیٹے کو راج دیا جاسکتا ہے۔ (ٹیگور لکچرز بابت ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۶۹ اور ۱۷۰) ۲۔

### اشخاص جو محروم الارث قرار دئے گئے ہیں:

منو نے مفصلہ اشخاص کو محروم الارث قرار دیا ہے:-

- (۱) عنین (نامرد)
  - (۲) وہ شخص جو ذات سے خارج کیا گیا ہو۔
  - (۳) پیدائشی اندھا
  - (۴) پیدائشی بہرا
  - (۵) گونگا
  - (۶) وہ شخص جو تر اندری ہو یعنی جس کے دس اندریوں میں سے کوئی ایک اندری نہ ہو
  - (۷) فائر العقل یا مجنون
  - (۸) وہ شخص جو کسی ناقابل علاج مرض میں مبتلا ہو مثلاً جذام۔ ۳
- نا قابلیت کا بار ثبوت اس شخص پر ہوگا جو اس کی بناء پر کسی شخص کو محروم کرنا چاہے۔

## وہ اشخاص جو ذات سے خارج کئے گئے ہیں:

برٹش انڈیا میں ایسے اشخاص کے متعلق جو ذات سے خارج کئے گئے ہوں یا جنہوں نے اپنا مذہب تبدیل کیا ہوا ایکٹ (۲۱) بابت ۱۸۵۰ء کی رو سے قرار دیا گیا ہے کہ وہ محروم الارث نہ ہوں گے۔ ذات سے خارج ہونے کے کچھ ہی وجہ کیوں نہ ہو لیکن اس قانون کا یہ اثر ہے کہ ایسا شخص محروم الارث نہ ہوگا۔ ہونما بنام ثمن بھٹ، بمبئی جلد ۱ صفحہ ۵۵۹۔

بیوہ بعض صورتوں میں بد چلنی کی وجہ سے ذات سے خارج ہو سکتی ہے لیکن ایکٹ (۲۱) ۱۸۵۰ء کا یہ اثر نہیں ہو سکتا ہے کہ بیوہ کو بد چلنی کی وجہ سے جو محروم الارث کیا گیا ہے وہ حکم غیر مؤثر ہو جائے گا۔

ایکٹ ۲۱/۱۸۵۰ء کا صرف یہ اثر ہے کہ دھرم شاستر کے اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا ہے جس کی رو سے کسی شخص کو اس بناء پر محروم الارث قرار دیا گیا تھا کہ وہ ذات سے خارج ہو گیا ہے۔<sup>۱</sup>

ایکٹ ۲۱/۱۸۵۰ء کی رو سے الہ آباد ہائی کورٹ نے قرار دیا ہے کہ اگر کوئی ہندو مسلمان ہو جائے تو وہ اپنے ہندو چچا کا وارث ہو سکتا ہے۔

## نا قابلیت پیدائشی اور ناقابل علاج ہونی چاہئے:

کسی شخص کو اس بناء پر محروم الارث قرار دینے کے لئے کہ وہ اندھا، بہرا، گونگا، مجنون یا فا تر العقل ہے۔ یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ پیدائشی اندھا، بہرا، گونگا یا فا تر العقل ہے۔

جنون کی صورت میں یہ ثابت کرنا کافی ہے کہ جس وقت وراثت کا تصفیہ ہو اس وقت وہ مجنون تھا۔ جنون کے لئے یہ دیکھنا ضروری نہیں ہے کہ وہ پیدائشی ہے۔ کسی شخص کو پیدائشی فا تر العقل قرار دینے کے لئے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کی تعلیم حاصل کرنے کے ناقابل ہے اور وہ نیک اور بد میں تمیز نہیں کر سکتا۔ صرف یہ ثابت کرنا کافی نہ ہوگا کہ اس کو معمولی سمجھ نہیں ہے۔<sup>۲</sup>

### The Hindu Succession Act 1956 Section 28

**Disease, defect, etc. not to disqualify** - No person shall be disqualified from succeeding to any property on the ground of any disease, defect or deformity, or save as provided in this Act, on any other ground whatsoever.

اس سیکشن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اگر کسی کو کسی بھی قسم کی بیماری لاحق ہو تو اس بیماری کی وجہ سے اپنے مورث کی وراثت سے محروم نہیں ہوگا۔<sup>۳</sup>

<sup>۱</sup> گو بند کرشن بنام عبدالقیوم، الہ آباد، ج ۲۵، ص ۵۴۶ <sup>۲</sup> مہیش چندر بنام موہن چندر۔ ویلکی رپورٹر، ج ۲۳، ص ۷۸

## قاتل مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا:

دھرم شاستر میں بھی اس قاعدہ کی صراحت ہے کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا اور عام اصول کے لحاظ سے کوئی شخص کسی ایسے شخص کی موت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا جس کا وہ باعث ہوا ہو۔ ایسی ناقابلیت صرف ذاتی ہے اور قاتل کے رشتہ دار اس کی وجہ سے محروم نہ ہوں گے۔<sup>۱</sup>

### The Hindu Succession Act 1956 Section 25

**Murderer Disqualified** - A person who commits murder or abets the commission of murder shall be disqualified from inheriting the property of the person murdered, or any other property in furtherance of the succession to which he or she committed or abetted the commission of the murder.

اس سکن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرتا ہے یا کسی کو قتل پر اکساتا ہے تو مقتول کی جائیداد کا قاتل وارث نہیں ہوگا۔<sup>۲</sup>

## محروم الارث کی اولاد وارث ہو سکتی ہے:

جب کوئی شخص محروم الارث قرار دیا گیا ہو تو اس کا اثر صرف اس کی ذات پر پڑیگا۔ اس کی اولاد وارث ہو سکے گی۔ شخص محروم الارث کی بیوہ بحیثیت بیوہ ایسی جائیداد کی وارث نہیں ہو سکتی ہے جو شوہر کو نہیں پہونچ سکتی تھی لیکن اس کا بیٹا وارث ہو جائے تو بیوہ بحیثیت ماں کے وارث ہو سکے گی۔ متاکشرا باب ۲، فصل ۱۰، فقرہ ۸-۱۱۔

لیکن دھرم شاستر متعلقہ بمبئی کے اصول کے لحاظ سے بیوہ اپنے حق کی بناء پر وارث ہو سکتی ہے گوا اس کا شوہر ناقابل ہو۔<sup>۳</sup>

### The Hindu Succession Act 1956 Section 26

**Convert's descendants disqualified** - Where, before or after the commencement of this Act, a Hindu has ceased or ceases to be a Hindu by conversion to another religion, children born to him or her after such conversion and their descendants shall be disqualified from inheriting the

۱۔ گنگانام چندر بھاگابائی، بمبئی، ج ۳۲، ص ۲۷۵

۲۔ Bare Act, Hindu Law 2008, p.25, C.L.Publications, Allahabad

۳۔ گنگانام چندر بھاگابائی، بمبئی، ج ۳۲، ص ۲۷۵

property of any of their Hindu relatives, unless such children or descendants are Hindus at the time when the succession opens.

اس سکشن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اگر کوئی ہندو، ہندو مذہب ترک کر دے تو وہ اپنی مورث کا وارث نہیں ہوگا۔ اگر ان کے بچے تقسیم کے وقت ہندو نہ ہوں تو ان کو ہی وراثت سے محروم ہونا پڑے گا ورنہ نہیں۔

## دان (Gift)

ہندو مذہب میں ہبہ کو ”دان“ کہتے ہیں ہبہ ہندوؤں کے لئے کافی اہمیت رکھتا ہے۔

### ہبہ کے جواز کی شرائط:-

دھرم شاستر کے احکام کی رو سے ہبہ کے جواز کے لئے مقصد ذیل شرائط کی تکمیل لازمی ہے:

(۱) واہب اور موہوب لہ کا وجود میں ہونا۔ (۲) مالک جائداد کا اپنے حقوق سے دست بردار ہونا اور موہوب لہ کا ان حقوق کو قبول کرنا (۳) موہوب لہ کا جائداد موہوبہ پر قبضہ ہونا، ایسا قبضہ معنوی ہو سکتا ہے۔ مثلاً موہوب لہ کو کرایہ یا لگان وصول ہونا یا دستاویز ہبہ اس کو دینا یا دستاویزات حقیقت اس کو دینا یا اس کے نابالغ ہونے کے صورت میں جائداد بحیثیت امین قبضہ رکھنا (۴) جب کوئی شخص رحم مادر میں ہو یا متبنی لیا جانے والا ہو تو ایسے شخص کے حق میں ہبہ ہو سکتا ہے۔

جو ہبہ کسی شخص نے غصہ میں یا افراطِ مسرت میں یا حالتِ بیماری یا غایتِ بڑھاپے میں کیا ہو وہ ناجائز

ہے۔<sup>۱</sup>

### وہ جائداد جو ہبہ کی جاسکتی ہے:-

صرف ایسی جائداد ہبہ کی جاسکتی ہے جس پر واہب کو قطعی اختیارات حاصل ہوں ہر شخص اپنی مکتوبہ جائداد ہبہ کر سکتا ہے۔ لیکن موروثی جائداد کے متعلق اس کے حقوق متاکشرا کی رو سے اس کے بیٹوں کے حقوق سے محدود ہو گئے ہیں۔ جب تک خاندان اشتراک کی حالت میں رہے اس وقت تک متاکشرا کے اصول کے لحاظ کسی رکن خاندان مشترکہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مشترکہ جائداد کا کوئی جز و یا اس جائداد میں اپنا حصہ ہبہ کرے۔

دائے بھاگ کی رو سے چونکہ آخری مالک کے مرنے کے بعد حقوق کا تعین ہو جاتا ہے اس لئے اشتراک کی حالت میں بھی ہر رکن خاندان کے حصہ کا تعین ہو سکتا ہے اور ہر رکن اپنے حصہ کی حد تک جائداد ہبہ کر سکتا ہے۔ جب جائداد مذہبی یا خیراتی کام کے لئے ہبہ کی جائے تو باپ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ موروثی جائداد کا خفیف جز وہبہ کرے۔<sup>۲</sup>

### ہبہ کے ساتھ شرائط قائم کی جاسکتی ہیں:-

جب کوئی جائداد ہبہ کی جائے تو واہب ایسی شرائط قائم کر سکتا ہے جو خلاف قانون یا اخلاق کے خلاف نہ ہوں مثلاً یہ کہ موہوب لہ واہب کی زندگی میں اس کی پرورش کرے گا یا اس کے رسوم میت انجام

دے گا یا دیوتا کی پوجا کے اخراجات ادا کرے گا یا اس کا جو مطالبہ ہے اس سے دست بردار ہو جائے گا۔ نیز ایسا بھی ہے جائز ہے کہ جس میں یہ شرط ہو کہ اگر وادھب بیماری سے اچھا ہو جائے تو وہ قابل تنسیخ ہوگا۔

لیکن ہے اس صورت میں کالعدم ہوگا جب موہوب لہ کو ایسی جائیداد پہونچائی گئی ہو جو دھرم شاستر کی رو سے قائم نہیں کی جاسکتی۔ اور شرائط کالعدم ہوں گے جو عطاء کی نوعیت کے مغائر ہو۔ مثلاً جائیداد موہوب کے متعلق موہوب لہ کو حق انتقال نہ ہونا یا اس کے تقسیم کرنے کا حق نہ ہونا۔

نیز جب ہے جائز ہو تو ایسی شرائط جو خلاف قانون یا خلاف اخلاق ہوں بے اثر ہوتی ہیں اور ہے برقرار رہتا ہے لیکن اگر خلاف قانون اخلاق شرائط ہے کا بدل ہوں تو ہے کالعدم ہو جاتا ہے۔ اور جب ہے مکمل ہو جائے تو وادھب ہے کے بعد شرائط قائم نہیں کر سکتا۔<sup>۱</sup>

جب زید کو تا عمر حقوق ہے کئے گئے ہوں اور اس کے بعد بکر کو کامل حقوق تو اگر زید کے حق میں ہے کالعدم ہو بکر کو فوراً کامل حقوق حاصل ہو جائیں گے۔

جب کسی شخص کے حق میں ہے اس شرط میں کیا جائے کہ وہ جائیداد موہوبہ کو سن بلوغ کے بعد ایک معین مدت تک استعمال نہ کر سکے گا تو یہ ہے جائز ہوگا لیکن شرط کالعدم ہو جائیگا اگر ایسی صورت میں اس مدت تک استعمال کا حق کسی دوسرے شخص کو ہے کیا گیا تو اب شرط بھی جائز اور درست ہوگی۔<sup>۲</sup>

### قبضہ :-

دھرم شاستر کی رو سے جائیداد موہوبہ پر قبضہ دینا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ جب کسی جائیداد کے بلا بدل دینے کا فقط وعدہ کیا جائے تو وہ قابل تعمیل نہیں ہے لیکن جب جائیداد دی جا چکی ہو تو وادھب کو یہ حق حاصل نہیں رہتا کہ وہ جائیداد مسترد کر سکے۔

جب وادھب نے جائیداد موہوبہ پر قبضہ دینے کے متعلق ہر فعل کی تکمیل کر دی ہو جو اس کے امکان میں ہو لیکن کسی شخص ثالث کی مزاحمت کی وجہ سے واقعی قبضہ موہوب لہ کا نہ ہوا ہو تو شخص ثالث کی یہ جواب دہی قابل لحاظ نہ ہوگی کہ موہوب لہ کا قبضہ نہیں ہے۔

محض دستاویز کی تکمیل کافی نہیں ہے۔ جائیداد موہوبہ پر کسی قسم کا حقیقی یا معنوی قبضہ ہونا چاہئے۔ اور موہوب لہ کی جانب سے ہے قبول ہونا چاہئے۔

### ہے جماعت کے حق میں :-

جب ہے کسی جماعت کے حق میں ہوا اور اس جماعت کے چند اشخاص لینے کے قابل ہو اور باقی اشخاص لینے کے قابل نہ ہوں تو ایسا ہے ان اشخاص کے حق میں بھی مؤثر نہ ہوگا جو لینے کے قابل ہوں، چونکہ یہ کہنا ناممکن ہے کہ وادھب کی کیا خواہش ہوتی اگر اس کو یہ معلوم ہوتا کہ اس کی خواہش کی پورے طور پر تکمیل

نہیں ہو سکتی ہے۔ اگر ایسی جماعت کے کل اشخاص ہبہ یا وصیت کی تکمیل کے وقت واقعی موجود بھی ہوں تو بھی اگر یہ ممکن تھا کہ ان میں سے چند موجود نہ ہوتے تو ایسا ہبہ یا وصیت جائز نہ ہوگی کیوں کہ جو واقعات وقوع میں آنے ممکن ہیں ان کا لحاظ کیا جائے گا نہ کہ ان کا جو واقعی وقوع میں آئے۔<sup>۱</sup>

مسٹر جرمن نے اپنی کتاب موسومہ وصیت جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۲ میں لفظ جماعت کی حسب ذیل تعریف کی ہے۔  
مجموعہ اشخاص اس وقت جماعت سمجھا جاتا ہے جب وہ کسی ایک نام سے موسوم کئے جاسکیں مثلاً فلاں شخص کے بیٹے یا پوتے یا بھتیجے تعین قانون کی نظر میں ہبہ جماعت کے نام اس وقت سمجھا جاتا ہے جب کوئی خاص جائیداد کسی ایسے مجموعہ اشخاص کے نام ہبہ کی گئی ہو جن کا ہبہ کے وقت تعین نہ ہو سکتا ہو اور جن کا تعین کسی وقت مابعد پر کیا جانا مقصود ہو۔ گو اس امر کی صراحت کی جائے کہ ہر شخص کس نسبت سے حصہ پائے گا لیکن حصہ کی تعداد اس جماعت کے ان اشخاص کی تو داد پر منحصر ہوتی ہے جو وقت مقررہ پر فی الواقع موجود ہوں۔

جب ایسی حالت میں کسی جماعت کے نام جائیداد ہبہ کی جائے تو ہبہ کا عدم قرار دیا جائے گا۔ لیکن یہ قاعدہ اس صورت میں متعلق نہیں ہوتا جب جماعت کے کل اشخاص کی صراحت ہو اور ہر شخص کے حصہ کا تعین ہو سکتا ہو۔ اگر دستاویز ہبہ کا یہ منشاء معلوم ہو کہ ہر شخص صرف اپنا مقررہ حصہ پائے گا تو جو اشخاص لینے کے قابل ہیں تو وہ اپنا اپنا حصہ پائیں گے اور جو لینے کے قابل نہیں ہیں ان کے متعلق ہبہ کا عدم ہو جائے گا۔ لیکن اگر منشاء یہ ہو کہ وہ بالاشتراك جائیداد معین حصوں میں پائیں گے تو جو اشخاص لینے کے قابل ہوں وہ کل جائیداد پائیں گے۔<sup>۲</sup>

جماعت کے حق میں ہبہ کا عدم ہونے کا قاعدہ اس صورت میں متعلق نہ ہوگا جب حق جو دیا گیا ہو وہ جماعت کے ارکان کی تعداد پر منحصر نہ ہو مثلاً مکان میں رہنے کا حق۔ ایسی صورت میں جو اشخاص حق حاصل کر سکتے ہوں ان کو حق حاصل ہو جائے گا۔

جب ہبہ علیحدہ علیحدہ اور علی سبیل البدل ہو اور ان میں سے ایک جائز ہو اور دوسرا ناجائز ہو تو جو ہبہ جائز ہو وہ منوثر ہوگا اور جو ناجائز ہوگا اس کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔

جوڈیشیل کمیٹی نے ایسے ہبہ کو جائز قرار دیا جو ستر وجیت اور اس کے بھائیوں کے حق میں کیا گیا تھا جو پیدا ہو چکے ہیں یا آئندہ پیدا ہو۔ جو بھائی کہ ہبہ کے وقت پیدا نہیں ہوئے تھے وہ اس ہبہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے لیکن ستر وجیت اور اس کے بھائی جو ہبہ کے وقت موجود تھے اس سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ اس مقدمہ میں ستر وجیت کو جائیداد موہوبہ پو قبضہ دے دیا گیا تھا۔ کلکتہ ہائی کورٹ نے بھی اس اصول سے اتفاق کیا ہے۔<sup>۳</sup>

۱۔ کمار تارا کشور بنام کمار شوشی، کلکتہ، ج ۹، ص ۹۶۰ ۲۔ ہندی سنگھ بنام سیتا رام، کلکتہ، ج ۱۶، ص ۶۷۷

۳۔ بھاگ پتی بنام کالی چرن، کلکتہ، ج ۳۸، ص ۴۶۸

## ہبہ کا اثر دینے والوں پر:-

جب کوئی ہبہ مکمل ہو جائے تو وہ صاحب کے مقابلہ میں قطعی ہے اور اس کے دینے والے بھی موہوب  
 لہ سے مطالبہ نہیں کر سکتے بشرط کہ ہبہ نیک نیتی سے جائیداد موہوب لہ کو دینے کی غرض سے کیا گیا ہو اور جائیداد  
 پوشیدہ کرنے کی غرض سے نہ ہو۔<sup>۱</sup>



## مذہبی دان (Trust)

دان مذہبی فرض ہے :-

دھرم شاستر کی کتابوں میں وقف یا دان یعنی خیرات انسان کا مذہبی فرض قرار دیا گیا ہے یہ بھی حکم ہے کہ کلیوگ میں انسان صرف دان سے پاک ہو سکتا ہے۔ ابتدائی زمانہ سے ان افعال کی تقسیم دو طریقہ سے کی گئی ہے جن سے مذہبی یا روحانی فائدہ ہو سکتا ہے یعنی (۱) اِشٹ (۲) پُرتا۔

”اِشٹ“ سے کون سے افعال مراد ہیں؟ :-

”اِشٹ“ حسب ذیل افعال پر مشتمل ہے :-

(۱) ویدوں کے احکام کے موافق یکیہ کرنا (۲) یکیہ کے وقت پجاری کو دان دینا (۳) ویدوں کی حفاظت کرنا (۴) تپ کرنا (۵) ایمان داری سے عمل کرنا (۶) اِٹھتیا، یعنی مہمان کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا۔ شاستروں میں مہمان کو پوجا کے قابل قرار دیا گیا ہے اور حکم ہے کہ ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ سب انسانوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرے اور ان کی خدمت کرے۔

”پُرتا“ سے کون سے افعال مراد ہیں :-

”پُرتا“ حسب ذیل افعال پر مشتمل ہے :-

(۱) یکیہ بھومی کے سوائے اور مقام پر دان دینا (۲) گرہن، طغیانی، زلزلہ، طوفان یا اور غیر معمولی موقعوں پر دان دینا (۳) کنٹھ، تالاب، بادی وغیرہ بنانا (۴) دیول بنانا (۵) دیوتاؤں کی یادگار میں جاتا وغیرہ پر امداد کرنا ”پُرتا“ کی تعریف میں داخل نہیں ہے، لیکن شاستروں میں اس کو بڑا دان قرار دیا گیا ہے۔

دان کی تعریف :-

اس زمانہ میں لفظ ”دان“ صرف ان افعال پر محدود نہیں ہے جو ”اِشٹ“ یا ”پُرتا“ میں داخل ہو سکتے ہیں بلکہ اس میں وہ سب افعال داخل ہیں جن سے انسان و حیوانات کو فائدہ پہونچانا مقصود ہو۔

پرتھوا و پران پرتھوا :-

جب دیول اور مورتی جس کے لئے دیول تیار کرایا گیا ہے تیار ہو جاتے ہیں تو پرتھوا و پران پرتھوا کی رسم انجام دی جاتی ہے۔ پرتھوا کے لغوی معنی ”مضبوطی کے ساتھ کھڑا ہونا“ ہیں۔ لیکن اس کے اصطلاحی

معنی ”کسی مورتی میں منتروں کے زور سے کسی خاص دیوتا کو بلانا“ ہے۔ مورتی میں دیوتا کو بلانے کا فعل پران پر تھکا کہلاتا ہے۔ جب مورتی میں دیوتا منتروں کی قوت سے آجاتا ہے تو وہ مورتی قانونی شخص کی تعریف میں داخل ہو جاتی ہے، اور ایسی مورتی کو جائیداد حاصل کرنے کا حق ہو جاتا ہے اور قانون کی نظر میں مورتی ایسا شخص ہے جو کبھی فوت نہیں ہو سکتا کیونکہ جس دیوتا کی اس میں پران پر تھکا ہوئی ہے وہ ہمیشہ موجود رہے گا، اور ایسی مورتی کسی دوسرے شخص مثلاً سیوک وغیرہ کی ملک میں نہیں ہو سکتی۔<sup>۱</sup>

### مورتی پوجا:-

جب مورتی کی پران پر تھکا ہو جاتی ہے تو اس کی روزانہ پوجا کرنا فرض ہے۔ ایسی پوجا کے لئے جائیداد وقف کی جاتی ہے اور جائیداد کی مورتی مالک ہوتی ہے۔ پوجا کے لئے شاستروں میں ایسی جائیداد کا وقف مستحسن قرار دیا گیا ہے جو پائیدار ہو یعنی جس کی مدد سے پوجا دواماً جاری رہ سکے مثلاً زراعتی آراضی۔  
**”برہموتز“ و ”دیوتر“:-**

جو جائیداد کسی برہمن کو اس غرض سے دان دی جائے کہ وہ کسی مورتی کی دواماً پوجا کرے وہ ”برہموتز“ کہلاتا ہے۔ اور ”دیوتر“ سے وہ جائیداد مراد ہے جو کسی مورتی کی پوجا کی غرض سے مورتی کے نام سے وقف کی جاتی ہے۔ ایسی جائیداد مورتی کی مالک ہے اور جو شخص مورتی کا سیوک یا اور طور پر قابض ہو وہ اس سے مستفیض نہیں ہو سکتا۔<sup>۲</sup>

### دیوتا دان:-

معمولی صورت میں جب کسی مورتی کی پران پر تھکا ہو جاتی ہے تو وہ قانون کی نظر میں ایک شخص ہو جاتی ہے لیکن بعض صورتوں میں یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ سونے یا چاندی کی مورتی بنا کر اس کی اس غرض سے پران پر تھکا کی جاتی ہے کہ وہ مورتی کسی برہمن کو دان دی جائے۔ ایسا دان ”دیوتا دان“ کہلاتا ہے اور جس شخص کو ایسی مورتی دان ملے اس کا فرض نہیں ہے کہ اس کی پوجا کرے بلکہ وہ اس کے سونے یا چاندی سے استفادہ کر سکتا ہے۔<sup>۳</sup>

### دیوتا کے لئے جائیداد وقف کرنے کا طریقہ:-

جب کوئی دیول یا آراضی دیوتا کی خدمت کے لئے وقف کرنا مقصود ہو تو مالک دیوتا کے نام سے اس کا شکپ کرتا ہے اور اگر کوئی سبیت یعنی پوجا جاری مقرر کیا گیا ہو شکپ اس کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے اور وہ بحیثیت دیوتا کے قائم مقام کے اس جائیداد کا قابض ہو جاتا ہے۔ اگر دان دینے والا خود ہی سبیت یعنی پوجا جاری ہو تو وہ معمولاً ایک دستاویز کی تکمیل کر دیتا ہے جس کی رو سے جائیداد دیوتا کے نام منتقل کر دی جاتی ہے۔<sup>۴</sup>

۱۔ منو ہرگنیش لمبا کرنام لکشمی رام، گوبند رام، بمبئی، ج ۱۲، ص ۲۳۷ ۲۔ دھرم شاستر مولفہ بیجنا تھ، ص ۲۵۴، حیدرآباد دکن

## جائداد جو مورتی پر چڑھائی جائے :-

پران پر تھکا کے بعد مورتی ایک شخص ہے جو جائداد کا مالک ہو سکتا ہے۔ دان کے لئے یہ ضروری ہے کہ موجودہ مالک اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائے، اور دوسرا شخص اس جائداد کے متعلق اپنے حقوق قائم کر لے ایسی صورت میں موجودہ مالک شکپ کے ذریعہ سے اپنے حقوق زائل کرتا ہے، اور جب وہ شئی مورتی کے پاس رکھ دی جاتی ہے تو مورتی قبضہ کی بناء پر اس کی مالک ہو جاتی ہے۔ متاکثر میں دان قبول کرنے کے تین طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) دماغی یعنی کسی شئی کو اپنے تصرف میں لانے کا ارادہ (۲) قول سے یعنی ایسے الفاظ استعمال کرنا جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکے کہ وہ دان قبول کیا گیا ہے۔ (۳) جسم کی حرکت سے مثلاً کسی شئی کو اس طرح چھونے سے کہ یہ سمجھا جاسکے کہ وہ قبول کی گئی ہے۔

## وقف جب قبضہ منتقل نہ ہوا ہو :-

جب کوئی جائداد کسی مورتی کے لئے وقف کی جائے تو ایسا وقف اس صورت میں بھی جائز ہوگا کہ جب جائداد کا قبضہ منتقل نہ کیا گیا ہو۔ موقوفہ جائداد کے لئے قبضہ منتقل ہونا لازمی نہیں ہے۔

## وقف کے لئے سرکاری اجازت ضروری نہیں :-

بمقدمہ جگت مہنی داسی بنام سکھ منی داسی (مورزا نڈین اپیل، جلد ۱۴، صفحہ ۳۰۲) جو کمیٹی نے قرار دیا ہے کہ جو شخص کسی جائداد کا قطعی مالک ہو وہ اپنی جائداد دیوتا کے نام وقف کر سکتا ہے اور ایسے وقف کے لئے سرکاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

## اصل مورتی جائداد کی مالک ہے دوسری مورتی نہیں :-

جب کسی مورتی کی پران پر تھکا کی جاتی ہے تو دیوتا اس مورتی میں آ جاتا ہے اور وہ مورتی ایک شخص ہے جو جائداد حاصل کر سکتی ہے۔ جب تک وہ مورتی موجود ہے ایسی جائداد کسی دوسری مورتی کے نام منتقل نہیں ہو سکتی جو کسی اور مقام پر قائم کی گئی ہو۔

## مذہبی یا خیراتی کام کے لئے جائداد کا انتقال :-

دائے بھاگ کے اصول کے مطابق ہر مالک جائداد کو بلا لحاظ اس کے کہ جائداد مکسوبہ ہے یا مورتی یا منقسمہ یا غیر منقسمہ اپنی جائداد منتقل کرنے کا اختیار حاصل ہے اور اس لئے وہ مذہبی یا خیراتی کام کے لئے بھی منتقل کر سکتا ہے ایسا انتقال وصیت کے ذریعہ سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

## متا کشر :-

لیکن متا کشر کے اصول کے مطابق ہر شخص اپنی زندگی میں یا بذریعہ وصیت اپنی مکتوبہ جائیداد منتقل کر سکتا ہے، تعین اس کو موروثی یا غیر منقسمہ جائیداد منتقل کرنے کا اختیار نہیں ہے متا کشر کے مطابق باپ یا بزرگ خاندان جائیداد کا خفیف حصہ مذہبی یا خیراتی کام کے لئے منتقل کر سکتا ہے، اور سوائے باپ یا بزرگ کے اور کسی رکن خاندان کو اس طرح منتقل کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

## بیماری کی حالت میں وقف :-

اگر کوئی شخص بیماری یا مصیبت کی حالت میں کسی مذہبی یا خیراتی کام کے لئے کوئی جائیداد وقف کرے تو ایسا وقف جائز ہے۔

## بیوہ اپنے شوہر کے روحانی فائدہ کے لئے جائیداد منتقل کر سکتی ہے :-

دائے بھاگ اور نیز متا کشر کی رو سے بیوہ کے اختیارات اپنے متوفی شوہر کی جائیداد میں محدود ہیں لیکن وہ اپنے متوفی شوہر کے روحانی فائدہ کے لئے جائیداد منتقل کرنے کی مجاز قرار دی گئی ہے۔ بیوہ کل جائیداد منتقل نہیں کر سکتی ہے لیکن جائیداد کا ایک مناسب حصہ منتقل کرنے کی مجاز ہے۔ مناسب حصہ کا تعین جائیداد کی حالت اور اس غرض کے لحاظ سے کیا جائے گا جس کے لئے انتقال کیا جائے۔ ایسا انتقال نیک نیتی متوفی شوہر کو روحانی فائدہ پہنچانے کے لئے کیا جانا چاہئے، اگر اس کی غرض یہ ہو کہ ان اشخاص کو مضرت پہنچائی جائے جو بیوہ کے مرنے کے بعد وارث ہوں گے تو ایسا انتقال جائز نہ ہوگا۔

ہندو پرسنل لا کے مطابق کلکتہ ہائی کورٹ نے بمقام رام کنول سنگھ بنام رام کرشن (کلکتہ جلد ۲۲، صفحہ ۵۰۶) دائے بھاگ کے متعلق قرار دیا ہے کہ بیوہ اپنے روحانی فائدہ یا مذہبی فائدہ کے لئے جائیداد منتقل نہیں کر سکتی ہے البتہ اگر وہ جائیداد کا خفیف حصہ اپنے شوہر کے روحانی فائدہ کے لئے یا ضروری مذہبی رسوم انجام دہی کے لئے منتقل کرے تو ایسا انتقال جائز ہوگا۔

## جائیداد مورتی کے نام خریدنا وقف کا قطعی ثبوت نہیں :-

بمقام مہارانی برج سندری دسبی بنام رانی کشمی کستوری (ویکلی رپورٹ، جلد ۲۰، صفحہ ۹۶) جوڈیشیل کمیٹی نے قرار دیا ہے کہ محض اس امر سے وقف سے قائم نہیں ہو سکتا کہ کوئی جائیداد کسی مورتی کے نام خریدی گئی ہے جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ جائیداد کا شکوکہ دیوتا کے نام سے کیا گیا اور اس کا سبب یعنی پوجاری مقرر کیا گیا جس کا یہ قانون فرض ہے کہ دیوتا کی پوجا کرے اور اس جائیداد کی آمدنی صرف دیوتا کے تصرف میں لائے اس وقت تک یہ نہیں قرار دیا جاسکتا کہ جائیداد موقوفہ ہے۔

## جائداد کا وقف جب مورتی کی پرتکھا نہ ہوئی ہو:-

ہندو پرست لا کے مطابق، کلکتہ ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ جب کوئی جائداد کسی مورتی کے نام وقف کی جائے لیکن مورتی کی پرتکھا واقف کی زندگی میں نہ ہوئی ہو تو ایسا وقف کا عدم ہے۔ ایسی صورت میں وہ اصول متعلق کیا ہے جو ٹیگور کے مقدمہ میں جوڈیشیل کمیٹی نے قرار دیا ہے۔

یہ مسئلہ کلکتہ ہائی کورٹ کے اجلاس کامل میں پیش ہوا اور اجلاس کامل نے اس اصول کو خلاف تصفیہ کیا ہے۔ اب کلکتہ ہائی کورٹ کی رائے یہ ہے کہ دیوتا جس کے لئے وقف کیا جاتا ہے وہ ہمیشہ زندہ ہے اور اس وقت پیدا نہیں ہوتا ہے جب مورتی کی پران پرتکھا ہوتی ہے اس لئے ایسا وقف جائز ہے، دیوتا اس جائداد کا مالک ہو جاتا ہے۔<sup>۱</sup>

## کنٹھ یا بادلی وغیرہ کے وقف کا اثر:-

جب کوئی شخص کوئی کنٹھ، بادلی، تالاب وغیرہ تعمیر کر کے وقف کر دے تو اس کا یہ اثر ہوگا کہ عوام کو ان کے استعمال کا حق ہو جائے گا۔ واقف بھی چونکہ عوام میں داخل ہے اس لئے وہ بھی استعمال کر سکے گا ایسے وقف سے واقف کی ملکیت اس آراضی میں ساقط نہیں ہوتی جس پر وہ بنائے گئے ہوں لیکن واقف کا فرض ہے کہ ہر شخص کو استعمال کے لئے سہولت دے۔ کوئی شخص ایسے کنٹھ وغیرہ کو اس طرح استعمال کرنے کا مجاز نہ ہوگا کہ عوام کے حقوق پر مضر اثر پڑے۔ مثلاً زراعت وغیرہ کے کام کے لئے ایسے کنٹھ کو استعمال نہ کیا جاسکے گا۔ کنٹھ وغیرہ جو اس طرح وقف کیا جائے اس کی مرمت وغیرہ کی ذمہ داری عام رواج کی بناء پر واقف پر ہوتی ہے۔ جب تک کہ ایسی جائداد کا کوئی منتظم مقرر نہ کیا جائے واقف خود ہی اس کا منتظم باقی رکھتا ہے۔ واقف کو منتظم قرار دینے کی غرض یہ ہے کہ کوئی اور شخص ایسی جائداد کو اپنے تصرف میں لا کر وقف کی اصل غرض کو فوت نہ کر سکے۔<sup>۲</sup>

## پوجاری کو پوجا کے لئے جو جائداد دی جائے:-

جب کسی دیول میں کوئی پوجاری مقرر کیا جائے اور اسے خدمت کے معاوضہ میں اس کو کوئی جائداد دی جائے تو وہ اس کی ملک سمجھی جائے گی۔ ایسی حالت میں پوجا کرنا اس کا فرض ہوگا اور جب تک وہ پوجا کرتا رہے اس وقت وہ اس جائداد کا مالک مقصود ہوگا۔ ایسی جائداد معمولی جائداد کے مثل تقسیم ہو سکے گی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ پوجا کا انتظام کیا جائے۔ پوجاری کی اولاد جب اس جائداد کو آپس میں تقسیم کرے تو پوجا کا بطور خاص انتظام کرنا ہوگا۔<sup>۳</sup>

جس صورت میں کہ جائداد دیوتر ہو اور پوجاری کو اس شرط سے دی گئی ہو کہ وہ پوجا کرے تو ایسی جائداد قابل تقسیم نہ ہوگی اس کا وہی شخص مستحق ہوگا جو پوجا کرے اگر پوجاری پوجا نہ کرے یا وہ اس قابل نہ رہے کہ پوجا انجام دے سکے تو وہ اس جائداد سے محروم کیا جاسکے گا۔

۱۔ بھوپتی ناتھ بنام رام لعل، کلکتہ، ویلکی نوٹس، ج ۱۴، ص ۱۸ ۲۔ دھرم شاستر مولفہ بیچناٹھ، ص ۲۶۲، حیدر آباد دکن

۳۔ کلانند بنام بنس رائے، کلکتہ ویلکی نوٹس، ج ۱۱

## سبیت کا تقرر (قائم مقام) :-

جب دستاویز میں پوجاری کے تقرر کے متعلق کوئی ہدایت ہو تو اس کے موافق عمل کیا جائے گا۔ ایسی ہدایت نہ ہونے کی صورت میں معطلی کے ورثاء سبیت مقرر کئے جانے کے مجاز ہوں گے۔ اور اگر دستاویز میں احکامات موجود ہوں اور وہ سلسلہ جو سبیت کے متعلق دستاویز میں مقرر کیا گیا ہو ختم ہو جائے تو معطلی کے ورثاء کو سبیت کے عہدہ کا حق حاصل ہوگا۔<sup>۱</sup>

## مٹھ کی جائداد میں مہنت کے حقوق :-

دیول کے سبیت اور مٹھ کے مہنت کی حیثیت میں بہت فرق ہے۔ سبیت کی حیثیت امین کی ہے اور وہ جائداد صرف امانت کی اغراض کے لئے استعمال کر سکتا ہے لیکن مہنت ایک ایسا شخص ہے جسے مٹھ کی کل مستقل جائداد میں حین حیات حق حاصل ہے اور جو کچھ مٹھ کی آمدنی ہو اسے وہ اپنی مرضی کے موافق صرف کر سکتا ہے۔ اس کا صرف یہ فرض ہے کہ مٹھ کو قائم رکھے۔ اور اس کے قیام کی جو غرض ہے وہ فوت نہ ہونے پائے یعنی مذہب اور فلسفہ کی تعلیم ہوتی رہے۔<sup>۲</sup>

ودیا پورن بنام ودیانندی (مدراس، جلد ۲۷، صفحہ ۴۳۵) کے مقدمہ میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ مٹھ کی مستقل جائداد کو مہنت منتقل نہیں کر سکتا ہے۔ ایسا انتقال اس کی زندگی کے بعد اس کے قائم مقام کے مقابلہ میں نافذ نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ دھرم شاستر کے احکام کی رد سے تارک الدنیا کوئی جائداد حاصل نہیں کر سکتا اور جوڈیشیل کمیٹی نے قرار دیا ہے کہ مہنت کے حق حین حیات حق نہیں سمجھا جاسکتا اور جو جائداد کہ اس کے پیروں نے نذر دی ہو اس کی بچت بھی اس کے ورثاء میں تقسیم نہ ہو سکے گی بلکہ وہ مٹھ کی جائداد سمجھی جائے گی۔<sup>۳</sup>

دھرم شاستر کے اصل اصول کی رو سے مہنت کی حیثیت بھی امین کی ہے اور مٹھ قانون کی نظر میں ایک شخص ہے جس کا سلسلہ مثل دیوتا کے ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ مہنت کا اصل کام یہ ہے کہ وہ مذہب اور فلسفہ کے لئے وہی کام کرے، اس لئے شاستر کے احکام کے موافق کوئی فائر القعل، مجنون، گونگا، بہرایا اندھایا جذامی شخص مہنت نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا شخص جو بدچلن یا شراب خور یا جرم کا مرتکب ہوا ہو یا جو اپنی جماعت سے کسی بد اخلاقی کی وجہ سے خارج کیا گیا ہو مہنت نہیں ہو سکتا۔

اور جو جائداد مہنت کو دی جاتی ہے تو مہنت صرف امین کی حیثیت رکھتا ہے اور امانت کی غرض مذکورہ ذیل

ہے:

(۱) مٹھ کے سنیاسیوں کی پرورش (۲) مہنت کے عقائد کی تعلیم اشاعت (۳) خیرات

۱۔ پچئی بنام دامودر، سبیتی، ج ۳، ص ۸۴ ۲۔ ودیا پورن بنام ودیانندی، مدراس، ج ۲۷، ص ۴۳۵ ۳۔ گنان سمبندھو بنام ویلو، مدراس، ج ۲۷، ص ۶۹

۴۔ دھرم شاستر مولفہ، بیچنا تھ، ص ۲۶۹، حیدر آباد دکن

## مہنت کے قائم مقام کا تقرر:-

مہنت کی وراثت ہر مٹھ کے رواج پر منحصر ہے لیکن اکثر صورتوں میں خصوصاً جنوبی ہند میں مہنت اپنا قائم مقام اپنی زندگی میں مقرر کر دیتا ہے، اور اگر وہ ایسا تقرر نہیں کرتا تو اسی قسم کے مٹھ کا مہنت ایسا تقرر کرتا ہے یا ایسے مٹھ کے پیر و مہنت کا انتخاب کرتے ہیں۔ اگر اس طرح بھی عمل نہ کیا جائے تو عدالت بادشاہ کے قائم مقام کی حیثیت سے مہنت مقرر کرتی ہے۔

اور کوئی بیوہ پوجارن (سبیت) نہیں ہو سکتی اور نہ وہ کسی عہدہ پر مقرر ہو سکتی ہے جس کے لئے دیوتا کی پوجا کرنی ضروری ہے بجز اس کے کہ کوئی رواج اس کے خلاف ثابت ہو، نیز اگر مہنت نے کوئی تقرر کیا ہو تو بڑا چیلہ قائم مقام بنائے جانے کا مستحق ہے اور رواج بھی ہے کہ مہنت اپنا قائم مقام نامزد کرتا ہے۔<sup>۱</sup>

## باب-۵

مسلم پرسنل لا (قوانین اسلامی)



## (۲) نکاح مسلم (Marriage)

### نکاح کے مقاصد

قانون میں سب سے اہم چیز اس کا مقصد ہوتا ہے۔ مقصد ہی کو پورا کرنے کے لئے اصول و ضوابط مقرر کئے جاتے ہیں، اور اصولوں کے ماتحت احکامات دئے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص مقصد کو سمجھے بغیر احکام نافذ کرے گا تو ممکن ہے کہ کسی حزی مسئلہ میں وہ ایسا حکم نافذ کر دے جس سے قانون کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے۔ اسی طرح جو شخص قانون کے مقصد سے واقف نہ ہوگا وہ قانون کی صحیح رفتار کے مطابق اس کا اتباع بھی نہ کر سکے گا۔

### عزت و اخلاق کی حفاظت

اسلام میں قانون نکاح کا پہلا مقصد اخلاق کی حفاظت ہے۔ وہ زنا کو حرام قرار دیتا ہے اور نوع انسانی کی دونوں صنفوں کو مجبور کرتا ہے کہ اپنے فطری تعلق کو ایک ایسے ضابطہ کا پابند بنادیں جو اخلاق کو فحش اور بے حیائی سے، اور تمدن کو فساد سے محفوظ رکھنے والا ہو۔ اسی لئے قرآن مجید میں نکاح کو ”احسان“ سے تعبیر کیا گیا ہے حصن قلعہ کو کہتے ہیں اور احسان کے معنی قلعہ بندی کے ہیں۔ جو شخص نکاح کرتا ہے وہ ”محسن“ ہے گویا قلعہ تعمیر کرتا ہے۔ اور جس عورت سے نکاح کیا جاتا ہے وہ ”محسنہ“ ہے یعنی وہ اس قلعہ کی حفاظت میں آگئی ہے جو نکاح کی صورت میں اس کے نفس اور اس کے اخلاق کی حفاظت کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ استعارہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ اسلام میں نکاح کا اولین مقصد اخلاق و عصمت کا تحفظ ہے اور قانون نکاح کا پہلا کام اس قلعہ کو مستحکم کرنا ہے جو نکاح کی صورت میں اس گراں قدر چیز کی حفاظت کے لئے تعمیر کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید مختلف مواقع پر الگ الگ انداز میں اعلان کرتا ہے کہ ”احل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا بما موالکم مُحصنین غیرِ مسامحین“ (یہ عورتیں جو تم پر حرام کی گئی ہیں) ان کے علاوہ باقی سب عورتیں تم پر حلال کر دی گئیں بشرطہ کی شہوت رانی کے لئے نہیں بلکہ قید نکاح میں لانے کے لئے تم اپنے اموال کے بدلے ان کو حاصل کرنا چاہو۔

پھر قرآن کریم عورتوں کی جماعت سے خطاب کرتا ہے: ”فَانْكِحُوهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاتَّوَهُنَّ اجُورَهُنَّ ..... وَلَا تُتَخِذَاتِ اخْدَانٍ“۔ پس تم ان کے ذمہ داروں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کرو،

اور مناسب طور پر ان کے مہر ادا کرو تا کہ وہ محسنات بنیں نہ کہ اعلانیہ یا چوری چھپے بدکاری کرنے والیاں۔

ان آیات کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں سب سے زیادہ اہمیت اس چیز کی ہے کہ مرد اور عورت کے ازدواجی تعلق میں احسان، یعنی اخلاق اور عزت عصمت کا پورا پورا تحفظ ہو۔ یہ ایسا مقصد ہے جس کے لئے ہر چیز کو قربان کیا جاسکتا ہے مگر کسی دوسری چیز کے لئے اس کو قربان نہیں کیا جاسکتا ہے۔ زوجین کو نکاح کی قید میں اس لئے مقید کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر رہ کر اپنی فطرت کے داعیات کو پورا کریں، لیکن اگر کسی قید نکاح میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن سے حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خوف ہو تو بجائے اس کے کہ نکاح کی ظاہری قید کو برقرار رکھنے کے لئے اللہ کی حدود کو قربان کیا جائے، بدرجہا بہتر ہے کہ حدود اللہ پر ایسی قید نکاح کو قربان کر دیا جائے۔<sup>۱</sup>

### مودت و رحمت

دوسرا اہم مقصد یہ ہے کہ نوع انسانی کی دونوں صنفوں کے درمیان ازدواج کا تعلق مودت و رحمت کی بنیاد پر ہو، تاکہ مناکحت سے تمدن و تہذیب کے جو مقاصد متعلق ہیں ان کو وہ اپنے اشتراک عمل سے بدرجہ اتم پورا کر سکیں، اور ان کو اپنی خانگی زندگی میں راحت و مسرت اور سکون و آرام حاصل ہو سکے جس کا حصول انہیں تمدن کے بالاتر مقاصد پورے کرنے کی قوت بہم پہنچانے کے لئے ضروری ہے، قرآن مجید میں اس مقصد کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں زوجیت کا تصور ہی محبت و رحمت ہے، وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ يَخْلُقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِيَتَسَكُنُوا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (الروم ۳۰)، اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے خود تم ہی میں سے جوڑے پیدا کئے ہیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی ہے۔

### اور دوسری جگہ قرآن کہتا ہے کہ:-

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا<sup>۲</sup>

پھر ایک نئے انداز میں زوجیت کے بہترین تصور کو یوں بیان کیا ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لِهِنَّ۔<sup>۳</sup>

یہاں زوجین کو ایک دوسرے کا لباس کہا ہے۔ لباس وہ چیز ہے جو انسان کے جسم سے متصل رہتی

ہے، اس کی ستر پوشی کرتی ہے، اور اس کو خارجی فضا کے مضر اثرات سے بچاتی ہے، اس لباس کے استعارہ کو زوجین کے لئے استعمال کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کے درمیان مناکحت کا تعلق معنوی حیثیت سے ویسا ہی تعلق ہونا چاہئے جیسا کہ جسم اور لباس کے درمیان ہوتا ہے۔ ان کے دل اور ان کی روہیں ایک دوسرے کے متصل ہوں، وہ ایک دوسرے کی ستر پوشی کریں، اور ایک دوسرے کو ان اثرات سے بچائیں جو ان کی عزت اور ان کے اخلاق پر حرف لانے والے ہوں، یہی مقتضی ہے مودت و رحمت کا اور اسلامی نقطہ نظر سے یہ ازدواجی تعلق کی اصلی روح ہے۔ اگر کسی ازدواجی تعلق میں یہ روح نہیں ہے تو گویا وہ ایک لاشی بے جان ہے۔

## نسل انسان کی بقا و افزائش :-

نکاح کا ایک اہم مقصد، اس دنیا میں نسل انسانی کی بقا اور افزائش کا ظاہری سبب اللہ نے مرد و عورت کے تعلق کو قرار دیا ہے۔ قرآن اس مسئلے میں حکم دیتا ہے۔ نسائکم حرث لکم فأتوا حرثکم انی شئتم وقد موالا نفسکم۔

## نکاح کی تعریف :-

نکاح کا لغوی معنی ہے ”جمع کرنا“ اور اصطلاح میں نکاح وہ مقدس شرعی معاہدہ ہے جس کے ذریعہ مرد و عورت کے لئے افزائش نسل کی غرض سے ایک دوسرے سے استمتاع جائز ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعہ بچہ کا نسب حلال قرار پاتا ہے۔<sup>۱</sup>

یعنی اسلام میں نکاح ہی وہ طریقہ ہے، جس کے ذریعہ کسی عورت کی عصمت مرد کے لئے حلال ہو جاتی ہے، نیز نکاح کی حیثیت عام معاہدات (Agreements) و معاملات کی نہیں ہے، بلکہ اس کی حیثیت مقدس شرعی معاہدہ کی ہے۔ اس کے شریعت میں مخصوص شرائط و احکام اور حدود ہیں۔ شارع اسلام محمد ﷺ نے اس کو اپنی سنت قرار دیا ہے، اور فقہاء اسلام نے لکھا ہے کہ معتدل حالات میں سنت مؤکدہ اور داعیہ جنسی کے شدید تقاضے کی صورت میں واجب ہے۔ (فی حالہ الاعتدال سنتہ و حالۃ السوقان واجب<sup>۲</sup>۔

## نکاح کے ارکان

### ایجاب و قبول :-

نکاح ایک ہی مجلس میں ”ایجاب و قبول“ کے ذریعہ منعقد ہوتا ہے۔ زوجین میں سے جس کی طرف سے پہلے نکاح کی پیش کش ہو اس کو ”ایجاب“ کہتے ہیں اور دوسرے کی طرف سے قبول کر لینے کو ”قبول“ کہتے ہیں<sup>۱</sup> (والایجاب ما یتلفظ بہ اولاً من ای جانب کان والقبول جوابہ) طرفین میں سے ایک کی طرف سے ایجاب کے بعد ضروری ہے کہ دوسرا فریق اسی مجلس میں نکاح کو قبول کرے اگر وہ مجلس ختم ہو گئی، تو اب اس کو قبول کرنے کا حق باقی نہ رہے گا اور نہ اس کے قبول کرنے کا اعتبار ہوگا<sup>۲</sup>۔

مجلس جگہ کی تبدیلی سے بھی بدل جاتی ہے، یعنی جس نشست میں مثلاً مرد نے نکاح کی پیش کش کی تھی اور عورت، یا اس کا ولی اس نشست سے اٹھ جائے تو مجلس بدل گئی۔ اب اس کے قبول کرنے کا اعتبار نہ ہوگا اور مجلس کام کی تبدیلی سے بھی بدل جاتی ہے، مثلاً ایک شخص کپڑا سی رہا تھا، یہی کام کرتے ہوئے اس نے نکاح کی پیش کش کی، ابھی عورت یا اس کے ولی نے نکاح پر آمادگی ظاہر بھی نہ کی تھی وہ لکھنے پڑھنے میں مشغول ہو گیا تو اب مجلس بدل گئی لہذا اب یہ ایجاب و قبول بے اثر ہو جائے گا<sup>۳</sup>۔

اگر ایجاب و قبول میں مطابقت نہ ہو۔ مثلاً لڑکی یا اس کا ولی یا وکیل ایک ہزار روپے مہر پر نکاح کا ایجاب کرے اور مرد پانچ سو روپے مہر پر نکاح قبول کرے تو نکاح منعقد نہ ہوگا<sup>۴</sup> (ومنہا ان لا یمثل القبول الا یمثل)

## انعتاد نکاح

انعتاد نکاح کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہوں گے۔

(۱) ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد و عورت زبانی یا تحریری دونوں طرح سے ایجاب و قبول کریں، اور ایک ہی مجلس میں فریقین کے درمیان اصالتاً یا وکالتاً ایجاب و قبول ہو۔ (وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الآخر لیتحقق رضاہما)<sup>۵</sup>

(۲) ہر بالغ و عاقل مسلمان مرد و عورت بلا واسطہ ولی اپنا نکاح کر سکتے ہیں۔

(۳) عورت کے غیر کفو سے نکاح یا مہر مثل سے کم پر نکاح کی صورت میں نکاح واقع ہو جائے گا۔ لیکن ولی کو عدالت میں فسخ نکاح کے لئے درخواست کرنے کا حق ہوگا۔ یہ حق اس صورت میں ہوگا جب عورت کے لئے

<sup>۱</sup> فتاویٰ عالمگیری ج ۲، ص ۱  
<sup>۲</sup> بدائع الصنائع ج ۲، ص ۳۳۲  
<sup>۳</sup> ایضاً  
<sup>۴</sup> فتاویٰ عالمگیری ج ۲، ص ۳

<sup>۵</sup> الدر المختار ج ۲، ص ۳

مرد غیر کفو ہو۔ عورت کے غیر کفو ہونے کی صورت میں ولی کو حق کفایت نہ ہوگا۔

(۴) ایجاب قبول کے لئے عاقل بالغ دو مسلم مرد گواہ یا ایک مسلم مرد اور دو مسلم عورتیں گواہ ہوں جو ایجاب و قبول کر سکیں۔

(۵) نکاح کے لئے مہر مقرر کیا جانا چاہئے۔

یعنی ایجاب و قبول کے لئے مرد و عورت کسی اور کو اپنا وکیل متعین کر سکتے ہیں۔ خفی فقہ میں ایک شخص مرد و عورت دونوں کی طرف سے ایجاب و قبول کا وکیل بن سکتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں کی طرف سے ایجاب و قبول کے مقاصد کا کام کرے۔ اگر وہ ایسے نابالغ لڑکے اور لڑکی کا ولی ہو جن کے درمیان نکاح کی گنجائش موجود ہو تو طرفین کے ولی کی حیثیت سے خود ہی ایجاب و قبول کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔ شافعی فقہ میں ایک شخص صرف ایجاب یا صرف قبول کے لئے وکیل بن سکتا ہے۔ طرفین کی طرف سے بحیثیت وکیل بیک وقت ایجاب و قبول دونوں ذمہ داری انجام نہیں دے سکتا، البتہ بحیثیت ولی دونوں کی طرف سے ایجاب و قبول کر سکتا ہے۔ لہٰذا انعقاد نکاح کے لئے تعین مہر شرط نہیں، تعین مہر کے بغیر نکاح واقع ہو جائے گا۔ مگر مہر مثل بہر صورت واجب ہوگا۔

و کالتا نکاح اسی وقت نافذ ہوگا جب وکیل نے متوکل کی عائد کی ہوئی شرطوں کی پوری پوری رعایت کی ہو، اور اس سے تجاوز نہ کیا ہو۔

### فضولی کے ذریعہ کیا ہوا ’ایجاب و قبول‘

فضولی سے مراد وہ آدمی ہے جو نہ ناکح یا منکوحہ کا ولی ہونے کی حیثیت سے ان کا نکاح کرنے کا مجاز ہو اور نہ اس کو ایجاب و قبول کے لئے وکیل بنایا گیا ہو، اور نہ وہ کسی کی طرف سے قاصد بنا کر بھیجا گیا ہو، ایسا شخص اگر بطور ایجاب و قبول کر لے تو نکاح کا انعقاد اصلی شخص اور اس کے اہل نہ ہونے کی صورت میں اس کے ولی کی رضا مندی پر موقوف ہوگا (ونکاح عابد و امہ بغیر اذن السيد موقوف علی الاجازة کنکاح الفضولی)

### ایجاب و قبول بحالت مجبوری

ایجاب و قبول مجبوری کی صورت میں تحریر کے ذریعہ، نیز گونگے کے لئے واضح اشارہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ اگر طرفین موجود ہوں، اور لکھنے، بولنے پر قادر ہوں تو ضروری ہے کہ ایجاب و قبول کا عمل بالمشافہ گفتگو کے ذریعہ ہو۔ تحریری ایجاب و قبول نہ ہوگا (ولا ینعقد بالکتابہ بین الحاضرين فلو کتب تزو جتک فکتب قلبت لم ینعقد<sup>۲</sup>)۔

## تحریر اایجاب وقبول:

اگر تحریر کے ذریعہ اایجاب وقبول ہو تو ضروری ہے کہ ایک کی طرف سے تحریر اور کم از کم ایک کی طرف سے بشرط قدرت کلام پایا جائے تو کلام سے، مثلاً مرد نے خط لکھا کہ میں تم سے نکاح کی پیشکش کرتا ہوں، تو عورت کا صرف لکھ دینا کافی نہیں کہ مجھے منظور ہے، بلکہ ضروری ہے کہ وہ دو (۲) گواہوں کے سامنے زبان سے بھی اس اس کا اظہار کرے۔ اگر دونوں کی طرف سے صرف تحریر ہی پر اکتفاء کیا جائے تو اایجاب وقبول درست نہ ہوگا۔ (ولو کتب الایجاب والقبول لا ینعقد<sup>۱</sup>۔

اگر بولنے پر قادر نہ ہو، یا دوری کی وجہ سے بالمشافہ گفتگو نہ کر سکتا ہو تو تحریر کے ذریعہ اور گونگے اشارہ کے ذریعہ بھی اایجاب وقبول کر سکتے ہیں۔ (وکما ینعقد بالعبارة ینعقد بالاشارة من الاخران کانت اشارة معلومه<sup>۲</sup>)۔

## ایجاب وقبول کے صریح الفاظ

نکاح پر دلالت کرنے والے صریح الفاظ کے علاوہ ان الفاظ سے بھی منعقد ہو جاتا ہے، جو کسی شئی کی فی الفور سپردگی کے لئے یا اس کے ہم معنی الفاظ بولے جائیں جو صراحۃً نکاح کو بتاتے ہوں، جیسے نکاح ازدواج اردو زبان میں استعمال ہونے والے الفاظ مثلاً شادی، بیاہ، سپردگی اور حواگی کے الفاظ وغیرہ، جس کے ذریعہ کسی کو فی الفور سپردگی اور حواگی کا تصور ہو۔ جیسے کوئی عورت کسی مرد سے کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دیا۔ یا تمہارے سپرد کر دیا، یا تم سے شادی کر لی، یا میرا بیاہ تم سے ہو گیا، میں نے قبول کیا تم سے شادی کرنا۔ وغیرہ وغیرہ

## مشروط اایجاب وقبول

نکاح منعقد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اایجاب وقبول کسی اور کی رضا مندی پر مشروط نہ ہو۔ مثلاً کوئی کہے کہ مجھے قبول ہے، اگر میرے والدین کو پسند ہے۔ یا وہ اگر راضی ہوں۔ یا وہ تم کو پسند ہوں، یا وہ رضا مندی دے دیں (النکاح ل یصح تعلیقہ بالشرط کتزوجتک ان رخصی ابی لم ینعقد النکاح)<sup>۳</sup> ان مشروط الفاظ سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اسی طرح عاریت کے الفاظ سے بھی نکاح منعقد نہ ہوگا کہ جس کے ذریعہ متعلق شخص کو مستقبل میں اس سے فائدہ اٹھانے یا تمتع حاصل کرنے کی بات کہی جاتی ہے، فی الفور مالک نہیں بنایا جاتا اور تمتع کافی الفور حق نہیں دیا جاتا۔ مثلاً کوئی مرد کہے کہ میں اپنے آپ کو تمہارے لئے وصیت کرتا ہوں یا تم سے تمتع کا وعدہ کرتا ہوں، یا تم سے میں شادی

کروں گا اور عورت کہے کہ مجھے قبول ہے، میں راضی ہوں تو اس صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ فی الفور مالک بنانے یا سپردگی کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے صرف مستقبل کی خواہش کا اظہار ہوتا ہے، فی الفور سپردگی کا اظہار نہیں ہوتا۔<sup>۱</sup>

البتہ ایسی شرط جو شرع اسلامی کے مغائر نہ ہو اس سے ایجاب و قبول یا انعقاد نکاح مشروط ہوں تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ مثلاً زوجہ شرط عائد کرے کہ اگر تم (شوہر) بیرون ملک جاؤ گے تو مجھ کو طلاق کا حق ہوگا، عورت طلاق تفویض کا حق حاصل کرے، یا ایسے شرائط جو شرع اسلام کے خلاف نہ ہوں تو نکاح منعقد ہو جائے گا، مگر صرف شرائط غیر قانونی ہوں گے۔ مثلاً عورت یہ شرط عائد کرے کہ میری رضامندی کے بغیر دوسرا عقد کرو گے تو مجھے طلاق کا حاق حاصل ہوگا۔

### گوئے بہرے کا ایجاب و قبول

فریقین میں سے کوئی ایک اگر گونگا یا بہرا ہو تو ایجاب واضح اشارے کے ذریعہ ہو سکتا ہے، جس سے فریقین پر یہ واضح ہو جائے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ زوجیت میں منسلک ہو رہے ہیں۔ اگر ایسے فریقین ایجاب و قبول تحریری کریں تو اشارے کے مقابلے میں بدرجہ اولیٰ واضح ہے۔<sup>۲</sup>

### ایجاب و قبول کے صیغہ

ایجاب و قبول میں استعمال کیا گیا صیغہ دونوں طرف سے ماضی کا صیغہ ہوگا، ایک صیغہ امر اور دوسرا ماضی کا ہوگا۔ نکاح میں ضروری ہے کہ ایجاب و قبول دونوں کے ایسا صیغہ استعمال کیا جائے جو فی الفور نکاح کے انعقاد کو بتائے، اور وہ اس قدر واضح ہو کہ فی الفور عقد نکاح کو بتاتا ہو۔ مثلاً دونوں طرف سے ماضی کا صیغہ استعمال کیا جائے۔ جیسے مرد کہے کہ میں نے نکاح کیا اور عورت کہے کہ میں نے قبول کیا، یا جیسے کوئی کہے کہ میں نے اپنا، یا اپنی بیٹی کا، یا اپنی منوکلہ کا نکاح تجھ سے کیا اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا۔ نکاح امر کے صیغہ سے بھی منعقد ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ میرا نکاح اپنی ذات سے کر دو، یا یوں کہے کہ تو میری بیوی ہو جا، اور دوسرا یہ کہے کہ میں نے تیرا نکاح اپنی ذات سے کر دیا، یا میں تیری بیوی ہو گئی، یا کوئی یوں کہے کہ میری شادی اپنی بیٹی سے کر دے، اور دوسرا یہ کہے کہ میں نے تیری شادی اپنی بیٹی سے کر دی۔ اگر طرفین نے حال کا صیغہ استعمال کیا تو بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔ مثلاً مرد کہے کہ میں تم سے نکاح کرتا ہوں یا شادی کرتا ہوں

اور عورت کہے کہ میں قبول کرتی ہوں۔ اگر مستقبل کا صیغہ استعمال کرے کہ میں تم سے نکاح کرونگا، یا شادی کروں گا، یا میں تجھ کو قبول کر لوں گا تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔<sup>۱</sup> ایجاب و قبول کے الفاظ میں ایک صیغہ ماضی کا ہونا لازمی ہے۔ اگر نکاح کی نسبت مستقبل کی طرف ہو، یا کسی غیر متحقق شرط پر معلق ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔

## نکاح کے قبول کا طریقہ

مرد اور ثیبہ عورت سے نکاح کی بابت استفسار کرنے پر صریح اظہار رضا مندی ہی قبول نکاح متصور ہوگا۔ باکرہ لڑکی سے بھی غیرولی اقرب استفسار کرے تو بھی یہی حکم ہوگا اور باکرہ سے ولی اقرب، یا اس کے قاصد یا وکیل کے استفسار کرنے پر خاموشی اور دلائل اظہار رضا مندی بھی قبول کے حق میں ہوگا۔

یعنی عورت کی طرف سے ایجاب ہو تو مرد کی طرف سے قبول، اور مرد کی جانب سے ایجاب ہو تو ثیبہ عورت کی طرف سے صریح رضا مندی ضروری ہوگی۔ مثلاً وہ کہے کہ میں نے اس نکاح کو قبول کیا، یا میں اس سے راضی ہوں، یا پوچھا جائے کہ کیا تم نے قبول کیا؟ اور وہ جواب میں کہے ”ہاں“ (ولو استأذن الثیب فلا بد من رضاها بالقول<sup>۲</sup>) لیکن ولی اقرب یا اس کا وکیل و قاصد باکرہ لڑکی سے نکاح کے بابت استفسار کرے تو اس کا خاموش رہ جانا اس کی رضا مندی سمجھی جائے گی۔ اگر مسکرائے یا روئے اور وہاں کے عرف میں نکاح کے وقت اس طرح کا عمل رضا مندی کے اظہار کے لئے ہے تو دلائل قبول نکاح سمجھا جائے گا (فان استأذن منها هو..... او وکیلہ اور رسولہ اوزوجها، ولیہا واخبرها رسولہ اوفضولی عدل فسکت او ضحك غیر مستهذئۃ او تبسمت او بکست بلا صوت)<sup>۳</sup> ولی اقرب کے بجائے ولی مابعد یا کوئی اجنبی شخص دریافت کرے تو باکرہ لڑکی جب صراحتاً رضا مندی کا اظہار نہ کر دے قبول نکاح متصور نہ ہوگا (وان فعل هذا غیر الولی یعنی استامر غیر الولی او ولی غیرہ ولی منہ لم یکن رضا حتی تتکلم به)<sup>۴</sup>

## ثیبہ کی تعریف

ثیبہ کا اطلاق اس عورت پر ہوگا جس سے کوئی مرد نکاح صحیح یا نکاح فاسد یا وطی بالثیبہ کی بناء پر دخول کر چکا ہو۔ ایسی زانیہ عورت جس نے زنا کا پیشہ اپنا رکھا ہو، یا جس کا زانیہ ہونا بہت معروف ہو، وہ بھی ثیبہ شمار کی جائے گی۔ وہ لڑکی جس کا پردہ بکارت درازی عمر، کثرت حیض یا کھیل کود وغیرہ



کی وجہ سے ضائع ہو جائے، یا وہ زانیہ جس کا زنا لوگوں میں مشہور نہ ہو، باکرہ متصور ہوگی۔ اور شافعی فقہ میں زانیہ بہر صورت ثیبہ کا حکم رکھتی ہے۔<sup>۱</sup>

## شرط نکاح

نکاح کے لئے شرط ہے کہ مجلس نکاح میں دو (۲) مرد، یا ایک مرد اور دو (۲) عورتیں موجود ہوں اور گواہ ہوں، جو مسلمان اور عاقل و بالغ ہوں اور جو ایجاب و قبول کو سنیں نکاح کا جواز متناکسین یا ان کے اولیاء کے عاقل و بالغ ہونے اور دو بالغ و عاقل مردوں یا ایک مرد اور عورتوں کی سماعت ایجاب و قبول پر منحصر ہے۔ بشرط کہ متناکسین یا ان میں سے کسی ایک کی ذات میں کوئی ایسا امر شرعی موجود نہ ہو جو مانع نکاح ہو۔

نکاح چونکہ ایک اہم مقدس شرعی معاہدہ ہے۔ اس میں دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے، اور گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ بالغ ہوں، پاگل مجنوں نہ ہوں اور مسلمان ہوں (لا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاهدين عاقلين بالغين مسلمین رجلین اور رجل امراتین) <sup>۲</sup> تاہم یا ایسے اور گواہ جو سماج میں شریف اور معتبر نہ ہوں اور فاسق ہوں ان کی موجودگی یا گواہی بھی نکاح کی صحت کے لئے کافی ہوگی۔ البتہ اگر بعد میں مرد عورت کے درمیان نکاح کے انعقاد و عدم انعقاد میں اختلاف ہو جائے تو اسلام کے قانون شہادت کے مطابق ایسے گواہوں کی گواہی عدالت کے نزدیک معتبر نہ ہوگی، قانون شہادت اور اس کے معیار کے مطابق شہادت کی جانچ کی جائے گی (ولا تشترط العد التہ حتی ینعقد بحضور الفاسقین عندنا خلافاً للشافعی ۔۔۔۔۔) <sup>۳</sup> شافعی فقہ میں تاہم اور ایسے فاسق گواہوں کی موجودگی نکاح صحیح ہونے کے لئے کافی نہیں (ولا یثبت النکاح الشافعی واحمد الا بشاہدین عدلین) <sup>۴</sup> مگر فقہ میں نکاح کے وقت گواہوں کا ہونا ضروری نہیں، اگر نکاح کے بعد عورت سے ملنے کے وقت دو (۲) گواہ بنائے تو بھی کافی ہے، یعنی مرد و عورت ایجاب و قبول کے ذریعہ اپنا نکاح آپ کر لیں اور باہر آ کر دو (۲) گواہ بنالیں اور ان گواہوں کی موجودگی میں یہ کہیں کہ ”گواہ رہو کہ ہم دونوں نے اپنا نکاح کر لیا ہے، یا ہم دونوں میاں بیوی، یا شوہر و بیوی بن گئے ہیں“۔ اور گواہ یہ سن لیں اور اس کا مفہوم بھی سمجھ سکیں تو نکاح صحیح ہو گیا (حضور شاہدین حرین او حر و حرتین مکلفین سامعین معاً قولہما علی الاصح فاهمین ....) <sup>۵</sup>

## نکاح کی اہلیت

شرائط نکاح کا تعلق عاقدین نکاح سے ہے، وہ عقل، بلوغ اور رضا مندی ہیں، چنانچہ نکاح

کے لئے عاقل ہونے کی شرط لازمی ہے۔ کیونکہ پاگل اور بے عقل لڑکا نکاح کی اہلیت نہیں رکھتا۔ ہر عاقل و بالغ مرد و عورت خود اپنا نکاح کرنے کے اہل ہیں، نابالغوں کا نکاح ان کے ولی کر سکتے ہیں۔ انعقاد نکاح کی دوسری شرط بلوغ ہے، کیونکہ نکاح کی اہلیت بلوغ ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر متناکسین یا ان میں سے کوئی ایک بالغ نہ ہو تو ان کا اپنا کیا ہوا نکاح منعقد نہ ہوگا۔ البتہ نابالغ کی طرف سے اس کا ولی ایجاب و قبول (جیسی بھی صورت ہو) کر سکتا ہے، نابالغ خود اپنا نکاح کرنے، نکاح کا وکیل مقرر کرنے کے اہل نہیں ہیں، ولی ہی ان کے نکاح کرنے کے مجاز ہے۔ (وہوای الولی شرطہ صحتہ نکاح صغیر و مجنون) <sup>۱</sup>

## وضاحت

فقہ حنفی میں بالغہ عورت خود اپنا نکاح کر سکتی ہے، اور بالغ ہونے کے بعد انعقاد نکاح کے لئے ولی کی محتاج نہیں رہتی (ولا تجبر البالغه البکر علی النکاح لانقطاع الولاية بالبلوغ) <sup>۲</sup> لیکن شافعی، مالکی اور حنبلی فقہ میں عورت کی طرف سے مجلس نکاح میں ولی کی موجودگی ضروری ہے۔ ولی کے بغیر نکاح درست نہ ہوگا (ولا یصح النکاح عند الشافعی واحمد الا بولی ذکر۔ فان عقدت امرأة النکاح لم تصح) البتہ اگر لڑکی بالغہ ثیبہ ہو تو اس سے نکاح کے لئے اجازت لی جائے گی۔

## علامت بلوغ

بلوغ میں اصل تو یہ ہے کہ بلوغ کی جسمانی علامت ظاہر ہو جائیں۔ مثلاً لڑکی کو حیض آجائے۔ لڑکوں کو احتلام یا انزال ہو جائے یا مونچھ ڈاڑھی وغیرہ اُگ آئیں۔ لیکن اگر کسی کو خلاف عادت معمول کی عمر میں یہ علامات ظاہر نہ ہو سکیں، تو پندرہ سال کی عمر مکمل ہونے پر بہر حال ان کو بالغ سمجھا جائے گا (بلوغ الغلام بالاحتلام او الانزال والجارية باباحتلام او بالحیض والسن الذی یحکم ببلوغ الغلام والجارية اذا انتهيا الیه خمس وعشرة سنة عند ابی یوسف و محمد و ہورواۃ عن ابی حنیفہ و علیہ الفتوی) <sup>۳</sup> حیض آنے کی کم از کم عمر ۹ سال ہے۔ لڑکا اس وقت بالغ سمجھا جائے گا جب کہ اسے احتلام ہونے لگے اس کی کم از کم عمر ۱۲ بارہ سال ہے۔

## نافذ الوقت قانون بلوغیت

نافذ الوقت قانون میں بلوغیت کی عمر ۱۸ اٹھارہ سال ہے۔ اور اس سے کم عمر میں نکاح Maturity Act کے تحت تعزیری جرم ہے۔ مگر شرعی لحاظ سے علامات بلوغ کے بعد نکاح واقع ہو جائے گا اور وہ نکاح صحیح ہوگا۔ اسے باطل کرنے کا کوئی قانونی جواز نہ ہوگا۔ <sup>۴</sup>

## تشریح

اطفال کی شادیوں سے پیدا ہونے والی سماجی برائیوں کے انسداد کی غرض سے متناکسین کی کم از کم عمر کا تعین کیا گیا ہے۔ دراصل عمر نکاح کے تعین کا مسئلہ معاشرتی حالات و کوائف پر منحصر ہوتا ہے۔ اور مصلحین اس پہلو سے تحدیدات عائد کرتے ہیں۔ مگر اسلام کے عائلی قوانین میں اس کے لئے متوازن قانون سازی کی گئی ہے۔ نابالغ کے نکاح میں ولی کی شرط، خیاء بلوغ کے حق کا تعین کیا ہے، یعنی نابالغ کو ولی کے ذریعہ نکاح کو رد کرنے کے لئے خیاء بلوغ کے استعمال کا حق حاصل ہے۔

## غیر مسلم کی شہادتِ نکاح

اگر مسلمان مرد کسی کتابیہ عورت، یعنی عیسائی، یا یہودی عورت سے نکاح کرے تو غیر مسلم مردوں کی شہادت بھی کافی ہو جائے گی۔

یعنی یہ رائے امام ابو حنیفہؒ کی ہے، اگر مرد مسلمان اور عورت کتابیہ غیر مسلم ہو تو شیخین (امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسفؒ) کے نزدیک نکاح غیر مسلم گواہوں کے رد ہو سکتا ہے، البتہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک غیر مسلموں کی گواہی میں نکاح کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے (وإذا تزوج مسلم ذمیہ لم یسقط النکاح الا بشهادة المسلمین عند الثلاثة وقال ابو حنیفہ بالذمیین)۔

## ثبوت نکاح

نکاح کے ثبوت کے لئے مجلسِ نکاح میں موجود گواہوں کے علاوہ ایسے لوگوں کی شہادت بھی کافی ہوتی جو ایک عرصہ تک مرد و عورت کو زن و شوہر یا میان بیوی کی طرح ساتھ رہتے ہوئے دیکھ چکے ہوں۔ یا سماج میں ان کے ازدواجی رشتہ کی شہرت کی بناء پر سن کر شہادت دیں، یا مرد اس عورت کی اولاد سے ثبوت نسب کا دعویٰ کرے اور ضابطہ کی رو سے اس کا دعویٰ صحیح ہو۔

یعنی نکاح کے ثبوت کے لئے کسی قسم کی تحریری وثیقہ یا رجسٹریشن کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ نکاح کے ثبوت کے لئے کئی طریقے ہیں مثلاً (۱) ایسے گواہ موجود ہوں جن کے سامنے زوجین نے رشتہ نکاح کا اقرار کیا ہو۔ (۲) ایسے گواہ موجود ہوں جو خود مجلس نکاح میں شریک رہے ہوں (۳) سماج میں ان دونوں کا زن و شوہر ہونا مشہور ہو اور اسی بناء پر گواہان گواہی دیں (۴) عورت کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوئی ہو، مرد دعویٰ کرے کہ وہ ان بچوں کا باپ ہے، اور ثبوت نسب کے قوانین کے مطابق اس کا دعویٰ قابل قبول ہو (۵) مرد، عورت کو ایک عرصہ تک زن و شوہر کی طرح زندگی بسر

کرتے ہوئے دیکھا گیا ہو، بشرطہ کہ عورت کا تعلق طوائف طبقہ سے نہ ہو اور اس بات کے لئے واضح شواہد موجود نہ ہوں کہ ان دونوں کے تعلقات گناہ پر مبنی ہیں۔ دو ایسے اشخاص ان کے میاں بیوی ہونے کی شہادت دیں، جن سے دو قابل اعتماد مسلمان مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں نے ان کے میاں بیوی ہونے کی خبر دی ہو۔

## کفو کی تعریف

کفو کے معنی ہمسری کے ہیں، اور یہ ہمسری حسب ذیل پہلوؤں سے ہونی چاہئے جن کو امور کفایت کہا جائے گا (۱) عقیدہ و مسلک (۲) دینداری (۳) فکری معیار و مناسبت (۴) ذہنی یگانگت یا Status (۵) ایسے عیوب سے پاک ہونا جن کے سبب عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہو جاتا ہے، مثلاً برص (Leucoderma) و جنون (Madness)، جذام (Leprosy) وغیرہ (۶) قابلیت و صلاحیت اور تعلیمی معیار (۷) تقویٰ و پرہیزگاری۔

## لحاظ کفایت

کفایت کا لحاظ نکاح کے وقت کیا جائے گا۔ مثلاً نکاح کے وقت مرد نیک تھا لیکن بعد میں فاسق و فاجر ہو گیا تو عدم کفایت کی بناء پر نکاح فسخ نہیں کیا جائیگا۔

## حق کفایت

عدم کفایت کی بناء پر اعتراض کا حق ولی عصبہ کو ہوگا، کیونکہ غیر کفو میں نکاح کرنے کا براہ راست اثر اس کے ولی عصبہ یا اہل خاندان پر پڑتا ہے، ولی کی عرفیت متاثر ہوتی ہے، خاندان کو تنگ و عار اور بدنامی ملتی ہے رسوائی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا ولی کا حق اعتراض عورت کے بچہ پیدا ہونے پر ساقط ہو جاتا ہے، کیونکہ اولاد کی پیدائش کے بعد عورت کے لئے ایک قریب تر تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے ہی شرافت اولاد کا تعلق ہے، کون اسے پسند کرے گا کہ اولاد پر اس کے باپ کی ذلت کی مہر لگے، مگر عدم کفایت کی بناء پر ولی کی درخواست پر تفریق بجکم قاضی، یا بجکم عدالت ہوگی۔<sup>۱</sup>

## ولی کی شرائط نکاح

ولی اور حق ولی کے مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، ائمہ نے قرآن و سنت سے موافق و مخالف دونوں دلائل دئے ہیں، امام مالکؒ کے نزدیک ولی کی اجازت سنت ہے واجب نہیں، گویا ولایت کی شرط اتمام نکاح کے لئے ہیں۔ نکاح کے مقاصد میں سکون، محبت، مودت اور تولید نسل

۱۔ کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ، ص ۵۶، مطبوعہ مصر ۲۔ فتویٰ عالمگیری، ج ۲، ص ۱۷۴ ۳۔ بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد

ہے، اور یہ مقاصد کفو سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں، جب کہ عورت کو ہمسری اور موافقت حاصل ہو۔  
باکرہ بالغہ لڑکی پر ولی کو ولایت اجبار حاصل نہیں، البتہ بسبب غیر کفو یا کمئی مہر مثل ولی کو  
بذریعہ عدالت فسخ نکاح کرانے کا اختیار ہوگا۔<sup>۱</sup>

ولی اپنی اولاد کا سب سے زیادہ خیر خواہ ہوتا ہے۔ اور ولی کی بجا طور پر یہ خواہش ہوتی  
ہے کہ اس کی اولاد خصوصاً بیٹی کا مستقبل اطمینان و سکون کا ہو۔ اگر ولی کے ایماء کے بغیر کوئی لڑکی  
جذبات کے غلبہ سے بغیر سوچے سمجھے اپنے سے غیر موافق، یا کم رتبہ، کم علم، یا کم فکری و ذہنی صلاحیت  
یعنی غیر کفو سے شادی کر لے، تو ولی کو یہ حق ہے کہ وہ فسخ نکاح کی درخواست کرے۔

ولی کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ ولی کی مرضی کے علی الرغم کوئی عورت غیر کفو یا  
کم مہر مثل پر اپنا نکاح کر لیتی ہے تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے، مگر امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا موقف یہ  
ہے کہ انعقاد نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے۔ بغیر ولی کی اجازت کے نکاح منعقد نہ ہوگا۔  
کچھ ائمہ کا موقف یہ ہے کہ ولی کی رضا مندی کے بغیر نکاح کر لیا جائے، اور غیر کفو میں ہو اور مہر بھی مہر  
مثل سے کم ہو تو ولی کو اختیار ہے کہ وہ فسخ نکاح کے لئے عدالت میں درخواست دے سکتا ہے۔

## حرمت نکاح

نکاح صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ عورت مرد پر حرام نہ ہو۔

وضاحت :- حرمت دو قسم کی ہے (۱) حرمت موقتہ (عارضی حرمت) اور (۲) حرمت مودہ، دائمی  
حرمت کے اسباب تین ہیں، نسب، مہری رشتہ اور رضاعت۔ اس کے علاوہ جو موانع نکاح ہیں وہ  
سب عارضی اور وقتی ہے۔

## نسبی محارم

نسبی محارم میں درجہ ذیل رشتہ دار مردوں اور عورتوں پر حرام ہوں گے۔

(۱) باپ اور دادا اور ان کا پورا آبائی اور امہاتی سلسلہ۔ (۲) ماں، نانی، دادی اور پورا آبائی  
اور امہاتی سلسلہ۔ (۳) بیٹی، پوتی اور ان کا پورا اولاد سلسلہ۔ (۴) بہن چاہے ماں یا باپ  
شریک ہوں۔ (۵) پھوپھی، خالہ، ماموں، ممانی، چاہے کتنی ہی اونچی رشتہ کے ہوں۔

## تشریح

نسبی رشتہ دار کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ باپ اور ماں کے بھائی، بہن اور ان کے  
بھائی، بہن کی اولاد کے علاوہ اصولی اور فروعی رشتہ داروں کا پورا سلسلہ حرام ہو جاتا ہے۔ اصولی

رشتہ دار سے باپ، دادا، نانا، نانی دادا دادی کا آبائی اور اُمہاتی سلسلہ ہے اور فروعی رشتہ دار سے بیٹا، پوتا، بیٹی، نواسی اور ان کا پورا اولاد سلسلہ مراد ہے (حرم علی التزوج ذکر اکلان اوانی نکاحہ) (اصلہ و فرعہ) علا و نزل او بنت اخیہ و اخت و عمتہ خالته)۔ چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں اور بھائی میں وہ تمام شریک ہیں جو صرف ماں کی شرکت کی وجہ سے رشتہ دار قرار پاتے ہیں، مثلاً چچا باپ کا ماں شریک ہے۔ یا باپ شریک بھائی ہو، یا خالہ ماں کی باپ شریک یا صرف ماں شریک بہن ہو۔ بھائی بہن، ماں باپ شریک یا صرف ماں شریک ہو۔ (واما الاخوات فلاخت لاب و اُم والاخت لابه والاخت لام و کذابنات الاخ والاخت ان سفلت و اما العمات تکلمات) ۱

## ازدواجی محارم

ازدواجی رشتہ کی وجہ سے مردوں پر حسب ذیل عورتوں سے نکاح حرام ہے۔  
(۱) ناکح اور منکوحہ کے والدین اور ان کا پورا آبائی اور اُمہاتی سلسلہ۔ (۲) ناکح اور منکوحہ کی اولاد اور پورا اولاد سلسلہ۔ (۳) باپ کی منکوحہ بیٹی یا پوتے پر حرام ہو جائے گی۔ (۴) بیٹی یا پوتے کی منکوحہ باپ پر حرام ہو جائے گی۔ ۲

## وضاحت :-

البتہ منکوحہ کی ماں تو صرف نکاح ہی کہ وجہ سے حرام ہو جائے گی، چاہے اس سے دخول کی نوبت بھی نہ آئی ہو۔ لیکن منکوحہ کی بیٹی اسی وقت حرام ہوگی جب اس عورت سے دخول بھی کیا جا چکا ہو۔ (ولابام امرتہ الی دخل.....ولانسبت امراتہ التی دخل بها) ۳

## حرمت مصاہرت

زنا، اجنبی عورت کی شرم گاہ کے داخلی حصہ کو دیکھنے، یا اس کے جسم کے کسی حصہ کو بے لباس شہوت کے ساتھ چھو لینے سے بھی حرمت مصاہرت پیدا ہو جاتی ہے۔

## وضاحت :-

زنا سے مراد نکاح کے جائز رشتہ کے بغیر کسی عورت سے شرم گاہ میں جماع کرنا ہے، چاہے یہ اس کی رضا مندی ہی سے کیوں نہ ہو (هو قضاء الرجل بشهوته محرما فی قبل المرأة الخاصی عن المملکین و شبهتها الاشباه او تمکین المرأة لمثل هذا الفعل)۔ زنا کے علاوہ عورت کی شرم گاہ کے اندرونی حصہ کو دیکھنا یا کپڑے کے بغیر اجنبی عورت کے جسم کے کسی حصہ کو شہوت کے ساتھ چھونے کی

۱ الدر المختار، ج ۲، ص ۱۴، بیان الحرمات ۲ فتاویٰ عالمگیری، ج ۲، ص ۱۴، بیان الحرمات ۳ الدر المختار، ج ۲، ص ۳۸۳

۴ الہدایہ، ج ۲، ص ۳۰۸-۳۰۷ ۵ فتاویٰ عالمگیری، ج ۲، ص ۲۲۵، کتاب الحدود

وجہ سے بھی حرمت پیدا ہو جاتی ہے (من مسته امرأة بشهوة حرمت عليه امها وامتها..... ومسہ امرأة بشهوة ونظره الى فرجها ونظره الى ذكره) ۱۔ البتہ اگر دیکھ لینے، یا چھو لینے کی وجہ سے اسے انزال ہو جائے، یا وہ اجنبی عورت سے لواطت کرے اور انزال ہو جائے تو اب حرمت مصاہرت پیدا نہ ہو سکے گی۔ (ولو مس فانزل فالصحيح انه يوجب الحرمة وكذا اثبات المرأة في الدبر) ۲۔ مگر فقہ شافعی میں زنا، اجنبی عورت کے چھونے یا شرمگاہ کے دیکھنے کی وجہ سے حرمت مصاہرت پیدا نہیں ہوتی ہے۔ (والشافعي يقول لزنا لا يوجب حرمة المصاهرة) ۳۔

### حرمت رضاعت

رضاعت کی وجہ سے بھی وہ تمام رشتہ دار حرام ہو جاتے ہیں، جو نسبی رشتہ کی وجہ سے حرام ہو جاتے ہیں۔ (کل من تحرمه بالقرباة والصهرية تحرم بالرضاع) ۴۔ رشتہ رضاعت کے لئے ضروری ہے کہ شیر خوار بچہ نے دو سال کی عمر کے اندر اس عورت کا دودھ پیا ہو۔

### وضاحت (الف)

رضاعت کے معنی دودھ پلانے کے ہیں۔ دودھ پلانے والی عورت شیر خوار لڑکے یا لڑکی، رضاعی ماں اور اس کا شوہر رضاعی باپ اور اس کے بچے شیر خوار کے رضاعی بھائی، بہن، اس کی بہن رضاعی خالہ، بھائی رضاعی ماموں، اور رضاعی ماموں اور رضاعی باپ کا بھائی چچا کہلاتا ہے، اسی ترتیب کے مطابق دوسرے رشتہ دار بھی ہوتے ہیں۔ نسبی رشتہ کی طرح رضاعت کی وجہ سے نسبی رشتہ دار بھی شیر خوار پر حرام ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دودھ پلانے والی اور اس کے شوہر پر شیر خوار کی اولاد، اس کی بیوی و شوہر حرام ہو جاتے ہیں۔

### وضاحت (ب)

رضاعت کا رشتہ ثابت ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شیر خوار نے دو سال کے اندر دودھ پیا ہو، اس کے بعد اگر دودھ پی لے تو اس سے رشتہ رضاعت ثابت نہ ہوگا (وقالاً مقدار الحولين) ۵۔ اس دو سال کی مدت میں ایک قطرہ دودھ بھی حرمت قائم کرنے کے لئے کافی ہے۔ (قليل الرضاع اوكثره سواء اذا حصل في مدة الرضاع يتعلق به التحريم) ۶۔ لیکن مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ میں کم سے کم پانچ قطرے سے حرمت پیدا ہوگی۔ اس کے بغیر رشتہ رضاعت قائم نہ ہوگا۔ (والشافعي لا يثبت التحريم..... مرضيات) ۷

۱۔ ہدایہ، ج ۲، ص ۳۰۹ ۲۔ الہدایہ، ج ۲، ص ۳۰۹ ۳۔ ایضاً ۴۔ فتاویٰ عالمگیری، ج ۲، ص ۶۰، قسم الثالث

۵۔ فتاویٰ عالمگیری، ج ۲، ص ۳۹، کتاب الرضاع ۶۔ الہدایہ، ج ۲، ص ۲۵، کتاب الرضاع ۷۔ الہدایہ، ج ۲، ص ۳۵۰

## حرمت رضاعت کا ثبوت

حرمت رضاعت کے لئے گواہ ہونا ضروری ہے۔

### وضاحت :-

رشتہ رضاعت کے ثبوت کے لئے دو مسلمان مرد یا ایک مسلم عورت، یا ایک مسلم مرد اور دو مسلمان عورتیں گواہ ہونا ضروری ہے، اگر کوئی شخص دو مرد و عورت کے درمیان رضاعی رشتہ کا دعویٰ کرے، تو محض اس کا دعویٰ اس امر کے ثبوت کے لئے کافی نہ ہوگا بلکہ کم از کم دو معتبر مسلمان مرد، یا ایک معتبر مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہوگی، جو شہادت دیں کہ فلاں شخص کو فلاں عورت کا دودھ پیتے ہوئے میں نے دیکھا ہے (ولا یقبل فی الرضاع الا بشهادة رجلین اور رجل وامرأ تین)۔ شافعی فقہ میں چار عورتوں کی اور مالکی فقہ میں صرف ایک عورت کی، اور حنبلی فقہ میں خود دودھ پلانے والی کی تنہا گواہی حرمت رضاعت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ (لاتقبل فیہ الا شہادۃ اربع وبہ قال الشافعی)۔

## دو محارم کا اجتماع

دو ایسی عورتوں کی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ جن میں سے اگر کوئی مرد تصور کر لیا جائے تو دوسرے سے نکاح حرام ہو۔

### وضاحت :-

فقہائے اسلام نے اس کے لئے یہ اصول بنایا ہے کہ دو ایسی عورتوں کو، اگر ان میں سے کسی کو بھی مرد تصور کر لیا جائے تو وہ باہم ایک دوسرے کے لئے حرام ہو جائیں، ان کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً دو بہنیں، پھوپھی، بھتیجی، خالہ، بھانجی، مگر یہ حرمت عارضی ہے، ہاں ان میں سے اگر ایک کا انتقال ہو جائے، یا شوہر ان کو طلاق دے دے اور عورت بھی گزر جائے، اب دوسری کو نکاح میں لانا درست ہے۔ ایک کی عدت پوری نہ ہوئی تو بھی دوسری کو نکاح میں لانا درست نہیں (ولا یجمع بین امرأتین لو کانت احدہما رجلاً لم یجز ان یتزوج بالآخری)۔

اگر کوئی شخص ایک ہی ساتھ ایسی دو عورتوں سے نکاح کر لے تو دونوں ہی نکاح باطل ہوں گے۔ اگر ایک سے پہلے اور دوسری سے بعد میں نکاح کرے تو پہلا نکاح صحیح اور بعد کا نکاح باطل ہوگا (فان تزوج اختین فی عقدتین ولایدری الیہما ولی فرق ....) اگر ایک سے پہلے اور

۱۔ فتاویٰ عالمگیری، ج ۲، ص ۴۴، کتاب الرضاع ۲۔ بدایہ المجتہد، ج ۲، ص ۳۹ ۳۔ الہدایہ، ج ۲، ص ۳۹

۴۔ الہدایہ، ج ۲، ص ۳۸، بیان المحرمات



دوسری سے بعد میں نکاح کرے، لیکن پتہ نہ چلے کہ کس سے پہلے اور کس سے بعد میں نکاح ہوا تو اس صورت میں بھی احتیاطاً دونوں نکاح باطل ہوں گے، اور نصف مہر دونوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

## تعدد ازدواج (BIOGAMY):

شریعت اسلامی نے مرد کو بیک وقت چار شادیوں کی اجازت دی ہے۔

### وضاحت :-

مرد کے لئے چار بیویوں کی اجازت ہے، مگر چار کی موجودگی میں پانچواں نکاح باطل ہوگا۔ اسلام نے سماج کو پاکیزہ اور گناہ سے محفوظ رکھنے کے لئے عدل و انصاف کی شرط کے ساتھ چار بیویوں سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ اور اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے (اتفق المسلمون علی جواز نکاح اربعۃ من النساء) ۱، مگر کسی مرد کا چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں عورت سے نکاح باطل ہوگا (ولیس لہ ان یتزوج اکثر من ذلك) ۲، حنفی فقہ میں بعض مسائل میں معقدہ بھی منکوحہ کے حکم میں ہے۔ اس لئے اگر چار میں سے کوئی ابھی عدت کی حالت میں ہے، اور وہ کسی اور عورت سے نکاح کرے تو یہ چار بیویوں کی موجودگی میں پانچواں نکاح متصور ہوگا اور فاسد ہوگا۔ ۳

### غیر مسلم سے شادی

مسلمان عورت کا کسی غیر مسلم مرد سے اور مسلمان مرد کا یہودی اور عیسائی عورت کے علاوہ کسی غیر مسلم مشرک سے نکاح باطل ہوگا۔

### وضاحت :-

فقہائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہودیہ اور عیسائیہ عورت سے وہ عورت مراد ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی برحق ہونے پر اور وحی الہام اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو، اگر زوجین یہودی اور عیسائی تھے اور نکاح کے بعد ایک نے اسلام قبول کر لیا تو ان پر بھی یہی اصول نافذ ہوگا۔ اگر مرد مسلمان ہوا تو نکاح باقی رہے گا، اور عورت نے اسلام قبول کر لیا تو نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔ لیکن کوئی عورت پہلے سے ہی مسلمان تھی اور بعد کو یہودی یا عیسائی ہوئی تو اب اس سے کسی مرد کے لئے نکاح جائز نہ ہوگا۔ نکاح کے بعد اگر زوجین کوئی مرتد ہو جائے تو نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔

۱۔ بدایہ المجتہد، ج ۲، ص ۴۰ ۲۔ الہدایہ، ج ۲، ص ۳۱۱، بیان المحرمات

۳۔ اصول الشاشی، ص ۷۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت

## طلاق مغلطہ

جس عورت کو طلاق مغلطہ دی جا چکی ہو سابق شوہر کے لئے تا تکمیل حلالہ اس سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

### وضاحت :-

طلاق مغلطہ سے مراد تین طلاقیں ہیں، اور حلالہ سے مراد ہے کہ شوہر سابق کے طلاق دینے کے بعد وہ عدت گزارے اور کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح ہو جائے اور وہ شوہر ثانی نکاح کے بعد اس سے جماع بھی کرے، پھر اسے طلاق دے دے، یا شوہر ثانی کا انتقال ہو جائے۔ عورت شوہر ثانی کی عدت طلاق یا عدت وفات گزارے تو شوہر اول سے اس کا نکاح حلال ہو جائے گا۔ (لایحل للرجل ان یتزوج حرہ..... ثلاثاً قبل اصابته الزوج الثانی) ۱۔

## منکوحہ معقدہ

غیر کی منکوحہ یا معقدہ سے نکاح باطل ہوگا، عدت کے درمیان کسی بھی عورت سے کسی مرد کا نکاح کرنا باطل ہوگا (لایجوز للرجل ان یتزوج زوجته غیرہ وكذلك) ۲۔

### وضاحت :-

(الف) اسلام میں معقدہ شوہروں کا کوئی تصور نہیں ہے، اس لئے منکوحہ غیر سے نکاح باطل ہوگا، نیز نسب کی حفاظت کی غرض سے اسلام نے دو شوہروں کے درمیان ایک خصوصی مدت کا فصل بھی رکھا ہے، جس کو عدت کہتے ہیں، اس مدت میں نکاح باطل ہوگا۔  
(ب) زانیہ سے دوران حمل نکاح کرنا درست ہے۔

زانیہ عورت پر عدت واجب نہیں ہے، اس لئے زنا کے بعد وہ حاملہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو ہر حال میں غیر زانی مرد کے لئے نکاح کرنا درست ہے، البتہ اگر حاملہ نہیں ہے تو نکاح کے فوری بعد اس سے جمع بھی درست ہے، اور اگر حمل ظاہر ہو چکا ہو تو نکاح کے بعد بھی وضع حمل تک جمع کرنا جائز نہ ہوگا (یجوز ان یتزوج امرأۃ حاملًا من الزنا ولا یطأ ہا حتی تضع) ۳۔

## لعان کے بعد نکاح

لعان کے بعد اس مرد و عورت کا باہم نکاح کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں اگر عورت خود اپنے زانیہ ہونے کا اقرار کر لے، یا مرد ہی اس کا اعتراف کر لے کہ اس نے عورت پر زنا کا غلط الزام لگایا تھا،

تو اب دونوں نے نکاح کے ساتھ ایک دوسرے سے ازدواجی رشتہ قائم کر سکتے ہیں (وان کذب نفسہ.....لہ.....ان ینکحہا.....وکذا ان قذفی غیرہامن او صدقہ)۔<sup>۱</sup>

شافعی، مالکی اور حنبلی فقہ میں ایسے دو مرد و عورت کا باہم کبھی بھی نکاح جائز نہ ہوگا، چاہے وہ عورت زنا کا اقرار کرے یا مرد اپنے الزام سے رجوع کرے۔

## نکاح متعہ

نکاح متعہ باطل و حرام ہے۔

اگر کوئی شخص نکاح کرتے وقت اتنی مدت مقرر کرے کہ عادی تا زوجین کا اس عمر تک زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو یہ نکاح صحیح ہوگا۔

نکاح متعہ جو دو بالغ مرد و عورت میں ایک دوسرے کے ساتھ ایک محدود مدت کے ازدواجی رشتہ کا معاہدہ ہے اور مدت ختم ہونے کے ساتھ ہی از خود ختم ہو جاتا ہے۔ ائمہ سنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق باطل اور بے اثر ہے۔ (نکاح المتعہ باطل لا یفسد الحد ولا تقع علیہا طلاق ولا ایلاء ولا ظہار ولا یرث احدہن صاحبہ)۔<sup>۲</sup> اگر نکاح کے وقت گواہ بھی بن جائے تو اس نکاح کو اصطلاح میں نکاح متعہ کہا جاتا ہے۔ یہ صورت بھی متصور ہوگی اور نکاح باطل ہوگا۔ نکاح کا معاہدہ ہونا جب تک زندہ رہنا عادی تا ممکن ہو، چونکہ عارضی نکاح باقی نہیں رہا، اس لئے صحیح ہو جائے گا۔<sup>۳</sup>

## اقسام نکاح

نکاح اثر اور نتیجہ کے اعتبار سے تین طرح کا ہو سکتا ہے۔ (۱) صحیح (۲) فاسد (۳) اور باطل۔

### نکاح صحیح:

نکاح صحیح وہ نکاح جس میں نکاح جملہ ارکان و شرائط کی تکمیل کی گئی ہو..... نکاح کے ارکان طرفین میں سے ایک کی طرف سے ایجاب اور دوسرے کی طرف سے قبول ہے۔ اگر کسی تیسرے شخص کے ایک فریق سے کسی اور کا نکاح کر دیا اور مذکورہ فریق نے اس کو قبول بھی کر لیا، حالانکہ فریق اول کی طرف سے نکاح کے لئے ایجاب ہوا ہی نہ ہو تو یہ نکاح موقوف رہتا ہے۔ اور جب وہ شخص اطلاع پانے کے بعد اس نکاح کو باقی رکھے تو اب لازم ہو جاتا ہے، اسی کو ’’نکاح

فضولی، ‘بھی کہا جاتا ہے۔ لے لازم ہونے کے بعد چونکہ طرفین کی جانب سے ایجاب و قبول کی تکمیل ہو جاتی ہے اس لئے اب یہ ‘نکاح صحیح‘ کہلاتا ہے اور اس پر وہی احکام مرتب ہوتے ہیں جو نکاح صحیح کے ہیں۔

نکاح کی بنیادی شرطیں تین ہیں (۱) گواہ کا ہونا (۲) زوجین میں سے کسی میں ان موانع کا نہ پایا جانا جن کی وجہ سے ایک کا دوسرے سے نکاح ہو جاتا ہے مثلاً نسب، رضاعت، مصاہرت کی بناء پر حرمت وغیرہ (۳) اس نکاح کی وجہ سے وہ عددی حد نہ ٹوٹی ہو جو اسلام نے متعین کیا ہے۔ مثلاً اسلام نے مرد کو زیادہ سے زیادہ چار نکاح کی اجازت دی ہے۔ اگر چار بیویوں کی موجودگی میں پھر وہ نکاح کرے تو یہ نکاح ‘نکاح صحیح‘ نہ ہوگا۔ مالکی فقہ میں نکاح منعقد ہونے کے لئے گواہوں کا ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ دخول کے وقت ضروری ہے۔ چنانچہ اگر نکاح کے وقت کوئی گواہ نہیں تھا اور بیوی سے دخول کو جاتے ہوئے دو گواہ بنا لے تو کافی ہے۔

### نفقہ زوجہ :

نکاح صحیح کی وجہ سے بشرط تسلیم نفس منکوحہ کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہوگا۔ نفقہ میں تمام ضروریات زندگی داخل ہیں۔ شوہر کی استطاعت کے مطابق خوردنوش یا اس کے لئے مناسب رقم کی فراہمی، کپڑے، زوجہ کے لئے رہائش گاہ جس میں آسانی کے ساتھ رہ سکے، اور شوہر کے دوسرے اقرباء اس میں نہ رہتے ہوں سوائے اس کے کہ خود عورت اس کے لئے تیار ہو۔ نیز عورت کے لئے علاج و معالجہ کا نظم۔

عورت کی طرف سے تسلیم نفس یہ ہے کہ وہ کسی معقول سبب کے بغیر شوہر کے فراہم کئے ہوئے امکنی میں رہنے کے بجائے اپنے میکے، یا کسی قرابت دار کے یہاں رہے۔ اگر وہ شوہر کے فراہم کردہ امکنی میں ہے تو چاہے نافرمانی کرے، بیمار ہو اور جماع کے قابل نہ ہو، یا وہ بالغ ہو مگر شوہر نابالغ ہونے کی وجہ سے جماع پر قدرت نہ رکھتا ہو، ہر صورت میں عورت کی طرف سے تسلیم نفس منظور ہوگا، اور مرد پر اس کا نفقہ واجب ہوگا، اسی طرح اگر عورت اپنے کسی حق شرعی کی بناء پر مرد کے ساتھ رہنے سے انکار کر دے تو یہ تسلیم نفس سے انکار کا معقول سبب منظور ہوگا، اور اس کا نفقہ مرد کے ذمہ واجب رہے گا۔ مثلاً مہر معجل ہو اور شوہر مہر ادا نہ کر رہا ہو یا وہ عورت کو اذیت دیتا ہو۔

اگو بیوی نابالغ ہو اور اتنی کم سن ہو کہ اس سے جماع نہ کیا جاسکتا ہو، تو حنفی فقہ میں شوہر کے ذمہ اس کا نفقہ نہ ہوگا، چاہے وہ شوہر ہی کے مکان میں کیوں نہ مقیم ہو۔ لیکن شافعی فقہ میں اگر وہ شوہر کے مکان میں ہو تو اس کا نفقہ واجب ہوگا۔

مہر:

اس نکاح کی وجہ سے منکوحہ کا مہر یا اس کا متبادل شوہر کے ذمہ واجب ہوگا۔

وضاحت:

نکاح کے وقت مہر متعین ہو گیا ہو تو بیوی سے خلوت صحیحہ کے بعد پورا مہر متعین اور خلوت صحیحہ سے پہلے موت کے علاوہ کسی اور طرح سے علیحدگی ہوگی تو نصف مہر متعین مرد کے ذمہ ہوگا۔ اور اگر مہر متعین ہی نہ ہوا تھا، یا مہر کے متعلق مقدار کے تعین میں زوجین میں اختلاف ہو اور مناسب شواہد و ثبوت فراہم نہ ہوں، جن کے ذریعہ صحیح نتیجہ تک پہنچا جاسکے، یا کسی وجہ سے متعینہ شئی مہر نہ بن سکتی ہو تو مہر مثل واجب ہوگا، اور اگر مہر بھی متعین نہ ہو اور خلوت صحیحہ کی نوبت بھی نہ آئی ہو تو مہر کا متبادل مع مرد پر واجب ہوگا۔<sup>۱</sup>

جنسی تعلق

نکاح صحیح کی بناء پر مرد و عورت کے لئے باہمی جنسی تعلق قانوناً جائز ہو جاتا ہے اور زوجین کا ایک دوسرے پر حق قرار پاتا ہے وہ کسی معقول رکاوٹ کے نہ پائے جانے کی صورت میں دوسرے کے داعیہ نفس کی تکمیل کریں۔

وضاحت

زوجین کے درمیان اسلامی نقطہ نظر سے نہ صرف درست بلکہ عفت و عصمت، اور سماج کو بے حیائی سے بچانے اور افزائش نسل کی غرض سے مطلوب ہے۔ عورت کے لئے اگر کوئی معقول رکاوٹ نہ ہو تو ہمیشہ اس پر مرد کی خواہش کی تکمیل ضروری ہے۔<sup>۲</sup> مرد کی جسمانی ساخت فطری طور پر ایسی ہے کہ وہ تقاضہ طبع کے بغیر جماع نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس کے ساتھ ایسا نہیں ہے، چنانچہ حنفی اور مالکی فقہ میں عورت سے جماع کے واجب ہونے کے لئے کوئی کم سے کم مدت متعین نہیں کی گئی ہے، بلکہ یہ مرد کے طبعی نشاط پر منحصر ہے اور عورت کے مطالبہ پر عدالت شوہر کو بیوی سے جنسی تعلق قائم کرنے کا حکم دے گی۔ (واذا طالبتہ یوجب علی الفروج..... وعند بعضهم یجیب علیہ فی الحکم)۔<sup>۳</sup> حنبلی فقہ کے مطابق کم از کم چار ماہ میں ایک بار اور اگر شوہر طویل سفر پر ہو تو چھ ماہ میں ایک بار جماع عورت کا قانونی حق ہے۔ شافعی فقہ کے ایک اہم شارح امام ابو حامد غزالی ساتھ رہنے والے شوہر پر چار دن میں ایک بار جماع کو اس پر زوجہ کا حق قرار دیتے ہیں۔

۲۔ بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۳۳۳

۱۔ فتویٰ عالمگیری ج ۲، ص ۱۹، الباب السابع فی المہر مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند

## طلاق (DIVORCE)

نکاح ایک مقدس رشتہ اور پاکیزہ تعلق اور مضبوط بندھن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے میثاقِ غلیظ یعنی پختہ عہد فرمایا ہے، چونکہ معاملہ ازدواج کی درستی پر عام نسل انسانی کی درستی موقوف ہے، اس لئے قرآن کریم میں ان عائلی مسائل کو تمام دوسرے معاملات سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے..... اسلامی اصول کا رخ یہ ہے کہ جن مرد و عورت میں اسلامی اصول کے مطابق ازدواجی تعلق قائم ہو وہ پائدار اور عمر بھر کا رشتہ ہو، جس سے ان دونوں کا دین و دنیا بھی درست ہو اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کے اعمال و اخلاق بھی درست ہوں، اسی لئے نکاح کے معاملے میں شروع سے آخر تک ہر قدم پر اسلام کی ہدایات یہ ہیں کہ اس تعلق کو تلخیوں اور رنجشوں سے پاک و صاف رکھنے کی اور اگر کبھی تلخی پیدا ہو جائے تو ان کے ازالہ کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود بعض اوقات طرفین کی زندگی کی فلاح اسی میں منحصر ہو جاتی ہے کہ یہ تعلق ختم کر دیا جائے، جن مذاہب میں طلاق کا اصول نہیں، انہیں ایسے اوقات میں سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، اور بعض اوقات انتہائی برے نتائج سامنے آتے ہیں، اس سے اسلام نے قوانین نکاح کی طرح طلاق کے اصول و قواعد مقرر فرمائے، مگر ساتھ ہی یہ ہدایات بھی دیدیں کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض و مکروہ فعل ہے جہاں تک ممکن ہو اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔<sup>۱</sup>

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تنہائی اور اس کی وحشت کو دور کرنے کے لئے عورت کو پیدا کیا جو اس کی رفیقِ حیات بن کر زندگی کے نشیب و فراز میں ہر قدم پر اس کا ساتھ دے سکے اور اس کی مونس و غمخوار بن کر زندگی کی گاڑی کھینچ سکے، اگر دنیا میں عورت نہ ہوتی اور صرف مرد ہی مرد ہوتے تو یہ دنیا نہ تو چل سکتی اور نہ مرد کی وحشت دور ہو سکتی، اسی طرح اگر دنیا میں صرف عورتیں ہی عورتیں ہوتیں تب بھی یہی صورت حال پیش آتی، لہذا اس کا رخاۂ حیات کے تسلسل کے لئے مرد اور عورت دونوں کا وجود نہایت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کی ایک دوسرے سے وابستہ فطری ضرورتوں کی جائز تکمیل کو ”نکاح“ کے ذریعہ سے جوڑا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے ہمدردی و غمخواری، انس و محبت اور مہر و وفاء کے برتاؤ کرتے ہوئے، عفت و عصمت اور مسرت و شادمانی کے ساتھ اپنی زندگی پر سکون بسر کریں، اللہ تعالیٰ نے عقدِ نکاح سے ایک دوسرے پر جو حقوق و فرائض عائد کئے ہیں انہیں بحسن و خوبی ادا کرتے ہوئے دنیا میں ایک کامیاب اور مثالی زندگی بسر کریں، اور آخرت میں دونوں کی نجات اور ترقی کا ذریعہ بن سکے۔<sup>۲</sup>

طلاق چونکہ حقیقتاً تمدن و معاشرے کے فساد کا باعث ہے، اس فعل سے صرف شیطان اور اس کے کارندے خوش ہو سکتے ہیں، جو میاں بیوی میں پھوٹ ڈال کر خاندانوں کو توڑنا اور ان میں باہمی عداوت و دشمنی پیدا کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ جس معاشرے میں طلاق کی کثرت ہو جائے وہ کبھی پنپ نہیں سکتا بلکہ اس کا خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کر درہم برہم ہو جاتا ہے، مغربی معاشرے کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

مگر اس کے باوجود ایک صالح اور متوازن معاشرہ کے لئے کبھی کبھی طلاق کی وقتی ضرورت پیش آ سکتی ہے، جب میان بیوی میں اختلافات کی خلیج بڑھتے ہوئے اس درجہ پر پہنچ جائے کہ دونوں کے درمیان علیحدگی کے سوائے کوئی چارہ کار ہی نہ رہے۔ ایسے حالات میں معاشرہ کی اصلاح اسی میں مضمر ہے کہ دونوں کے درمیان احسن طریقہ سے جدائی کر دی جائے۔

چنانچہ ایسے حالات میں شریعت اسلامی نے میاں بیوی کے درمیان اختلاف کی صورت میں باہمی مصالحت کی ساری تدبیریں ناکام ہونے پر قیود و شرائط اسلام کا تکمیلی کارنامہ ہے، جس کی بنا پر شریعت اسلامی دیگر تمام مذاہب، خاص طور پر ہندو مذہب سے ممتاز نظر آتی ہے۔

## طلاق؟؟؟

جب میاں بیوی میں اختلاف طبائع یا کسی وجہ سے باہم مل جل کر رہنا ناممکن ہو جائے اور محبت و موافقت کی کوئی صورت ممکن نہ رہے اور رشتہ نکاح کے اصل مقاصد فوت ہو رہے ہوں، اور اللہ کی حدیں ٹوٹ رہی ہوں، تو حدود اللہ کو توڑنے سے بہتر یہ ہے کہ اس رشتہ نکاح کو اسلام کے بتائے ہوئے احسن طریقہ سے ختم کر دیا جائے۔

نفرت کراہت طبیعتوں کی نا موافقت کے باوجود ایک دوسرے کو ساتھ بندھے رہنے کا اصرار نہ کیا جائے اور ان کی علیحدگی کا راستہ کھول دیا جائے، گویا طلاق ایمر جنسی دروازہ (Emergency door) ہے، جو ایسے حالات کے لئے فطرت انسانی کی رعایت کرتے ہوئے، تمدنی مصالح کی حفاظت کے لئے رکھا گیا ہے۔

## طلاق کے لغوی معنی

طَلَّاقٌ يَطْلُقُ طَلَّاقًا (باب نصر ینصر) اس کے لغوی معنی چھوڑ دینا، آزاد کر دینا، جدائی اختیار کر لینا، طَلَّقَتِ النِّاقَةَ کے معنی آتے ہیں اونٹنی کا پاؤں باندھنے کی رسی سے کھل جانا۔ ہدایہ کے حاشیہ میں مذکور ہے۔ الطَّلَاقُ فِي اللُّغَةِ عِبَارَةٌ عَنْ رَفْعِ الْقَيْدِ، یعنی طلاق لغت میں قید کے اٹھا دینے

سے مراد ہے۔ عقد کے معنی گرہ باندھنے کے ہیں تو طلاق اس کے مقابلہ میں گرہ کا کھول دینا ہے۔

## طلاق کا اصطلاحی معنی

طلاق اصطلاح شرع میں مخصوص الفاظ میں سے کسی لفظ کا استعمال کر کے نکاح کو فوراً یا کچھ وقفہ کے بعد ختم کر دینا طلاق ہے۔ چاہے ان الفاظ کو شوہر خود استعمال کرے یا اس کو وکیل یا قاضی جسے شرع نے بعض خاص حالات میں شوہر کا نائب قرار دے کر اس کی رضامندی کے بغیر طلاق دینے کا اختیار دیا ہے۔<sup>۱</sup>

## رکن طلاق

طلاق کا مفہوم رکھنے والے مخصوص الفاظ میں سے کسی لفظ کا زبان سے ادا کرنا، یا لکھ دینا رکن طلاق ہے، محض خیال کرنے یا دل ہی میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔<sup>۲</sup>

## طلاق واقع ہونے کی شرطیں

طلاق واقع ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں، اگر ان میں سے کوئی ایک بھی شرط موجود نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

### (۱) طلاق دیتے وقت، طلاق دینے والا

(الف) بالغ ہو۔ نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی (عن ابن عباسؓ قال لا يجوز طلاق الصبی) (مصنف ابن ابی شیبہ)۔<sup>۳</sup>

(ب) عاقل ہو۔ پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(ج) بیدار ہو۔ نیند میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی (عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبی حتى یبلغ وعن المعتوۃ حتى یعقل رواہ الترمذی وابو داؤد ورواہ الدارمی عن عائشہ وابن ماجہ عنہما)۔<sup>۴</sup>

(د) ہوش و حواس میں ہو۔ بے ہوشی کسی وجہ سے ہو۔ سرسام سے ہو، کسی بیماری سے ہو، یا کسی دوا کے استعمال سے ہو بے ہوشی کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کُلُّ طلاقٍ جائزٌ اِلَّا طَلَقُ المَعْتُوۃِ والمَغْلُوۃِ علی عَقْلِہِ رواہ الترمذی)۔<sup>۵</sup>

۱ حاشیہ ہدایہ، مولانا عبدالحی، لکھنؤی۔ کتاب الطلاق، ج ۲، ص ۳۳۳ ۲ مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۱۷۸، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

۳ حاشیہ ہدایہ، ج ۲، کتاب الطلاق، ص ۳۳۷

۴ مشکوٰۃ باب الخلع والطلاق الفصل الثانی، ص ۳۸۴

۵ مسند ابی یوسف، ج ۶، ص ۱۲۲، مطبوعہ مصر ۱۳۲۳ھ

۶ مشکوٰۃ باب الخلع والطلاق الفصل الثانی، ص ۳۸۴



(۲) طلاق واقع ہونے کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ جس عورت کو مرد طلاق دے رہا ہے وہ شرعی طور پر اس کی منکوحہ بیوی ہو (عن علی عن النبی لا طلاق قبل النکاح شرح السنة) ۱۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ طلاق کی نسبت ظاہر آیا دلائل طلاق دینے والے کی طرف سے اپنی منکوحہ بیوی کی طرف ہو جس سے معلوم ہو جائے کہ اس کی طلاق کا خطاب اپنی بیوی کی طرف ہے۔ چاہے بیوی سامنے ہو یا نہ ہو۔

## حالت نشہ کی طلاق

جان بوجھ کر شراب یا کوئی اور نشہ آور چیز استعمال کرے، اور اس حالت میں طلاق دے دے تو بطور تنبیہ وقوع طلاق کا حکم لگایا جائے گا... اور اگر نشہ آور چیز بطور دوا استعمال کی اور اس کے نشہ کی حالت میں طلاق دے دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ (وطلاق سُکران واقع..... نقولُ انه لا یقع طلاق) ۲۔

مذکورہ بالا حوالے سے امام کرخی (متوفی ۳۴۰ھ) اور امام طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) کا قول نقل کیا گیا، اس کے علاوہ امام زفرؒ (متوفی ۱۵۸ھ) اور محمد ابن مسلم کی بھی یہی رائے ہے۔ شامی میں ہے کہ وکذامحمد سلمة وهو قول زفرؒ ۳ یعنی اور محمد ابن سلمہ نے بھی ایسا ہی (عدم وقوع طلاق) کہا ہے اور امام زفرؒ کا بھی یہی قول ہے۔ صحابہ کرام میں سے حضرت عثمان غنیؓ، حضرت عبداللہ بن عباس... تابعین میں سے حضرت طاؤس، اسحاق ابن راہوے، حضرت لیث کا بھی مسلک عدم وقوع کا ہے۔ ۴۔

## مذاق میں طلاق

ہنسی مذاق میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلث جَدُّ هُنَّ جَدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ، النکاحُ والطلاقُ والزَّجْعَةُ رواه الترمذی وابوداؤد) ۵۔

## غصہ میں طلاق

اگر مرد غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہ طلاق واقع ہو جاتی ہے (ویقع طلاق من غضب) ۶۔

۱۔ منکوحۃ باب الخلع والطلاق الفصل الثانی، ص ۳۸۴ ۲۔ ہدایہ کتاب الطلاق، ج ۲، ص ۳۳۷ ۳۔ فتاویٰ شامی، ج ۲، ص ۵۸۴

۴۔ فتح القدیر، ج ۳، ص ۴۰، مطبوعہ مصر ۵۔ منکوحۃ باب الخلع والطلاق الفصل الثانی، ص ۳۸۴ ۶۔ فتاویٰ شامی، ج ۲، ص ۴۲۷

## جبر و اکراہ میں طلاق

جبر و اکراہ کی حالت میں اگر مکرمہ زبان سے طلاق دے تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔<sup>۱</sup>

## گو نگے کی طلاق

گو نگے کی طلاق اس کے ان مخصوص اشاروں سے واقع ہو جائے گی، جو اپنی بات سمجھانے کے لئے وہ استعمال کرتا ہو، اور اس کے قریب کے لوگ ان اشاروں کو سمجھتے ہوں یا تحریری طور پر واقع ہوگی خود لکھے یا لکھنا نہ جانتا ہو تو طلاق کا مضمون معلوم ہونے پر اپنے دستخط کر دے، یا انگوٹھا لگا دے۔ (وطلاق الاخرس واقع بالاشارہ)<sup>۲</sup>

## الفاظ طلاق

وہ الفاظ جن سے طلاق دی جاتی ہے، ان میں سے اصل لفظ تو ”طلاق“ کا لفظ ہی ہے۔ کیونکہ یہ لفظ طلاق دوسرے معنی کو چھوڑ کر صرف رشتہ نکاح کو ختم کرنے اور طلاق دینے کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے۔

البتہ عرف کے لحاظ سے کچھ اور لفظ بھی ہیں جو صاف طور پر طلاق کے لئے استعمال ہونے لگے ہیں۔ جیسے چھوڑ دیا، آزاد کر دیا۔

اگر پجویشن اور صورت حال طلاق کی ہو تو ان الفاظ سے بھی صریح طلاق واقع ہوگی۔ صریح الفاظ سے طلاق دینے کا حکم یہ ہے کہ ان سے نیت اور ارادے کے بغیر بھی طلاق ہو جائے گی۔ مثلاً اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”میں نے تم کو طلاق دی“ تو طلاق واقع ہو جائے گی اور نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو۔<sup>۳</sup>

نکاح اور طلاق دونوں کے لئے ماضی کا صحیح استعمال کرنا چاہئے، مثلاً ”میں نے نکاح کیا“ یا ”میں نکاح قبول کیا“۔ ”میں نے طلاق دے دی“ اگرچہ حال کے صیغہ سے بھی نکاح اور طلاق ہو جاتے ہیں مثلاً ”میں نکاح کرتا ہوں“ میں قبول کرتا ہوں، یا میں طلاق دیتا ہوں“ (لَا نَ الْمُضَارِعَ حَقِيقَةُ فِي الْحَالِ مجازٌ فِي الْمُسْتَقْبَلِ)<sup>۴</sup>۔

مستقبل کے صیغہ اور الفاظ سے نکاح و طلاق نہیں ہوتے مثلاً میں طلاق دے دوں گا۔ اس سے طلاق نہ ہوگی۔ اگر ماضی یا حال کے الفاظ کے ساتھ ہی انشاء اللہ کا لفظ کہہ دے تو بھی طلاق نہیں ہوتی ہے۔<sup>۵</sup>

۱۔ مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۱۸۵، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ۲۔ ہدایہ، ج ۲، کتاب الطلاق، ص ۳۳۷

۳۔ اسلامی قانون، نکاح و طلاق، ص ۸۳، مرتبہ مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی ۴۔ رد المحتار، کتاب الطلاق، ج ۲، ص ۶۵۰ ۵۔ ایضاً

## الفاظِ کنایہ

اگر طلاق دینے والا ایسے الفاظ استعمال کرے جن سے طلاق کی طرف اشارہ سمجھا جاتا ہو یعنی اس نے گول مول الفاظ جن سے طلاق کا مطلب بھی نکلتا ہو اور دوسرا بھی نکلتا ہو۔ تو دیکھا جائے گا کہ یہ الفاظ استعمال کرتے ہوئے معاملہ کی چویشن اور صورت حال کیا ہے؟ اگر صورت حال طلاق کی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً ایسے الفاظ استعمال کرے کہ ”میرا تمہارا کوئی واسطہ نہیں“ یا مجھے تمہاری ضرورت نہیں“ یا ”میں نے تجھ کو دور کر دیا“۔

کنائے اور اشارے کے الفاظ کئی مرتبہ بھی استعمال کرے تب بھی ایک طلاق بائن واقع ہوگی، کیوں کہ ایک طلاق میں عورت بائن ہوگئی اور باقی طلاقیں بے اثر ہوں گی۔

## تعدادِ طلاق

ایک مرد ایک عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد رشتہ نکاح توڑنے کے لئے ایک سے تین طلاقیں دے سکتا ہے، اگر تین سے زیادہ طلاقیں دے گا تب بھی تین ہی سمجھی جائیں گی۔

قرآن مجید میں اعلان ہے کہ: الطلاق مرتانِ إمساكٍ بِمَعْرُوفٍ او تصریح بِاجْسَانٍ (بقرہ ۲۲۹) یعنی طلاق دو بار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (بقرہ ۲۳۰)۔ یعنی پھر اگر (دو بار طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار) طلاق دے دی تو پھر وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی الا یہ کہ کسی دوسرے سے اس کا نکاح ہو اور وہ اسے (جنسی تعلق کے بعد) طلاق دے دے۔

## اقسامِ طلاق

طلاق کی تین قسمیں ہیں:

(۱) طلاق رجعی (۲) طلاق بائن (۳) طلاق مغلظہ

## طلاقِ رجعی

صریح اور صاف لفظوں میں جن سے طلاق کے علاوہ کوئی دوسرا مطلب نہیں نکلتا۔ ایک یا دو طلاق دی جائے تو یہ طلاق رجعی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ طلاق واقع ہوگئی مگر عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے پہلے مرد کو عورت کی رضامندی کے بغیر بھی اپنی دی ہوئی طلاق لوٹانے کا اختیار ہے،

جب عدت پوری ہوگئی تو مرد کا اختیار ختم ہو گیا، اب اگر مرد اور عورت دونوں چاہیں تو پھر سے نکاح کر کے میاں بیوی بن سکتے ہیں۔ الطلاق مرتان فامسك بمعروف او تصریح باحسن (بقرہ ۲۲۹)۔ یعنی (رجعی) طلاق دوبارہ ہے پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔

## طلاق بائن (Irrevocable)

اگر صاف لفظوں اور واضح الفاظ میں ایک یا دو طلاق دی، اور لفظ طلاق کے ساتھ بائن یا بائنہ کا لفظ بڑھا دیا، یا دوسرے الفاظ سے طلاق کو مؤکد کر دیا، مثلاً کسی شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھے ایک یا دو طلاق بائن یا بائنہ دی، تو یہ طلاق بائن ہوگئی۔

طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ طلاق واقع ہوگئی، رشتہ نکاح ٹوٹ گیا اور مرد کو اب اپنی دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے اور اس کو لوٹانے کا اختیار نہیں رہا، البتہ اگر مرد اور عورت دونوں چاہیں تو عدت یا عدت کے بعد جب چاہیں اپنی مرضی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ (واذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله ان يتزوجها في العدة و بعد انقضائها) ۱۔

البتہ اگر صاف لفظوں کے بجائے طلاق کے لئے اشارے اور کنائے کے الفاظ استعمال کئے، یعنی ایسے گول مول معمم سا لفظ جن سے طلاق کے علاوہ دوسرا مطلب بھی نکل سکتا ہے، اور مرد کی نیت طلاق دینے کی تھی، یا حالت طلاق دینے کی تھی تو پہلی طلاق میں ہی عورت پر بائن طلاق واقع ہوگئی، البتہ اگر مرد نے ایک لفظ سے تین طلاق کی نیت کر لی تو تین طلاقیں پڑیں گی۔ ۲۔

اور جس عورت کے ساتھ نکاح کے بعد جنسی تعلق قائم نہیں ہوا، خلوت صحیحہ یعنی ایسی تنہائی بھی دونوں کے درمیان نہیں ہو سکی جس میں جنسی تعلق کا موقع مل جاتا، صرف نکاح ہوا ہے، اگر ایسی عورت کو اس کا شوہر ایک طلاق صاف لفظوں میں، یا گول مول لفظوں میں دے دے تو وہ پہلی طلاق میں ہی بائن ہو جاتی ہے، اور اس طلاق سے رجوع کرنے کا مرد کو اختیار ہوتا۔ ۳۔

اور خلع اور بالعوض اگر طلاق دی جائے تو وہ طلاق بائن ہوگی، چاہے ایک طلاق دے یا دو طلاق دے، خواہ رخصتی کے بعد ہو، بہر حال وہ طلاق بائن سمجھی جائے گی۔ ۴۔

## طلاق مغلظہ (Absolute)

مرد کو ایک عورت سے نکاح کرنے کے بعد ایک سے تین طلاق تک کا اختیار ہے، اگر کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو اب یہ طلاق مغلظہ ہوگئی (فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ)

۱۔ شرح المبداء، ج ۲، ص ۳۷۸ ۲۔ اسلام قانون، نکاح و طلاق، ص ۸۶، مرتبہ مولانا فیصل الرحمن ہلال عثمانی

۳۔ فتاویٰ عالمگیری، ج ۲، ص ۳۹۱ ۴۔ مبداء، ج ۲، ص ۳۸۴

تَنكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ - بقرہ ۲۳۰) نکاح کا رشتہ ختم ہو گیا۔ ان اگر یہ دونوں اپنی مرضی سے یکجا ہونا چاہیں تو نہیں ہو سکتے اور نہ مرد اپنی مرضی سے طلاق واپس لے سکتا ہے، اور نہ ہی دونوں اپنی مرضی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

## حلالہ

تین طلاق وقع ہونے کے بعد دونوں کی مرضی سے دوبارہ نکاح کی ایک ہی شکل ہے، اور وہ ہے ”حلالہ“ حلالے کا مطلب یہ ہے کہ عدت طلاق گزرنے کے بعد اس عورت کا نکاح کسی دوسرے مرد کے ساتھ ہو، اور دونوں کا جنسی تعلق قائم ہونے کے بعد یہ مرد طلاق دے دے، یا اس کا انتقال ہو جائے، یا اسلامی عدالت ان میں علیحدگی کر دے تو اب اس کی عدت گزرنے کے بعد پہلے والے مرد سے نکاح ہو سکتا ہے۔ (عن عائشة قالت جاءت امرأة رفاعَةَ القرظی الى رسول الله..... قال لا حتى تذوقی عُسیلته و یذوق عُسیلتک) ۱۔ لیکن محض حلالہ کی غرض سے نکاح کرنا سخت گناہ ہے ۲۔ ایسے شخص کو جو کہ صرف حلالہ کے لئے نکاح کرتا ہے کرائے کا سائڈ (تیس مُستعار) قرار دیا ہے۔

## یکبارگی تین طلاقیں

اگر ایک ہی دفعہ ایک ہی مجلس میں شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں مثلاً اس طرح کہا کہ ”میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، اور شوہر یقین دلائے کہ میرا ارادہ ایک ہی طلاق دینے کا تھا، دوسری اور تیسری بار کہنا پہلے جملے کی تاکید تھی تو یہ گنجائش موجود ہے کہ اس کے بیان کو تسلیم کر کے ایک طلاق کا حکم لگایا جائے۔

لیکن اگر شوہر اپنی نیت و ارادہ ظاہر نہیں کرتا، تو تین ہی سمجھی جائیں گی۔

اگر طلاق کے ساتھ ”تین“ کا لفظ بڑھا کر کہتا ہے کہ ”میں نے تجھ کو تین طلاقیں دیں“ تو پھر تین ہی واقع ہوں گی اس کی نیت اور ارادے کو کچھ نہیں دیکھا جائے گا۔ (كَذَرَّ لَفْظَ الطَّلَاقِ) (بان قال للمدخولة أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق وقع الكل فان نوى التاليد ذین) یعنی لفظ طلاق کو دہرایا (اور اس طرح کہا کہ تجھ پر طلاق، تجھ پر طلاق، تجھ پر طلاق) تو سب طلاقیں واقع ہو گئیں، اور اگر صرف تاکید کی نیت کی تھی تو دیا نہ تسلیم کیا جائے گا۔ ۳

## طلاق احسن

اگر مصالحت نہ ہو پائے، اور حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ، اب میاں، بیوی میں علیحدگی

کے سوا کوئی صورت برقرار نہیں رہی، تو طلاق کا صحیح اور اچھا طریقہ یہ ہے کہ (الف) جب عورت طہر اور پاکی کی حالت میں ہو، ایام ماہواری نہ آرہے ہوں، (ب) اور اس پاکی کے درمیان دونوں کا جنسی تعلق بھی قائم نہ ہوا ہو۔

تو صاف اور واضح الفاظ میں کم از کم دو گواہوں کی موجودگی میں، ایک طلاق دے دی جائے۔ اب یا تو عدت کے اندر اندر یکجائی کی صورت نکل آئے گی۔ اور شوہر کو رجوع کرنے کا موقع ملے گا۔ ورنہ عدت پوری ہونے پر طلاق کو لوٹانے کا مرد کا اختیار ختم ہو جائے گا، اور عدت خود بخود بائنہ ہو جائے گی۔ یہ طلاق احسن اور سب سے بہتر طریقہ ہے۔<sup>۱</sup>

## طلاق حسن

طلاق دینے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس عورت کو ایام حیض آتے ہوں اس کو ہر طہر اور پاکی کی حالت میں جس طہر میں جنسی تعلق نہ ہوا ہو، ایک ایک طلاق دے، مثلاً پہلے طہر میں ایک طلاق، دوسرے طہر میں دوسری طلاق، اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق۔

اور بالفرض کسی وجہ سے ایام ماہواری نہ آرہے ہوں تو ہر ماہ ایک ایک کر کے طلاق دے۔ طلاق کا یہ طریقہ حسن ہے، پہلے طریقہ کے مقابلہ میں کم بہتر ہے، کیوں کہ اس طریقہ میں پہلے طریقہ کے مقابلہ میں ایک تو عدت کی مدت بڑھی چلی جاتی ہے، جس کی وجہ سے عورت کو پریشانی ہوتی ہے۔ دوسرے طلاق کا بلا ضرورت استعمال ہے جس میں تیسری طلاق کے بعد دوبارہ نکاح کی بلا حلالہ گنجائش نہیں رہتی۔<sup>۲</sup>

## طلاق بدعی

طلاق کا طریقہ جس کو شریعت ناپسند کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ:

(الف) حالت حیض (ایام ماہواری کے زمانہ) میں طلاق دے۔ (ب) یا حائضہ عورت کو اس طہر اور پاکی کی حالت میں طلاق دے، جس میں جنسی تعلق قائم ہو چکا ہے۔ (د) یا بیک وقت تین طلاقیں دے دے جس سے مغلطہ طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور دونوں ہمیشہ کے لئے یکجائی سے محروم ہو جاتے ہیں، اور اپنی طاقت و اختیار کا یہ بیجا استعمال ہے۔ طلاق اگرچہ واقع ہو گئی مگر شریعت اس کو پسند نہیں کرتی۔

(الطلاق البدعة ان يظلقها ثلاثاً بكلمة واحدة أو ثلاثاً في طهر واحد فإذا فعل ذلك وقع

۱۔ مصنف ابن شیبہ، بحوالہ، حاشیہ ہدایہ کتاب الطلاق، ج ۲، ص ۳۳۳، نیز ہدایہ، ج ۲، کتاب الطلاق، ص ۳۳۳

۲۔ حاشیہ ہدایہ کتاب الطلاق، ج ۲، ص ۳۳۳

الطلاق وکان عاصياً) ۱ یعنی، طلاق بدعی یہ ہے کہ زوجہ کو ایک کلمہ میں تین طلاقیں دے دے، یا تین طلاقیں الگ الگ کر کے ایک ہی طہر میں دے دے اگر ایسا کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی مگر گناہ گار ہوگا۔

## طلاق بالمشر وط

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی شرط پر طلاق دے تو وہ شرط پوری ہونے پر طلاق پڑ جائے گی، مثلاً اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ اگر تو نے فلاں کام کیا تو تجھ پر طلاق، تو جب وہ کام کرے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی، اگر وہ کام نہ کرے گی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (وإذا اضاف الی شرط وقع عقیب الشرط-مثلاً ان یقول لامرأته ان دخلت الدار فانت طالق) ۲

## تفویض طلاق

شوہرا پنہ حق طلاق اپنی بیوی کو یا کسی دوسرے شخص کو دے سکتا ہے۔ کسی شرط پر بھی اور بغیر کسی شرط کے بھی، اگر بیوی کو حق طلاق سپرد کر دے تو تفویض ہے، اور اگر بیوی کے علاوہ کسی اور کو دے تو ’’توکیل‘‘ (وکیل بنانا) تفویض واپس نہیں لی جاسکتی ہے، اور توکیل واپس لی جاسکتی ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کر سکتا ہے۔ ۳

## ایلاء (صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا)

اگر کوئی شخص قدرت کے باوجود بغیر کسی عذر کے قسم کھالے کہ پورے چار مہینے تک، یا اب کبھی بھی اپنی بیوی سے صحبت نہ کروں گا تو پورے چار مہینے گزرنے پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ قرآن مجید میں حکم ہے:

لِّلَّذِينَ يُؤَلُّونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ، وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (بقرہ ۲۲۶-۲۲۷)۔ یعنی جو لوگ عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھے ہیں تو ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر انہوں نے رجوع کر لیا تو اللہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے، اور اگر انہوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو سمجھ لیں کہ اللہ سب کو سنتا اور جانتا ہے۔

## ایلاء کے وقوع کی شرطیں

ایلاء منعقد ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۲ شرح البدایہ، ج ۲، ص ۳۵۴، نیز ہدایہ باب الایمان فی الطلاق، ج ۲، ص ۳۶۴

۱ ہدایہ کتاب الطلاق، ج ۲، ص ۳۳۴

۳ رد المحتار، باب الامر بالید، ج ۲، ص ۶۶۶

(۱) ایلاء کرنے والا، عاقل اور بالغ ہو (۲) بوقت ایلاء عورت کا حقیقتاً یا حکماً شوہر کے نکاح میں ہونا (۳) اگر ایلاء کسی اجنبیہ سے کیا گیا ہے تو وہ اس وقت درست ہوگا جب کہ ایلاء کو اس عورت سے نکاح پر موقوف رکھا گیا ہو۔ (۴) صحبت نہ کرنے کو کسی جگہ کے ساتھ مقید نہ کرنا (۵) چار ماہ میں سے کسی دن کا استثناء نہ کرنا۔

## ایلاء سے واپسی کا راستہ

اگر چار ماہ گزرنے سے پہلے پہلے صحبت کر لے تو قسم ٹوٹ جائے گی، اور طلاق واقع نہ ہوگی، مگر قسم توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا۔

(الف) اگر طاعت ہو تو ساٹھ روزے لگا تا رکھے، بیچ میں کوئی روزہ نہ چھوٹے۔  
(ب) جب تک روزہ ختم نہ ہوں عورت سے دن یا رات میں کسی وقت صحبت نہ کرے، ورنہ پھر سے از سر نو روزے رکھنے ہوں گے۔ (ج) اگر چاند کی پہلی تاریخ سے روزے شروع کئے تو مہینے کے حساب سے تیس دن کا مہینہ ہو تو تیس، اور انتیس روز کا مہینہ ہو تو انتیس روزے (د) روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلائے یا کچا اناج دے دے، ایک دن کا اناج صدقہ فطر کے حساب ایک کلو ۶۳ گرام گیہوں۔

## ظہار

ظہار کے لغوی معنی پشت کو پشت کے مقابل کرنا یا ملانا ہے۔ اور شرعاً بیوی کو یا اس کے کسی ایسے عضو کو جس سے پوری ذات مراد لی جاسکتی ہو، اپنی محرمات ابدیہ یا اس کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا حرام ہے، ظہار کہلاتا ہے۔

ظہار سے نکاح نہیں ٹوٹتا مگر کفارہ ادا کئے بغیر بیوی کے ساتھ صحبت اور بوس و کنار وغیرہ جائز نہیں، اور ظہار کا کفارہ وہی ہے جو ایلاء کا ہے۔ الذین یظاہرون منکم من نساء ثم الی فاطعام ستین مسکینا۔ (مجادلہ ۳۲۱)

## خلع (Khula)

خُلْع (باب فتح) کے لغوی معنی اتارنے اور نکالنے کے ہیں۔ خَلَعَ ثوبہ اس نے اپنا کپڑا اتار دیا قرآن مجید میں آیا ہے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ فَاخْلَعْ نَعْلَکَ إِنَّکَ

ع اسلامی قانون، نکاح و طلاق، ص ۹۰-۹۱، مرتبہ مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی

ع الدر المختار مع رد المحتار، باب الایلاء، ج ۲، ص ۵۰-۵۱

ع مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۲۱۱، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

ع فتویٰ شامی، ج ۲، ص ۷۹۰



بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى، اپنے جوتے اتار دو تم وادی مقدس طوی میں کھڑے ہو۔ ۱۔

## اصلاحی تعریف

شوہر کی طرف سے کسی عوض کے مقابلہ میں جس پر زوجین کا اتفاق ہو گیا ہو، رشتہ نکاح ختم کرنا خلع ہے۔ خواہ لفظ خلع کے ذریعہ ہو، یا مبارأت کے ذریعہ، یا لفظ طلاق یا اس کے ہم معنی الفاظ میں سے کسی لفظ کے ذریعہ۔ ۲۔

خلع ایک طرح کا معاہدہ ہے جس میں شوہر نکاح سے حاصل ہونے والے اپنے اختیارات کسی طے شدہ بدل کے عوض ختم کر دیتا ہے، اس لئے یہ طلاق بائن کے حکم میں ہے، اور چونکہ اس میں عوض زوجہ کو ادا کرنا پڑتا ہے، اس لئے اس کی رضامندی ضروری ہے خلع کی پیش کش زوجین میں سے کسی کی طرف سے ہو سکتی ہے مثلاً شوہر کہے کہ میں نے مہر کے عوض تم کو خلع دیا، اور عورت کہے کہ میں نے قبول کیا۔ یا عورت کہے کہ مجھے مہر کے عوض خلع دیدو، اور شوہر کہے کہ میں نے خلع دے دیا۔ کبھی یہ عمل لفظ ”مبارأت“ کے ذریعہ بھی ہوتا ہے کہ مرد کہے کہ میں نے تجھے نکاح سے اس شرط پر علیحدہ کر دیا کہ تو مجھے جملہ حقوق سے بری کر دے، عورت کہے کہ میں نے تجھے بری کر دیا۔ اور کبھی طلاق کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، مثلاً زوج نے کہا کہ میں نے تجھے دو ہزار کے عوض طلاق دی، اور زوجہ نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔

خلع کے ذریعہ وہی حقوق ساقط ہوں گے، اور وہی عوض واجب الادا ہوگا جن کے الفاظ اور جن کی ادائیگی پر باہم اتفاق ہو گیا ہو۔

خلع میں اگر عورت صراحۃً نفقہ عدت کو ساقط کر دے تو ساقط ہو جائے گا، لیکن عدت کا سکنتی اور مستقبل طور پر بچوں کا نفقہ ساقط کرنے سے بھی ساقط نہیں ہوگا، یعنی نفقہ عدت چونکہ عورت کا حق ہے اس لئے اس کو ساقط کرنے کا اختیار ہے، مگر سکنتی حق شریعت ہے اور بچوں کا نفقہ غیر کا حق ہے، اس لئے مطلقہ کو اس کے معاف کرنے کا اختیار نہیں۔

خلع میں مال کی جو مقدار طے ہو جائے درست ہے، لیکن مقدار مہر سے زیادہ مال متعین کرنا اور لینا بہر حال ناپسندیدہ ہے۔ ۳۔

۱۔ اسلامی قانون، نکاح و طلاق، ص ۲۵۲، مرتبہ مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی

۲۔ ایضاً، ص ۲۳۳

۳۔ مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۲۳۱، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

## ’ ’ ثبوت نسب

اسلامی شریعت کا قاعدہ ہے کہ جب تک کوئی مجبوری نہ ہو جائے اس وقت تک کسی بچہ کے نسب کی نفی نہیں کرنی چاہئے، یعنی یہ نہیں کہنا چاہئے کہ یہ فلاں کا لڑکا یا لڑکی نہیں ہے بلکہ دوسرے کے نطفہ سے ہے یہ ایسا کہنا بالکل غلط ہے اور شریعت اسلامی کے مزاج کے خلاف ہے۔

شریعت نے ثبوت نسب کے لئے کم سے کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال مقرر کی ہے، یعنی اگر نکاح صحیح کے بعد اگر منکوحہ کو چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوگا تو وہ بچہ شوہر سے ثابت النسب نہیں ہوگا اور پورے چھ ماہ یا اس سے زیادہ پر جو بچہ پیدا ہوگا وہ ثابت النسب ہوگا۔ اس کے ثابت النسب ہونے کے لئے شوہر کا دعویٰ ضروری نہیں ہے۔ اگر شوہر بچہ کا باپ ہونے سے انکار کرے تو ’’لعان‘‘ کے بغیر بچہ کا نسب اس سے منقطع نہ ہوگا (وإذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بالولد لأقل من ستة أشهر منذ تزوجها لم يثبت نسبه وإن جاءته به لستة أشهر فصاعداً يثبت نسبه منه اعترف به اتزوج أو سكت) ۱۔

اور نکاح فاسد میں جس دن وطی ہوگی، اس کے بعد چھ مہینے یا زائد پر پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب ہوگا، اور بچہ کے ثابت النسب ہونے کے لئے شوہر کی طرف سے دعویٰ ضروری نہیں ہے (ويثبت نسب الولد المولود في النكاح الفاسد وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول عند محمد وعليه الفتوى) ۲۔

اور جس عورت سے وطی بالشبہ ہوگئی ہو اور اس وطی کے چھ ماہ یا اس سے زیادہ پر بچہ ہو تو جب تک وطی کرنے والا یہ دعویٰ نہ کرے کہ یہ بچہ میرا ہے اس وقت تک اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ (إن من وطى امرأة اجنبية زفت إليه وقيل له إنها امرأتك فهي شبهة في الفعل وإن نسب يثبت إذا دعاه) ۳۔

اور اگر معتدہ رجعیہ کو عدت گزر جانے کے اقرار سے پہلے بچہ پیدا ہو تو وہ بچہ ثابت النسب قرار پائے گا، گرچہ دو سال کے بعد ہی پیدا ہوا ہو۔ اور اگر عورت نے عدت گزر جانے کا اقرار کر لیا اور اس کے بعد چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہو تو یہ بھی ثابت النسب ہوگا۔ ۴

اور مطلقہ بانہ یا مغلظہ کو اگر طلاق کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ ہوا تو وہ بھی ثابت النسب

۱۔ فتویٰ ہندیہ، الباب الخامس عشر، فی ثبوت النسب، ج ۱، ص ۵۳۶

۲۔ ایضاً، الباب الثامن، فی النکاح الفاسد و احکامہ، ج ۱، ص ۳۳۰ ۳۔ البحر الرائق، باب ثبوت النسب، ج ۴، ص ۱۵۸-۱۵۹

۴۔ ہدایہ، باب ثبوت النسب، ج ۲، ص ۴۱۰

ہوگا۔ چھ ماہ سے زائد مگر دو سال کے اندر بچہ پیدا ہوا اور عورت نے عدت گزر جانے جانے کا اقرار نہ کیا ہو تو یہ بھی ثابت النسب ہوگا۔ بلکہ اگر دو سال پر یا دو سال کے بعد بچہ پیدا ہوا اور عورت نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو اور شوہر دعویٰ کرے تو یہ بھی ثابت النسب ہوگا ورنہ نہیں۔

اگر شوہر کی وفات کے چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہوا ہو تو ثابت النسب ہوگا۔ اور اگر دو سال کے اندر پیدا ہوا اور اس نے عدت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو، یا اقرار کر لیا ہو مگر وقت اقرار کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو تو یہ بچہ ثابت النسب ہوگا ورنہ نہیں۔<sup>۱</sup>

## عدت کا بیان

عدت کے لفظی معنی شمار کرنے کے ہیں اور شریعت میں اس مدت انتظار کو کہتے ہیں جو نکاح کے ختم ہونے کے بعد شریعت نے مقرر کی ہے، اس کی کئی صورتیں ہیں، سب کا بیان نیچے کیا جاتا ہے۔

طلاق پا جانے یا شوہر کے انتقال کے بعد ایک مدت تک دوسرے نکاح سے عورت کے رکے رہنے اور سوگ منانے کو عدت کہتے ہیں، عدت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک طلاق کی عدت، دوسرے موت کی عدت۔ طلاق کی عدت کی کئی صورتیں ہیں۔

### طلاق کی عدت :

اگر کسی عورت کو طلاق مل گئی ہو، تو اس کی عدت تین حیض ہیں، یعنی اس کو تین حیض جب تک نہ آجائیں۔ نہ تو وہ دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے، اور نہ تو اس گھر سے جس میں اس کو طلاق ملی ہے، بغیر کسی مجبوری کے باہر نکل سکتی ہے، قرآن میں ہے :

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (بقرہ) ۱۔

(مطلقہ عورتیں تین حیض کے گزرنے تک نکاح وغیرہ سے رکی رہیں)

### طلاق کی عدت میں اس کو کس طرح رہنا چاہئے

جس عورت کو ایک یا دو طلاق رجعی ملی ہو اور وہ بالغہ ہو اور حیض کا سلسلہ بند نہ ہو گیا ہو، تو اس کو جیسا کہ اوپر کی آیت سے معلوم ہوا تین حیض تک نہ تو کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرنا چاہئے، اور نہ اس کو اس گھر سے جس میں طلاق ملی ہے، نکل کر دوسرے کسی کے گھر جانا چاہئے، البتہ جس عورت کو طلاق رجعی ملی ہے، اس کو بناؤ سنگھار کرنے کی اجازت ہے، تاکہ شوہر راغب ہو کر رجعت کر لے قرآن میں ہے، وَلَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ۔ (طلاق)

طلاق رجعی کی طرح، طلاق بائن اور طلاق مغلفہ کی عدت بھی تین حیض ہے۔ اس کو بھی نہ تو عدت بھر کسی سے نکاح کرنا چاہئے، اور نہ عدت بھر گھر سے باہر نکل کر ادھر ادھر جانا چاہئے، ان دو باتوں کے ساتھ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بناؤ سنگھار نہ کرے۔ یہ تینوں چیزیں ایسی عورت کے اوپر حرام ہیں۔

جس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو، وہ اسی شوہر سے عدت کے اندر بھی نکاح کر سکتی ہے،

لیکن دوسرے کسی سے اگر عدت کے اندر نکاح کرے گی تو سخت گناہ بھی ہوگا اور نکاح بھی نہ ہوگا۔<sup>۳</sup>  
**جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو**

جن عورتوں کو نابالغ ہونے کی وجہ سے ابھی حیض نہ آیا ہو، یا بڑھاپے یا کسی مرض کی وجہ سے حیض کا آنا بند ہو چکا ہو، ان کی عدت تین مہینے ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَسْنَنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَاءٍ كُمْ إِنْ أَرْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَلَوْلَا لَمْ يَحْضَنْ - (طلاق)

اور تمہاری بیویوں میں سے جن عورتوں کو حیض آنا بند ہو گیا ہو ان کے بارے میں اگر شبہ ہو تو ان کی اور جن لڑکیوں کو ابھی حیض نہ آیا ہو ان کی عدت تین مہینے ہے۔<sup>۱</sup>

**موت کی عدت:**

تین دن سے زیادہ کسی کے مرنے کا غم کرنا، سوگ منانا اور تیل کنگھی وغیرہ چھوڑ دینا درست نہیں ہے، بلکہ ایسا کرنا حرام ہے، لیکن شوہر کا رشتہ ایسا نازک اور پائدار ہوتا ہے کہ اس کے کٹ جانے کی اتنی اہمیت ہے کہ عورت کو کئی مہینے تک غم کرنے اور سوگ منانے کی اجازت دی گئی ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُوْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحَدِّثَ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا - (بخاری و مسلم)

کسی مسلمان عورت کے لئے جو توحید و آخرت پر ایمان رکھتی ہے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی مردے پر تین دن سے زیادہ رنج و غم کا اظہار کرے لیکن اپنے شوہر کی موت پر وہ (چار مہینے دس دن تک) ایسا کر سکتی ہے۔<sup>۲</sup>

## رشتہ زوجیت دو طرح سے کٹتا ہے:

شوہر کا رشتہ بیوی سے دو طرح سے کٹتا ہے، ایک طلاق کے ذریعے، دوسرے موت کے ذریعے۔ طلاق کی عدت کا حکم اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اب موت کی عدت کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے، اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

والذین يتوفون منكم و يذرون ازواجاً يتربصن بانفسهن اربعة اشهرٍ و عشراً۔ (بقرہ)  
جو لوگ تم میں سے انتقال کر جاتے ہیں، اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں چار  
مہینے دس تک اپنے کو نکاح وغیرہ سے روکے رکھیں۔<sup>۱</sup>

قرآن میں چار مہینے دس دن اپنے کو روکے رکھنے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کے معنی یہ  
ہیں کہ وہ نکاح نہ کریں اور نہ شوہر والی عورتوں کی طرح بناؤ سنگھار کریں اور نہ گھر سے باہر  
جائیں گویا اس مدت میں ہر طرح کی دل چسپی اور شوقینی سے باز رہیں۔

مطلقہ عورت یا جس کا شوہر مر گیا ہے، اس کے اظہار غم کرنے، سوگ منانے اور بناؤ  
سنگھار نہ کرنے کا جو ذکر قرآن و حدیث میں ہے اسی سے فقہاء نے یہ احکام مستنبط کئے ہیں:

(۱) جس عورت کا شوہر مر گیا ہے، اسے چار مہینے دس دن، اور جس عورت کو طلاق بائن مل چکی  
ہے، اس کو تین حیض تک بغیر کسی مجبوری کے نہ تو اس گھر سے باہر جانا چاہئے، جس میں اسے  
طلاق ملی ہے، یا شوہر کا انتقال ہوا ہے، اور نہ عدت تک نکاح کرنا چاہئے، اگر وہ گھر سے باہر  
گئی تو عدت کا خرچ نہیں ملے گا۔ اور نہ شوہر والی عورتوں کی طرح زیبائش و آرائش کے ساتھ  
رہنا چاہئے، مثلاً نہ ان کو گہنا زیور پہننا چاہئے، نہ خوشبو لگانا چاہئے، نہ سر میں تیل ڈالنا چاہئے،  
نہ کنگھی کر کے مانگ نکالنی چاہئے، نہ سرمہ لگانا چاہئے، نہ پان کھانا چاہئے اور نہ عمدہ اور شوخ  
کپڑے پہننے چاہئیں۔ یہ سب باتیں حرام ہیں۔ مطلقہ بائنہ کو عدت بھر شوہر سے پردہ کرنا بھی  
ضروری ہے۔ البتہ اگر اسے طلاق رجعی ملی ہے تو وہ بناؤ سنگھار کر سکتی ہے تاکہ شوہر اس کی  
طرف مائل ہو جائے۔<sup>۲</sup>

(۲) اگر سر میں درد ہو یا جوئیں، تو سر میں تیل ڈالنے اور کنگھی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے،  
مگر خوشبو دار تیل نہ لگانا چاہئے، اسی طرح اگر پان نہ کھانے یا سرمہ نہ لگانے کی وجہ سے دانت  
یا آنکھ میں درد یا تکلیف محسوس ہو تو پان کھا لینے اور سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح کوئی شدید ضرورت پیش آ جائے، تو وہ گھر سے باہر دوسری جگہ جاسکتی ہے،  
لیکن نکاح کسی حالت میں نہیں کر سکتی۔<sup>۳</sup>

نہانے دھونے، بدن اور کپڑوں کو صاف ستھرا رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۵) سوگ کرنا بالغ عورت پر واجب ہے، نابالغ لڑکی پر واجب نہیں ہے، البتہ عدت بھر نہ تو

نا بالغ لڑکی کا نکاح کرنا چاہئے اور نہ اس کو گھر سے باہر جانے دینا چاہئے۔ (بہشتی زیور)  
 (۶) سوگ اور غم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مستقل طور پر چیختی چلاتی یا آنسو بہاتی رہے، یا ماتمی لباس پہن کر ہر وقت سینہ کو بی کرتے رہے، یہ سب ناجائز و حرام ہے، اسی طرح ہر سال موت کی برسی منانا اور اس میں کھانا کھانا، مجمع کرنا، عرس کرنا، چادر چڑھانا یہ سب ناجائز ہے۔ یہ اظہار غم نہیں ہے، بلکہ گناہ ہے۔

شوہر کے علاوہ اپنے کسی اور عزیز رشتہ دار پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں، بشرط کہ شوہر منع نہ کرے، اگر وہ منع کرے تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔<sup>۱</sup>

### عدت کا مقصد:

عدت کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ یہ اہمیت ذہن نشین ہو جائے کہ رشتہ نکاح کا توڑنا یا ٹوٹ جانا بڑی اہم بات ہے۔ دوسرے یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس شوہر سے اس کو حمل تو نہیں ہے۔ اور دو تین مہینے میں یہ بات عیاں ہو جائے گی۔<sup>۲</sup>

### حاملہ کی عدت:

جس عورت کو طلاق بائن یا مغلظہ مل چکی ہے، یا اس کا شوہر انتقال کر گیا ہے، اور اس کو اس شوہر سے حمل ہے تو اس حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، یعنی جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے تو وہ نہ تو نکاح کر سکتی ہے، نہ گھر کو چھوڑ کر ادھر ادھر جا سکتی ہے، اس کو بھی اس طرح سوگ کرنا چاہئے، جس طرح اوپر بیان کیا گیا ہے۔

وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ - (طلاق)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔<sup>۳</sup>

### زانیہ کی عدت:

(۱) اگر کوئی بد بخت عورت و مرد زنا کر بیٹھیں اور عورت کو حمل رہ جائے، تو اگر اس زانیہ سے اس زانی کا نکاح ہو تو حمل کی حالت میں بھی یہ دونوں نکاح کر سکتے ہیں، کیونکہ جب انہوں نے نکاح جیسی اہم قید کی پرواہ نہیں کی اور وہ فعل کر بیٹھے جو نکاح کے بعد کرنا چاہئے، تو

۱۔ اسلامی فقہ، ج ۲، ص ۱۸۸، مولانا مجیب اللہ ندوی ۲۔ اسلامی فقہ، ص ۲۷۸، مرتبہ مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی

۳۔ اسلامی فقہ، ص ۲۵۰، مرتبہ مولانا منت اللہ رحمانی

پھر ان کو جلد سے جلد نکاح کر لینے کی اجازت دے دینا ہی مناسب ہے، کیونکہ ایسے بے حیا جو نکاح کی قید کو توڑ سکتے ہیں، وہ عدت کی پرواہ کب کریں گے۔ بلکہ مزید گناہ کریں گے، اس لئے ان کو جلد سے جلد گناہ سے بچانے کی یہی صورت ہے کہ عدت کی قید ان سے ہٹا کر جلد سے جلد ان کو گناہ سے بچا لیا جائے۔

یہی حکم اس عورت کا بھی ہے، جس کے شوہر نے زنا کے ارتکاب کی وجہ سے اس کو طلاق دے دی ہے، اور یہی حکم اس عورت کا بھی ہے جو طلاق پانے کے بعد زنا کی مرتکب ہوئی ہے۔

(۲) لیکن اگر کسی زانیہ حاملہ عورت کا نکاح زانی کے بجائے کسی دوسرے سے کرنا ہو، تو حمل کی حالت میں اس کا نکاح دوسرے شخص سے بھی ہو سکتا ہے، البتہ زانی اس سے حمل کی حالت میں مباشرت بھی کر سکتا ہے، اور دوسرے آدمی وضع حمل سے پہلے مباشرت نہیں کر سکتا، کیونکہ اسلامی شریعت یہ پسند نہیں کرتی کہ جس رحم میں ایک آدمی کا نطفہ پڑ چکا ہے، اس میں دوسرے کسی کا اسی کے ساتھ پڑے، اس میں عورت کے رحم کا احترام بھی ملحوظ ہے، اور یہ بات بھی ہے کہ لڑکے کا نسب مشتبہ نہ ہونے پائے۔<sup>۱</sup>



## حضانت (بچے کی پرورش)

حضانت کے لغوی معنی تربیت کے ہیں، شرعی اصطلاح میں ماں یا کسی شرعی مستحق کے چھوٹے بچے کی پرورش کرنے کو ’’حضانت‘‘ کہتے ہیں۔

اس بات پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ بچہ کی پرورش کی مستحق سب سے مقدم اس کی ماں ہے، دوسرے رشتہ داروں کا درجہ اس کے بعد ہے، البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ اس لڑکے یا لڑکی کا حق پرورش ماں کو کتنی عمر تک رہتا ہے؟ صاحب ہدایہ برہان الدین مرغینانی تحریر فرماتے ہیں کہ

والان الام اشفق واقدّر علی الحضانة فكان الدفع اليها.....<sup>۱</sup>

یعنی اس لئے کہ ماں بچے کے حق میں بے حد شفیق ہوتی ہے، اور نگرانی و حفاظت پر مرد کی نسبت زیادہ قدرت رکھتی ہے اسی شفقت کی طرف حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے اس قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ ’’اے عمر بچے کی ماں کا لعب دھن بچہ کے حق میں تمہارے شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے۔‘‘

### حق حضانت کے شرائط

حق حضانت انہیں کو حاصل ہوگا جو، عاقل بالغ ہوں اور بچہ جسمانی اور اخلاقی کی صلاحیت رکھتے ہوں اور قابل اعتماد ہوں عورت کے حق میں چاروں ائمہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ اگر والدین میں جدائی ہو گئی ہو اور ماں نے کسی دوسرے اجنبی مرد سے نکاح نہ کیا ہو، یعنی ماں کا ترجیحی حق حضانت کسی اجنبی سے جو بچے کا محرم نہ ہو نکاح کر لینے سے ساقط ہو جاتا ہے۔<sup>۲</sup>

بچہ ماں یا باپ میں سے جس کی بھی تربیت میں رہتا ہو، وہ دوسرے کو اس سے ملنے جلنے اور دیکھنے سے شرعاً منع نہیں کر سکتا۔<sup>۳</sup>

۱۔ ہدایہ، ج ۲، ص ۳۳۳۔ الرد المختار، اوائل باب الحضانة، ج ۲، ص ۸۷۱۔ حۃ الضأ

۲۔ مجموعہ قوانین اسلام ج ۳، باب الحضانت، ڈاکٹر تنزیل الرحمن، پاکستان

## اولاد کی پرورش کا خرچہ

میاں بیوی میں جدائی ہو گئی اور گود میں بچہ ہے، تو اس بچہ کی پرورش کا حق ماں کو ہے، باپ اس کو چھین نہیں سکتا، اور بچے کا سارا خرچ باپ کے ذمہ ہوگا۔

لڑکا جب تک سات سال کا نہ ہو جائے اس کی پرورش کا حق ماں کا رہتا ہے، جب سات سال کا ہو گیا تو باپ کو ماں سے بچہ لینے کا شرعاً حق ہے۔ اور لڑکی کی پرورش کا حق ماں کو لڑکی کے بالغ ہونے تک رہتا ہے، پھر باپ لے سکتا ہے، پھر ماں کو روکنے کا حق نہیں رہتا ہے۔

اگر پرورش کرنے والی عورت، ٹی. بی.، جنون، جذام، برص جیسے امراض میں مبتلا ہو تو حق حضانت ساقط ہو جائے گا<sup>۱</sup> نیز اگر عورت بدکردار، فاحشہ، فاسقہ ہو تو حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔<sup>۲</sup>

## پرورش کی اجرت

اس دوران بطور اجرت پرورش مرد (سابق شوہر) کو اپنے بچوں کے علاوہ اس عورت کے گزر بسر کا سامان بھی کرنا ہوگا۔

اگرچہ بچہ کے پاس مال ہو تو اس کی پرورش کی اجرت اسی کے مال سے ادا کی جائے گی، ورنہ جن پر اس بچہ کے نفقہ واجب ہے انہیں پر یہ اجرت بھی واجب ہوگی۔<sup>۳</sup>

بچہ کی پرورش، اور اس کی ضروریات، اس کے حالات و ماحول نیز جس پر حضانت واجب ہے اس کی استطاعت کو سامنے رکھتے ہوئے پوری کی جائیں گی۔<sup>۴</sup>

۱۔ رد المختار، باب الحضانه، ج ۲، ص ۸۷۱ ۲۔ الدر المختار علی هامش رد المختار، ج ۲، ص ۸۷۱-۸۷۳

۳۔ الدر المختار علی هامش رد المختار، باب الحضانه، ج ۲، ص ۸۷۷ ۴۔ رد المختار، باب النفقه، ج ۲، ص ۹۳۹

## وصیت (Wills)

وصیت کے لفظی معنی جانشین بنانے اور تاکید کرنے کے ہیں اور شریعت میں بھی وصیت کے دو معنی ہیں۔ ایک تو کسی کو اپنی زندگی ہی میں اپنے مرنے کے بعد کسی کام کے کرنے کی ذمہ داری سونپنا جس کو یہ ذمہ داری سونپی جائے گی، وہ مرنے والے کا وصی کہلائے گا، دوسرے کسی غیر وارث کو اپنی جائیداد سے یا اس سے کم پانے کی ہدایت و تاکید کر جانا، یہاں پر دوسری قسم کی وصیت کا ذکر کیا جائے گا۔

### ابتدائے اسلام میں وصیت فرض تھی:

جاہلیت میں وراثت ان ہی مردوں کو ملتی تھی، جو جوان بھی ہوں اور جنگ میں جانے کے قابل بھی ہوں، بوڑھے مردوں، عورتوں، بچوں، یتیموں، بیواؤں کو ترکے میں سے کچھ بھی نہیں ملتا تھا، ابتدائے اسلام میں جب تک کہ ایک اسلامی حکومت نہیں قائم ہو گئی، اس وقت تک میراث کی تقسیم کا مفصل حکم نہیں دیا گیا، کیونکہ یہ حکم اسی وقت زیادہ موثر ہو سکتا تھا جب ایک قوت نافذہ اس کے نفاذ کے لئے موجود ہو، ابتدائے وصیت کے سلسلے میں نظامِ جاہلیت میں صرف اتنی تبدیلی کی گئی کہ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے والدین یتیموں، بیواؤں اور اپنے غریب اعزہ کو اپنے مال و جائیداد سے کچھ دینے کی وصیت کر جایا کریں تاکہ جوان قوی اعزہ و اقارب ان بے سہارا لوگوں پر ظلم اور ان کی حق تلفی نہ کر سکیں، قرآن نے اس حکم کا بڑے پُر زور انداز میں ذکر کیا ہے بلکہ

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا أَحْضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتَ أَنْ تَرَكَ خَيْرَ الْوَصِيَّةِ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ  
بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ۔ ۱ (بقرہ)

”جب موت کا وقت قریب ہو جائے تو تمہارے اوپر یہ فرض کیا گیا ہے کہ اگر تم نے کچھ مال چھوڑا ہے تو اپنے والدین اور اعزہ و اقارب کے لئے معقول طریقے پر وصیت کر جاؤ یہ ضروری ہے خدا سے ڈرنے والوں پر۔“

لیکن جب لوگوں کے دلوں میں اسلام کی حقانیت بیٹھ گئی، اور ایک حکومت بھی

وجود میں آگئی، تو ۴ھ و ۵ھ کے درمیان میراث کی تقسیم کا مفصل حکم نازل ہوا، اور وصیت کی فرضیت کو استحباب سے بدل دیا گیا اور اس کی وسعت کو ۱/۳ کے اندر محدود کر دیا گیا، یعنی اب وصیت فرض نہیں مستحب قرار پائی، اور وصیت کے لئے یہ حد مقرر کر دی گئی ہے کہ مرنے والا اپنی جائیداد اور مال میں صرف ۱/۳ کے اندر وصیت کر سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں، اب اس سے ایک طرف ورثہ کا حصہ بھی محفوظ ہو گیا، اور دوسری طرف ہر شخص کو یہ موقع دیا گیا ہے کہ اگر اس کے اعمال میں کوئی کمی یا خامی رہ گئی ہے تو وہ اپنے مال کو کسی کار خیر میں لگا کر اس کمی و خامی کی کوئی تلافی کر سکے، اور پھر اسی کے ساتھ یہ موقع بھی دیا گیا ہے کہ اس کے اعزہ و اقارب میں جو لوگ کسی سے وراثت میں حصہ نہ پاسکتے ہوں یا حصہ تو پاسکتے ہوں، مگر وہ ان کی ضرورت بھر نہ ہو اور وہ اس قابل بھی نہ ہوں کہ وہ اپنے یا اہل و عیال کے لئے مزید کوئی ذریعہ معاش پیدا کر سکتے ہوں، مثلاً مریض، کمزور یا بوڑھے ہوں، بیوہ عورت، یتیم بچے ہوں، ایسے لوگوں کی روزی کا کچھ سہارا مرنے والا اگر چاہے تو وصیت کے ذریعہ کر سکتا ہے، اور بعض صورتوں میں تو ایسا کرنا اخلاقاً ضروری ہے۔

### وصیت کے شرائط:

وصیت کے سلسلے میں شریعت نے چند ایسی شرطیں لگا دی ہیں کہ اگر ان کی رعایت کی جائے تو نہ تو ورثہ پر کوئی ظلم ہو سکتا ہے، اور نہ حد سے زیادہ ایک ہی یا چند آدمیوں کے پاس دولت جمع ہو سکتی ہے اور نہ کسی حق دار کا حق مارا جاسکتا ہے، جس وصیت میں یہ شرطیں نہ پائی جائیں گی وہ قانوناً نافذ نہیں ہوگی۔

(۱) سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وصیت، تجہیز و تکفین کا خرچ اور قرض وغیرہ ادا کرنے کے بعد پوری کی جائے گی۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے مال یا جائیداد میں تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کی جائے اگر کوئی ۱/۳ سے زیادہ وصیت کرے گا، تو ۱/۳ ہی کے اندر اس کی وصیت پوری کی جائے گی، خواہ وہ پوری ہو یا نہ ہو، کیونکہ اس سے زیادہ وصیت کرنے کا اس کو حق ہی

نہیں ہے اور پھر اس میں ورثہ کی حق تلفی بھی ہے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ ایک بار سخت بیمار پڑے۔ نبی کریم ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے، انہوں نے آپؐ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میرے پاس مال و جائیداد کافی ہے، اور میری ایک ہی لڑکی ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنے ترکے کا دو حصہ راہِ خدا میں صدقہ کر دوں، آپؐ نے فرمایا کہ ایسا کرنا صحیح نہیں ہے، پھر انہوں نے کہا کہ اچھا تو آدھا صدقہ کر دوں، آپؐ نے پھر منع فرمایا، انہوں نے تیسری بار کیا کہ اچھا تو ایک تہائی صدقہ کر جاؤں، آپؐ نے فرمایا کہ:

الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ - ہاں تہائی تو کر سکتے ہیں مگر یہ بھی زیادہ ہے۔

پھر اس کے بعد آپؐ نے ایک انتہائی حکیمانہ بات فرمائی:

اِنَّكَ اَنْ تَذُوْرَ ثَنَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَدْعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْا النَّاسَ - (المنقذی بحوالہ بخاری و مسلم) ۱

”اپنے وارثوں کو خوش حال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ ان کو بالکل تنگ دست بنا کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔“

حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ اگر لوگ ۱/۳ کے بجائے صرف ۱/۴ ہی میں وصیت کیا کرتے تو زیادہ بہتر تھا، کیوں کہ نبی ﷺ نے ایک تہائی کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ تہائی بھی زیادہ ہے۔ (المنقذی)

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والا (موصی) عاقل بالغ ہو اور ہوش و حواس کی حالت میں وصیت کرے، اگر کوئی بچہ یا پاگل وصیت کرے گا، تو اس کی وصیت بے کار ہوگی۔ ۲

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ موصی جس کو وصیت کر رہا ہے وہ (وصی) اس کے ترکے کا وارث نہ ہو کیوں کہ وہ تو ترکے سے حصہ پائے گا ہی۔ اس کو دوہرا حصہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَعْطٰی كُلَّ ذیْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِّوَارِثٍ - (بخاری)

”اللہ تعالیٰ نے تو ہر حق دار (وارث) کا حق دے ہی دیا ہے، اس لئے کسی وارث کے لئے وصیت نہ کی جائے۔“

## وصیت سے وارث کے حصہ پانے کی صورتیں :

وصیت کے ذریعے جائیداد یا روپیہ وغیرہ میں وارث کے حصہ پانے کی صرف دو صورتیں ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ دوسرے ورثہ اس پر راضی ہو جائیں، خواہ وہ موصی کی زندگی ہی میں راضی ہو جائیں یا مرنے کے بعد، نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے، البتہ اگر دوسرے ورثہ اس کی اجازت دے دیں تو جائز ہوگی۔ (دارقطنی)

(۲) دوسرے یہ کہ کوئی استحقاق کے اعتبار سے تو وراثت کے پانے کا حق دار تھا لیکن کسی دوسرے سبب کی وجہ سے وہ محروم ہو گیا ہے، مثلاً دادا کی موجودگی میں کسی کا باپ مر جائے تو وہ پوتا شرعی اعتبار سے محبوب ہو جاتا ہے، یعنی اس کو دادا کے ترکے سے حصہ نہیں ملے گا، لیکن دادا وصیت کر جائے تو اس کو حصہ ملے گا، بلکہ ایسے محروم ورثہ کو وصیت کر جانا بڑا کارِ ثواب ہوگا۔

## مکروہ و حرام وصیت :

جس طرح تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں ہے، یا عام حالت میں ورثہ کو وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص ناجائز، مکروہ، حرام کام کرنے کی وصیت کر جائے تو وہ وصیت بھی پوری نہیں کی جائے گی، مثلاً کسی نے کہا کہ میرے مرنے کے بعد مجھے ریشمی کفن دیا جائے، میری قبر پختہ بنائی جائے، یا میری قبر پر روزانہ ایک حافظ آکر قرآن مجید پڑھے اور اس کا خرچ دیا جائے، یا خوب دھوم دھام سے چہلم یا تیجہ کیا جائے، تو یہ وصیتیں پوری نہیں کی جائیں گی، کیوں کہ ان میں سے کوئی چیز بھی شریعت کی رو سے صحیح نہیں ہے۔<sup>۲</sup>

غرض یہ کہ جو چیزیں شریعت میں ناجائز یا مکروہ ہیں یا غیر ضروری اور فضول خرچی ہے، ان کی اگر وصیت کر بھی دی جائے، تو وہ پوری نہیں کی جائے گی۔

(۲) اگر قرض ادا کرنے کے بعد کچھ نہ بچے تو وصیت پوری نہیں کی جائے گی۔

(۳) کسی نے وصیت کی کہ مجھے میرے مکان میں دفن کرنا یا استطاعت کے باوجود اس

۱۔ دارقطنی، بحوالہ فقہ اسلامی ج ۲، مرتبہ مولانا مجیب اللہ ندوی  
۲۔ مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۳۰۸، مرتبہ قاضی مجاہد الاسلام، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

نے کہا کہ مجھے صرف ایک کفن دینا، تو اس کی وصیت پوری نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کو عام قبرستان میں دفن کیا جائے گا، اور تین کفن دیا جائے گا۔

(۴) اگر کوئی شخص یہ وصیت کر جائے فلاں شخص میری نماز پڑھائے، یا فلاں جگہ میں دفن کیا جاؤں تو اس وصیتوں کا پورا کرنا ضروری تو نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شرعی عذر مانع نہ ہو، تو پورا کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

### جائز وصیتیں :

اگر کوئی نیک اور جائز کام کی وصیت کر جائے، تو وہ پوری کی جائے گی، مثلاً (۱) کسی پر حج فرض تھا اور اس نے اس کے لئے روپے بھی جمع کیا تھا مگر حج سے پہلے انتقال ہو گیا، اور انتقال کے وقت اس نے حج بدل کی وصیت کی تو اس کی یہ وصیت پوری کی جائے گی، لیکن ایک ثلث سے زیادہ مال ورثہ کی اجازت کے بغیر اس وصیت کے پورا کرنے میں خرچ نہیں کیا جائے گا، اگر اس کے وطن سے جانے میں ثلث مال سے زیادہ خرچ ہوتا ہے تو حجاز ہی کے کسی آدمی کے ذریعے حج کرادیا جائے، تاکہ اس کی وصیت بھی پوری ہو جائے، اور ایک ثلث سے زیادہ مال بھی خرچ نہ ہو۔

(۲) اگر کسی نے کوئی چیز صدقہ کرنے یا غلہ صدقہ کرنے کی وصیت کی ہے تو اس چیز یا اس غلہ کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے، اس چیز کا دینا یا اتنا غلہ ہی دینا ضروری نہیں ہے۔

(۳) اگر کسی نے وصیت کی کہ میرا فلاں دوست یا فلاں عزیز میرے مکان میں بغیر کرایہ ادا کئے رہے تو یہ وصیت جائز ہے، لیکن اگر اس نے ایک ہی مکان چھوڑا ہے تو اس کی وصیت صرف ۱/۳ میں نافذ ہوگی، یعنی اس کے دوست کو صرف ۱/۳ مکان رہنے کے لئے دیا جائے گا، بقیہ ورثہ کا ہوگا۔

### دوسروں کی حق تلفی یا نقصان پہونچانے والی وصیتیں :

جس طرح ناجائز وصیتیں کرنا گناہ ہے، اسی طرح وہ وصیتیں کرنا بھی گناہ ہے جن سے کسی وارث کی حق تلفی یا نقصان ہوتا ہو، بعض صورتوں میں ایسی وصیتیں نافذ ہی نہیں ہوں گی اور بعض میں نافذ تو ہو جائیں گی مگر اس کو سخت گناہ ہوگا، قرآن میں وصیت اور

فرض کی ادائیگی کا حکم بیان کرتے ہوئے کہا گیا۔

من بعد وصية يوصي بها او دين غير مضار - (نساء)

”میراث کی تقسیم میت کی کی ہوئی وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد کی جائے، بشرط کہ یہ وصیت اور قرض ورثہ کو نقصان پہونچانے والا نہ ہو۔“

اس کی تفسیر میں نبی ﷺ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں وہ بہت قابل غور ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کتنے مرد عورت ایسے ہوتے ہیں کہ ساٹھ برس تک یعنی پوری عمر خدا کی اطاعت کرتے رہتے ہیں اور جب موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ اپنی وصیت کے ذریعے (ورثہ کو) نقصان پہونچا جاتے ہیں (یا مستحقین کو وصیت نہیں کرتے) جس کی وجہ سے وہ دوزخ کے مستحق ٹھہر جاتے ہیں۔

ورثہ کی حق تلفی اور نقصان پہونچانے کی کئی سورتیں ہو سکتی ہیں :

(۱) اگر کوئی ثلث مال سے زیادہ وصیت کرے گا، تو اس کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے ورثہ کی حق تلفی کے لئے ایسا کیا ہے، اس لئے یہ وصیت پوری نہیں کی جائے گی اور اس کو حق سے زیادہ وصیت کرنے کی وجہ سے گناہ بھی ہوگا۔

(۲) مرنے والے کے ذمے کسی کا کوئی قرض یا کسی کی امانت نہ رہی ہو، لیکن ورثہ کو نقصان پہونچانے کے لئے وہ اقرار کر گیا ہو کہ میرے ذمے فلاں کا اتنا قرض یا اتنی امانت ہے، تو اگر اس کا غلط اور جھوٹ ہونا ثابت ہو جائے، تو یہ وصیت اگر ثلث مال میں پوری ہو جاتی ہو تو پوری تو کی جائے گی، مگر وصیت کرنے والے کو سخت گناہ ہوگا، اس لئے کہ اس سے ورثہ کو نقصان پہونچے گا۔

(۳) اس کا قرض کسی دوسرے کے اوپر تھا یا اس کی امانت کسی کے یہاں رکھی ہوئی تھی اور اس کا علم سب کو تھا مگر وہ جھوٹ یہ کہے کہ میں اپنا قرض یا امانت پاچکا ہوں تو گو اس کا اقرار قانوناً تسلیم کر لیا جائے گا، مگر وہ سخت گناہ گار ہوگا، اس لئے کہ اس میں ورثہ کی حق تلفی ہے۔

**وصیت سے رجوع کر لینا :**

جب تک کوئی شخص زندہ ہے، اس کو اپنی وصیت سے رجوع کر لینے کا حق باقی ہے۔



مثلاً کسی نے ایک مکان کسی کو دینے کی وصیت کی، لیکن کچھ دنوں کے بعد اس نے کہا کہ میں اس سے رجوع کرتا ہوں یا اپنی وصیت واپس لیتا ہوں، تو اس کو اس کا حق ہے، اگر اس نے زبان سے نہیں کہا مگر اس نے کوئی ایسا طرز عمل اختیار کیا، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے وصیت سے رجوع کر لیا، تو بھی وصیت کا عدم ہو جائے گی، مثلاً ایک زمین وصیت کی، پھر اس میں اپنے لئے مکان بنا لیا یا اس میں خود کھیتی کرنے لگا، یا جانور وصیت کیا اور اس کو فروخت کر دیا تو اس کے طرز عمل سے اب یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنی وصیت سے رجوع کر لیا۔

### وصی کی حیثیت :

اگر کوئی شخص زندگی میں اپنی موت کے بعد اپنے کاموں کی انجام دہی کے لئے کسی کو ذمے دار بنا جائے تو جس کو اس نے ذمے دار بنایا ہے، اس کو شریعت میں وصی کہتے ہیں، اور جس نے وصی بنایا ہے وہ ”موصی“ ہے، وصی کی زندگی میں تو اس وصیت سے انکار کر سکتا ہے، لیکن اگر اس نے موصی کی زندگی میں اس سے انکار نہیں کیا تو پھر اس کی موت کے بعد اس کو اس ذمے داری سے علیحدہ ہونے کا حق نہیں ہے۔

وصی کی حیثیت امین کی ہوتی ہے اس لئے اسے موصی کے مال اور جائیداد میں اسی طرح تصرف کرنا چاہئے، جس طرح وہ کہہ گیا ہے یا جس طرح وہ اپنے مال و جائیداد میں کرتا تھا۔<sup>۱</sup>

## وراثت (Inheritance)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کی اہمیت بیان فرمائی ہے، وَصِيَّةٌ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ..... وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ (النساء ۱۲-۱۴) یعنی یہ حکم ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ دانا و بینا ہے اور نرم خو ہے، یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوگی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیگا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کریگا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا اسے اللہ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن سزا ہے۔<sup>۱</sup>

مذکورہ آیات میں اللہ کی صفتِ علم کے اظہار میں دوں پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر اس قانون کی خلاف ورزی کی گئی تو انسان اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکے گا۔ دوسرے وارثوں کے حصے جس طرح مقرر کئے گئے وہ بالکل صحیح ہیں، بندوں کی مصلحت جن چیزوں میں ہے اللہ اس کو بندوں سے بہتر جانتا ہے۔ صفتِ علم کے ساتھ صفتِ حکم کا تذکرہ بھی فرمایا ہے کہ میراث کے ان قوانین کے مقرر کرنے میں سختی نہیں کی گئی ہے، بلکہ بندوں کے لئے سہولت اور آسانی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ پھر ان مقررہ حدوں کی پابندی میں سخت الفاظ میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اس قانون کو بدلنے کی کوشش کی گئی تو عذاب الہی سے بچ نہیں سکے گا۔<sup>۲</sup>

میراث میں صرف خون کے رشتے اور قرابتداری کو بنیاد بنا کر یہ جو اصول وراثت بنایا گیا ہے، اس پر پوری طرح عمل درآمد کرنے کے لئے ایک بڑا مسئلہ سامنے تھا، جس کی اصلاح کی شدید ضرورت تھی، اور وہ مسئلہ تھا تنبیت (گود لینے) کا مسئلہ۔ عرب کے لوگ جس بچے کو متبنی بنا کر گود لے لیتے تھے وہ بالکل ان کی حقیقی اولاد کی طرح سمجھا جاتا تھا، اسے وراثت ملتی تھا، اس کے گھر کے افراد کا وہی خلا ملاء اور سلوک ہوتا تھا، جو حقیقی اولاد سے ہوتا ہے۔ منہ بولے بیٹے کی بیوی کے ساتھ حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح

بیٹے کے مرنے، یا اس کے طلاق دے دینے کے بعد خسر کا نکاح سمجھا جاتا تھا۔ یہ رسم قدم قدم پر نکاح، طلاق، وراثت کے ان قوانین سے ٹکراتی تھی جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ ان کی رو سے جو لوگ حقیقت میں وراثت کے حقدار تھے، یہ رسم ان کا حق مار کر ایک ایسے شخص کو دلواتی تھی جو سرے سے کوئی حق نہ رکھتا تھا۔ اسلامی قانون جن بد اخلاقیوں کا سد باب کرنا چاہتا تھا، یہ رسم ان کے پھیلنے میں مددگار ہوتی تھی، کیونکہ مصنوعی رشتہ کارسی تقدس برے نتائج پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ کے تاکید حکم سے اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہؓ کی مطلقہ بیوی اور اپنی پھوپھی امیمہؓ بنت عبدالمطلب کی بیٹی زینب بنت جحش سے خود نکاح کیا۔ اور جہاں ایک آزاد کردہ غلام کے ساتھ قریش کی معزز خاتون کی شادی کروائی۔ وہاں ان کے طلاق دینے کے بعد خود اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کر کے ایک جاہلانہ اور غیر فطری رسم پر کاری ضرب لگا دی اور یہ دکھا دیا کہ اللہ کے حکم کے سامنے دنیا کے غلط رسم و رواج کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

## وراثت کی تعریف

میت (مورث) کی رضاء و اختیار کے بغیر اس کے مال متروکہ، یا حق متروکہ میں سے میت کے قرابت کو جو ملتا ہے اس کو اصطلاح میں ’’وراثت‘‘ کہتے ہیں۔  
یعنی (۱) میت کے ترکہ سے خود میت کا حق بھی متعلق ہوتا ہے، جیسے تجہیز و تکفین، اور کبھی دوسروں کا ایسا حق بھی متعلق ہوتا ہے جس میں میت کے عمل و اختیار کو دخل تھا، جیسے قرض و وصیت، وراثت ان سب سے جدا گانہ حق ہے، جو میت کی رضاء و اختیار کے بغیر شریعت کی جانب سے اس کے ترکہ میں قرابت داروں کے لئے ثابت ہوتا ہے، اور یہ ایسا حق ہے جسے کوئی ختم نہیں کر سکتا، اور نہ کوئی مورث ہی اپنی زندگی میں عاق و غیرہ کے ذریعہ اس حق کو ثابت ہونے سے روک سکتا ہے۔

(۲) مال کے اندر عموم ہے کہ خواہ جائیداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ، نقد ہو یا جنس خواہ میت کی موت کے وقت اس کے قبضہ میں ہو یا دوسروں کے، جیسے قرض یہ سب ہی ترکہ قرار پائیں گے۔

(۳) جس طرح میت کا مال ترکہ بنتا ہے، اسی طرح اس کے بعض حقوق بھی ترکہ قرار پاتے ہیں، جیسے جان کے بدلے حاصل ہونے والا دیت کا مال یا بدلِ قصاص، جو میت کی زندگی میں اس کا صرف ایک حق ہی ہوتا ہے، مال نہیں۔

(۴) میت کے ترکہ میں شریعت نے جن قرابتداروں کے حقوق کو متعلق کیا ہے، انہیں ’وراثت‘ کہا جاتا ہے۔<sup>۱</sup>

## اصول

قانون وراثت کے مطابق ہر قسم کی جائیداد پر خواہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ، موروثی ہو یا مکسوبہ ورثہ پہنچتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے، لِلرَّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔<sup>۲</sup> یعنی مردوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے، جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو، یا بہت، اور یہ حصہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔

## بیٹی کا حصہ

اگر بیٹے اور بیٹی کی بشمول ورثہ پہونچے تو بیٹی کا حصہ بیٹے کے حصے سے نصف (Half) ہوگا قرآن مجید میں اللہ حکم دیتا ہے کہ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمُ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْإُنثَى۔<sup>۳</sup>

## وارثوں کے حق میں وصیت

اگر ایک بیٹا یا کسی وارث کے حق میں اس طرح وصیت کی جائے، جس سے دوسرے وارثوں کو نقصان پہنچتا ہو، تو ایسی وصیت دوسرے بیٹوں، یا وارثوں کی رضامندی کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتی۔ اللہ حکم دیتا ہے۔ فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَاصْلَحْ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔<sup>۴</sup> یعنی جس کو یہ اندیشہ ہو کہ وصیت کرنے والے نے نادانستہ، یا قصداً حق تلفی کی ہے، اور پھر معاملہ سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان وہ اصلاح کرے، تو اس پر گناہ نہیں ہے، اللہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔

۱۔ مجموعہ قوانین اسلامی، ص ۳۳۲-۳۳۳، مرتبہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

۲۔ سورہ نساء آیت ۷

۳۔ سورہ نساء آیت ۱۱

۴۔ سورہ بقرہ آیت ۱۸۲

## ادائیگی قرض اور وصیت

اگر میت کے ذمہ قرض ہو تو سب سے پہلے میت کے ترکہ سے قرض کی ادائیگی کی جائے گی۔ اور ورثہ کی تقسیم سے پہلے وصیت کا نفاذ ہونا چاہئے، بشرطہ کہ وصیت بعد ادائے قرض، مال ترکہ کے ایک ٹکٹ (one-third) سے زیادہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ **مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينَ (النساء)** یعنی جب کہ وصیت جو میت نے کی ہو، پوری کر دی جائے، اور قرض جو اس پر ہوا ادا کر دیا جائے۔

مذکورہ آیت میں وصیت کا تذکرہ قرض سے پہلے کیا گیا ہے، کیونکہ ہر میت پر قرض ہو، یہ ضروری نہیں ہے، اس پر اجماع ہے کہ ترکہ میں پہلے قرض ادا کیا جائے گا، اس کے بعد وصیت پوری کی جائیگی حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ”تم لوگ یہ آیت“ **مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينَ (النساء)** پڑھتے ہوئے (جس میں وصیت کا ذکر قرض پر مقدم ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے وصیت سے پہلے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔

## محرم الارث

چار اسباب ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے ارث کا استحقاق ختم ہو جاتا ہے۔ (۱) قتل (۲) اختلاف دین (۳) غلامی (۴) اختلاف دارین بین غیر المسلمین، وارث کا اپنے مورث کا قتل کرنا، اس کو مورث کی میراث سے محروم کر دیتا ہے، بشرطہ کہ، قاتل دیوانہ، یا نابالغ نہ ہو، اور اس نے اپنے بچاؤ کے لئے قتل نہ کیا ہو۔ اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قال رسول اللہ ﷺ ”الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ“۔ یعنی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قاتل وارث نہیں ہوتا، اور لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ، یعنی مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا، اور اسی طرف کافر بھی مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید نے بھی اعلان کیا ہے کہ **وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِأَعْيُنِهِمْ أَوْ لِبَاسِهِمْ بَعْضٌ** اور جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

۲ مشکوٰۃ شریف کتاب الفرائض، ص ۲۶۳

۳ سورۃ انفال، آیت ۹

۱ مشکوٰۃ باب الفرائض، ص ۲۶۳

۳ الموطا للسنن، ج ۳، ص ۳۰-۳۲، بخاری و مسلم وغیرہ

## اختلاف دارین مانع ارث نہیں ہے

اہل اسلام کے لئے مختلف ممالک کا شہری (Citizen) ہونا، وراثت میں مانع نہیں۔

## ایک وقت میں متعدد لوگوں کی وراثت

مرنے والے کا ترکہ اس کے مختلف رشتہ داروں کو مقررہ حصہ کے مطابق ایک وقت میں مل سکتا ہے۔ اور یہ جائز ہے کہ ایک وقت میں کچھ حصہ اعلیٰ وارثوں کو پہنچ جائے اور کچھ اس سے نیچے کے رشتہ داروں کو مل جائے۔

## قائم مقامی کے ذریعہ وراثت

جو شخص اپنے باپ کی موجودگی میں فوت ہو جائے، اس کا بیٹا وراثت میں باپ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ یعنی جس طرح خود بیٹا زندہ رہنے کی صورت میں اپنے باپ کے ترکہ کا حق دار ہوتا ہے۔ اس طرح باپ کے فوت ہو جانے کی صورت میں اس کا بیٹا دادا کی وراثت کا حقدار نہ ہوگا۔ بلکہ اگر متوفی کا کوئی بھائی موجود ہو تو وہ پوتا محروم الارث ہوگا۔

اس معاملہ میں شارح بخاری علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ ہذا الذی قالہ زید اجماعاً۔ یعنی یہ بات حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ اس پر اجماع ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ لِلرَّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (النساء ۷) یعنی مردوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اس آیت میں لفظ ”الْأَقْرَبُونَ“ (رشتہ دار) کی وضاحت فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے ضابطہ مقرر فرمایا ہے کہ الأقرب فالأقرب کہ پہلے قریب ترین رشتہ دار کو دیا جائے، حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الحقوا الفرائض بأهلها فما بقى لاولى رجل ذكر ذوى الفروض کو ان کو حصہ دے کر جو بچے وہ میت کے قریب ترین عصبہ کو دیا جائے، لہذا ذوی الفروض کو ان کا مقررہ حصہ دینے کے بعد بقیہ کل مال بیٹے کی موجودگی میں بیٹے کو ملے گا نہ کہ پوتے کو۔

## مسئلہ

بیٹے، پوتے، اور ان کی نسبی اولاد کا (خواہ اس اولاد کا واسطہ مورث سے کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو) کوئی خاص حصہ معین نہیں ہے، اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، بلکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ دوسرے مستحقین کے حصے نکالنے کے بعد جو کچھ بچے وہ بیٹے، پوتے اور ان کی اولاد نسبی کا حق ہے۔

لیکن بیٹیاں ہونے کی صورت میں ہر بیٹی کو بیٹے کے مقابلے میں نصف (Half) ملتا ہے، مثلاً اگر میت کے باپ، ماں، شوہر، یا زوجہ یا بیٹیاں وارث ہوں تو بیٹوں کو کم حصہ ملتا ہے، لیکن اگر بیٹیاں، یا دوسرے جائز حصہ دار نہ ہوں تو گُل ترکہ بیٹوں کو ملتا ہے۔

## یہ اشخاص محروم نہیں رہ سکتے

مذکورہ مندرجہ ذیل اشخاص وراثت سے محروم نہیں ہوں گے۔  
والدین، اولاد، شوہر، زوجہ، تعداد اور دیگر وارثوں کے قرب یا بعد سے قطع نظر ہر حال میں حصہ پانے کے مستحق ہیں۔  
وَلَا يَحْرَمُ سِتَّةٌ مِنَ الْوَرَاثَةِ بِحَالِ الْبَتَّةِ، الْاَبِ، وَالْاُمِّ، وَالْاَبْنِ، وَالْبِنْتِ وَالزَّوْجَانِ الْخ - ۱  
یعنی چھ اشخاص محروم نہیں ہوتے وہ مذکورہ بالا اشخاص ہیں۔

## بھائی اور بہن کا حصہ

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ بھائی کو بہن سے دو گنا حصہ ملے گا مگر یہ قاعدہ اخیا فی بھائیوں اور بہنوں پر صادق نہیں آتا، بلکہ بعض صورتوں میں اخیا فی بھائی بہن محروم ہو جاتے ہیں۔ وفریق یرثون بحال ویحجبون حجب الحرمان بحال اخری وہم غیر ھؤ لاء الستة الخ - ۲

## ذوی الفروض کے حصے

جو وارث ذوی الفروض ہیں، عصبہ نہیں ہیں ان کے حصوں کا تعین ہو سکتا ہے۔ مثلاً

بیوی اور شوہر سہام معین کے مستحق ہیں، اور ان کا حصہ ہر حال میں مقرر ہے لیکن جو لوگ سہام معین کے علاوہ عصبہ بھی ہو سکتے ہیں، ان کے حصہ کے بارے میں کوئی قاعدہ کلیہ قرار نہیں پاسکتا، بلکہ ایسے حصہ کا تعین پیش آمدہ صورت پر موقوف ہے۔ مثلاً (۱) بیٹیاں، اور بہنیں بعض صورتوں میں سہام معین کی مستحق ہیں، اور بعض صورتوں میں عصبہ ہیں (۲) باپ اور دادا بھی بعض صورتوں میں عصبہ ہوتے ہیں۔ لہذا ان کے حصوں کا تعین دوسرے وارثوں کی تعداد اور ان کے قرب و بعد پر منحصر ہے۔ (۳) مثلاً اگر بیٹے موجود نہ ہوں تو بیٹیاں ذوی الفروض ہیں۔ (۴) بھائیوں کے نہ ہونے کی صورت میں بہنیں ذوی الفروض ہیں، مگر بیٹے یا بھائی ہونے کی صورت میں بیٹیاں صرف عصبہ ہوتی ہیں، (۵) اگر بیٹے یا پوتے موجود ہوں تو دادا اور باپ ذوی الفروض ہوتے ہیں اور جب صرف بیٹیاں ہوں تو وہ عصبہ بھی ہوں گے، اور ذوی الفروض بھی ہوں گے۔

## ذوی الفروض، اور عصابات

### بیوہ کا حصہ

اگر متوفی، یا اس کے لڑکے کی اولاد موجود ہو تو پوری اولاد کا واسطہ کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو بیوہ کو شوہر کے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ اور اگر اولاد نہ ہو تو ایک چوتھائی ملتا ہے۔

فی فرض للزوجه الثمن مع ولد او ولد ابن ولد والرابع لها عند عدھما۔<sup>۱</sup>

### شوہر کا حصہ

اگر شوہر، یا اس کے لڑکے کی اولاد موجود ہو تو اولاد پوری کا واسطہ کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو شوہر کو بیوی کے ترکہ سے چوتھائی حصہ پہنچتا ہے۔ اور اگر اولاد نہ ہو تو نصف حصہ ملتا ہے۔

والربع للزوج مع احدھما ای الولد او ولد ابن ولد والنصف له عند عدھما۔<sup>۲</sup>



## لڑکی کا حصہ

اگر بیٹا نہ ہو اور صرف ایک ہی لڑکی ہو تو لڑکی کو ترکہ سے نصف حصہ ملتا ہے قرآن کریم میں موجود ہے۔ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (النساء ۱۰) یعنی اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کو ملے گا۔

## ایک سے زیادہ لڑکیوں کا حصہ

اگر بیٹا نہ ہو اور دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو ترکہ میں ان کا حصہ دو تہائی ہوگا۔ جیسے قرآن میں آیا ہے کہ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ ثَنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثًا مِمَّا تَرَكَ (النساء ۱۰)

## پوتی کا حصہ

اگر میت کے لڑکا نہ ہو، نہ لڑکی اور نہ پوتا ہو تو پوتیوں کو بیٹیوں کی طرح حصہ ملے گا۔ یعنی ایک پوتی ہو تو ترکہ کا نصف حصہ ملے گا، دو یا دو سے زیادہ پوتیاں ہوں تو دو تہائی ملیں گے۔ ذوات النصف والثلثن ای من لهن النصف اذا انفردن والثلثان اذا تعد دون وهن البنات و نبت الابن یعنی وہ عورتیں جنہیں تنہا ہونے کی صورت میں ترکہ کا نصف اور دو یا دو سے زیادہ ہونے کی صورت میں دو تہائی ملتا ہے، وہ لڑکی اور پوتی ہے۔

اگر پوتا یا پڑپوتا موجود ہو تو ان کے مقابلے میں پوتیوں کو نصف حصہ ملے گا، وبنات الابن کبنات الصلب (الخ) الا ان يكونن بحذائهن او اسفل منهن غلام مثل الذکر حظ الأنثیین (اور تین حالتوں میں) پوتی بیٹی کی طرح ہے۔ پوتی کے ساتھ کوئی پوتا، یا پڑپوتا ہو تو وہ عصبہ بن جائے گی، اور پوتے اور پڑپوتے سے نصف پائے گی۔

## بھائی اور بہن کا حصہ

اگر بیٹا یا پوتا یا اسی سلسلہ میں اور اولاد ہو یا باپ دادا موجود ہوں تو متوفی کے ترکہ سے بھائیوں اور بہنوں کو کوئی حصہ نہیں ملتا۔ ویسقط بنوا لعیان وهم الاخوة ولاخوات بالابن وبالاب یعنی اگر میت کا بیٹا، باپ، دادا موجود ہوں تو بھائی، بہن محروم ہوں گے۔

مسئلہ :- حقیقی بھائیوں کی موجودگی میں ہر بہن کو بھائی کے مقابلہ میں نصف حصہ ملے گا، اور چونکہ بھائی ایسی صورت میں عصبہ ہوتے ہیں لہذا ان کے حصہ کا تعین خاص صورت حال کے مطابق ہوگا۔

مسئلہ :- اگر بیٹے، اور پوتے، پوتیاں اور بیٹیاں اور پوتیاں موجود نہ ہوں، اور حقیقی بھائی بھی نہ ہو لیکن صرف ایک بہن ہو تو اس ترکہ کا نصف حصہ ملے گا۔ (النساء)

مسئلہ :- اگر پہلے اور پوتے اور بیٹیاں اور پوتیاں نہ ہوں اور حقیقی بھائی بھی نہ ہوں لیکن دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو بہنوں کو ترکہ کا دو تہائی حصہ ملے گا۔

مسئلہ :- اگر بیٹیاں، اور پوتیاں موجود ہوں، لیکن بھائی نہ ہوں تو، بہنوں کو، بیٹیوں اور پوتیوں کے حصے ملنے کے بعد باقی ترکہ ملے گا۔ اصلہ ثابت بخبر ابن مسعودؓ وھو رواہ البخاری فی بنت و بنت ابن واخت للبنت النصف ولبنت الابن السدس وما بقی فلاخت ل۔ یعنی حضرت ابن مسعودؓ سے بخاری میں روایت ہے کہ میت کی بیٹی اور پوتی اور بہن ہو تو لڑکی کو ترکہ کا نصف، پوتی کو چھٹا اور باقی بہن کو ملے گا۔

### اخیا فی اور علاقہ بھائی بہنوں میں فرق

اخیا فی اور علاقہ بھائی بہنوں میں یہ فرق ہے کہ حقیقی بھائی، بہنوں کی موجودگی میں علاقہ بھائی بہنوں کو ترکہ نہیں ملتا، لیکن اخیا فی بھائی بہن بشمول برادران حقیقی وراثت کے مستحق ہوتے ہیں۔

سراجی میں مذکور ہے کہ سوی اولاد الأم فانهم یرثون معها لانعدام استحقاقها جمیع التركة الخ ل۔ یعنی اولاد ام (اخیا فی بھائی، بہن) یہ ماں کی موجودگی میں وارث ہوں گے کیونکہ ماں سارے ترکہ کی مستحق نہیں ہوتی۔

### علاقہ بھائی، بہن

اگر میت کی صرف ایک حقیقی بہن ہو تو حقیقی بھائی نہ ہونے کی صورت میں علاقہ بھائی، بہن چھٹے حصے کے مستحق ہوں گے۔ ولهم السدس مع الاخت لاب وام ل اور علاقہ بہن کو حقیقی بہن کی موجودگی میں کل ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا۔

مسئلہ :- اگر میت کی دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنیں ہوں تو حقیقی بھائی نہ ہونے کی صورت میں علاقائی بہنوں کو کوئی حصہ نہ ملے گا۔ ولایرثن مع الاخت لاب وام الا ان یکون معهن اخ لاب اور میت کی حقیقی بہنوں کی موجودگی میں تنہا علاقائی بہن ہو تو وہ ترکہ سے محروم رہے گی۔

### باپ کا حصہ

اگر میت کا بیٹا، یا پوتا، یا اسی سلسلہ میں کوئی اور اولاد ہو تو باپ کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملتا ہے۔ قرآن مجید میں وَلَآبَوَايَهٗ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ (النساء ۱۱) اگر میت صاحب اولاد ہو، اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملنا چاہئے۔

### ماں کا حصہ

اگر متوفی یا اس کے بیٹے کی اولاد یا دو یا دو سے زیادہ بہن اور بھائی موجود ہوں تو ماں کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملتا ہے۔

مسئلہ :- اگر شوہر یا زوجہ مر جائے اور اس کی، یا اس کے بیٹے کی اولاد نہ ہو مگر صرف ایک بھائی، یا بہن موجود ہو تو دادا کے نہ ہونے کی صورت میں ماں کو تیسرا حصہ ملے گا۔ اور اگر باپ موجود ہو تو شوہر یا زوجہ کا حصہ دینے کے بعد باقی جائداد سے ماں کو ایک ثلث ملے گا۔ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَرَثَةٌ أَبَوَاهُ فَلِلْأُمِّ الثُّلُثُ (النساء ۱۱)

### دادا کا حصہ

اگر میت کا باپ زندہ ہو تو دادا کو ترکہ سے کچھ حصہ نہیں پہونچتا۔ ویقدم الاقرب (باپ) دادا سے مقدم ہوگا۔ اگر میت کا ایک بیٹا، یا پوتا یا اسی سلسلہ میں کوئی اور اولاد ہو اور باپ موجود نہ ہو تو دادا کو ترکہ سے چھٹا حصہ ملے گا۔ سراجی میں مذکور ہے۔ اما الاب فله احوال ثلث الفرض المطلق وهو السدس ذلك مع الابن وابن الابن والجد الصحيح كالاب۔ یعنی باپ کی تین حالتیں ہیں، میت کا بیٹا یا پوتا موجود ہو تو اسے چھٹا حصہ ملے گا، اور دادا کا حکم (باپ کے نہ ہونے پر) باپ جیسا ہے۔

## نانی اور دادی کا حصہ

اگر میت کی ماں زندہ ہو تو نانی کا کچھ حق نہیں ہے، اور باپ کے زندہ ہونے کی صورت میں نانی کو تو حصہ ملے گا مگر دادی کو کچھ نہ ملے گا۔

### جدات (استثناء)

اگر دادا موجود ہو تو جدات کا کوئی حق نہیں ہے، مگر وہ جدہ جو اس دادا کی بیوی ہو، اس کو حصہ ملے گا کیونکہ اس کی قریب اس دادا کی جہت سے نہیں ہے۔ الام الاب فانہا ترث مع الجدة لانہا لیست من قبلہ۔ (مگر باپ کی ماں، دادا کی وجہ سے محروم نہ ہوگی۔ کیونکہ ان کا رشتہ دادا کی جانب سے نہیں بلکہ باپ کی جانب سے ہے)۔

### جدات صحیحہ - جدات فاسدہ

نانی کو نواسے کے ترکہ سے چھٹا حصہ ملتا ہے، اور اگر باپ نہ ہو تو دادی بھی چھٹے حصے کی مستحق ہے۔

### دو یا دو سے زیادہ جدات

اگر دو یا دو سے زیادہ جدات مساوی درجہ کی ہوں تو ان میں سے ہر ایک ترکہ کے ایک چھٹے حصے میں مساوی طور پر حقدار ہوں گی، اور جدہ قریبہ کے وجہ جدہ بعیدہ محروم ہوں گی۔

### جدات فاسدہ

نانا اور نانا کی ماں ترکہ کے مستحق نہیں ہیں، کیوں کہ وہ نہ ذوی الفروض ہیں، اور نہ عصباء ہیں۔ ان کو جدات فاسدہ کہتے ہیں۔

### ذوی الارحام

ذوی الارحام بھی عصباء کی طرح بالترتیب چار قسمیں۔

(۱) میت کی بیٹی، پوتی، پڑپوتی (نیچے تک) کی اولاد (۲) میت کے وہ اصول کو اصحاب فروض یا عصبہ نہ ہوں، مثلاً نانا، پڑنانا، میت کی ماں کا نانا، دادا (۳) میت کے بھائی، بہن کی وہ اولاد جو ذوی الفروض، یا عصبہ نہ ہوں، مثلاً بھانجہ، بھانجی، بھتیجی اور پھر ان کی اولاد، اسی طرح اخیانی بھائی، بہن کی اولاد (۴) میت کے دادا، دادی، نانا، نانی کی وہ اولاد جو ذوی الفروض، اور عصبہ نہ ہوں، مثلاً پھوپھی، خالہ، ماموں، اخیانی چچا، اور ان کی اولاد۔

## ذوی الارحام قسم اول

ذوی الارحام قسم اول کی وراثت کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ ان کو قرابت کے درجہ کے لحاظ سے حصّہ پہنچتا ہے، اور اگر درجہ کے لحاظ سے برابر کے رشتہ دار ہوں، تو جو وارث کے واسطے سے دعوے دار ہوں ان کو مقابلہ ان لوگوں کے ترجیح دی جائے گی، جو غیر وارث کے واسطے سے ترکہ کے مدعی ہوں۔ مثلاً درمختار میں مذکورہ ہے۔ یحجب اقربہم الابدل یعنی اور ان میں سے جس کی رشتہ داری قریب کی ہو وہ دور کی رشتہ داری والے کو محروم کر دے گا، جیسے کہ پوتی کی بیٹی، اور نواسی کا بیٹا برابر کے رشتہ دار ہیں، مگر ان میں پوتی کی بیٹی کو اس وجہ سے ترجیح ہے کہ پوتی خود بھی وارث ہے، اور نواسی وارث نہیں ہے۔

## ذوی الارحام کی قسم دوم

اگر دوسری قسم کے ذوی الارحام کو ایک ہی جانب سے (یعنی محض باپ یا محض ماں کی طرف سے) قرابت حاصل ہو، تو ان کو بھی اور پر لکھے ہوئے طریقہ کے مطابق ورثہ پہنچے گا، اور اس میں ان کے قرب اور درمیانی اشخاص کے مستحق ہونے یا نہ ہونے کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اشخاص مذکورہ میں مرد اور عورت کا لحاظ کیا جائے گا۔ اور اگر وہ ایک ہی جانب سے رشتہ نہ رکھتے ہوں تو واسطہ داران مادری کو ایک ثلث دعویداروں کی جنس کا لحاظ کئے بغیر ملے گا۔

## ذوی الارحام قسم سوم

جو قاعدہ ذوی الارحام قسم اول کے واسطے مقرر ہے وہی قسم سوم سے بھی متعلق ہے، مثلاً بھتیجے کی لڑکی اور بھانجی کا بیٹا۔ دونوں متوفی کے رشتہ دار ہیں۔ لیکن بھتیجے کی لڑکی کو ترجیح ہوگی، کیوں کہ بھتیجہ عصبہ ہے۔ وان استو وافی الدرجة فولد الوارث اولیٰ من ولد ذوی الارحام ملے۔ یعنی اگر سب کے سب درجات میں برابر ہوں تو میت کے وارث ذوی الفروض اور عصبہ کے فرزند میت کے ذوی الارحام کے فرزند پر مفہوم ہوں گے۔ اور جب وارثوں کی قرابت مساوی ہو تو ایسی حالت میں وہی قاعدہ جو قسم اول میں ہے ایسی صورت سے بھی متعلق ہوگا۔

## ذوی الارحام قسم چہارم

قربت کی جہتیں مساوی ہونے کی صورت میں حقیقی اعمام، اور عمات کو سوتیلیوں پر ترجیح دی جائے گی۔ اور اعمام و عمات علاقائی کو بمقابلہ اخیانی کے ترجیح دی جائے گی۔ اور اگر ذریعہ قربت مساوی ہوں۔ مثلاً حقیقی ماموں اور خالہ دعویٰ دار ہوں تو از روئے قاعدہ مرد کو بہ نسبت عورت کے دو گنا حصہ پہونچے گا۔

لیکن اگر ایک دعویٰ دار صرف باپ کی جانب سے قربت رکھتا ہو اور دوسرا صرف ماں کی طرف سے، تو ایسی صورت میں پہلے دعویٰ دار کے مقابلہ میں دوسرے دعویٰ دار کو ترک نہ پہونچے گا۔ بشرطہ کہ دعویٰ دار کی جہات قربت مختلف ہوں۔ مثلاً اخیانی خالہ کو علاقائی خالہ کے مقابلہ میں ترک نہ پہونچے گا، لیکن اگر قربت داروں کی جہت مختلف ہو مثلاً ایک دعویٰ دار حقیقی پھوپھی ہو اور دوسری حقیقی خالہ، تو ایسی صورت میں پھوپھی ترجیح نہ ہوگی، گو اس کو واسطہ پدری کی وجہ سے دو حصے ملیں گے۔

## ذوی الارحام کی قسم چہارم کی اولاد

ذوی الارحام، یعنی ماموں اور خالہ کی اولاد کی وراثت کے سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ متوفی کے ساتھ واسطہ کی قربت کو مقدم رکھا جاتا ہے۔ اگر قربت مساوی درجہ کی ہو تو اس شخص کو جو وارث کے ذریعہ دعویٰ دار ہو اس شخص کی بہ نسبت ترجیح ہوگی جو وارث کے ذریعہ دعویٰ دار نہ ہو، اور ایسی صورت میں داعویٰ داروں کے مرد اور عورت ہونے کا لحاظ نہ ہوگا۔

مثلاً چچا کی لڑکی کو پھوپھی کے لڑکے مقابلہ میں حصہ پہنچتا ہے۔ بشرطہ کہ پھوپھی کو متوفی کی ماں اور باپ کی جانب سے واسطہ پہونچتا ہو، اور چچا کو صرف ماں کی طرف سے لیکن اگر حقیقی پھوپھی کا بیٹا۔ اور حقیقی یا اخیانی خالہ کا بیٹا دعویٰ دار ہوں تو خالہ کا بیٹا پھوپھی کے بیٹے کے مقابلہ میں ترکہ سے محروم نہ ہوگا۔

فرق صرف اتنا ہے کہ واسطہ دار پدری کو دو ٹکٹ۔ اور واسطہ دار مادری کو ایک ٹکٹ پہونچتا ہے۔

## ذوی الارحام کی اولاد کی اولاد

قسم اول کے قاعدہ کے مطابق ہی اولاد ذوی الارحام (قسم رابع) کے وارثوں میں ترکہ تقسیم ہوتا ہے۔

مثلاً چچا زاد بھائی کی نواسیوں کو چچا کی نواسی کے دو بیٹوں کے مقابلہ دو گنا پہونچے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ چچا کی قرابت مساوی ہو، اور اگر جملہ دیگر امور مساوی ہوں تو دعویداروں کی جینس کا لحاظ ضروری ہے۔<sup>۱</sup>

## ذوی الارحام کی عدم موجودگی میں ترکہ کے وارث

اگر ذوی الارحام نہ ہوں تو وہ شخص یا اشخاص ترکہ کے مستحق ہوتے ہیں، جن کو مورث متوفی نے کسی شرط پر یا بغیر شرط کے اپنا قرابت دار قرار دیا ہو۔ لیکن یہ ضروری ہے ہ متوفی اپنے اقرار سے کبھی منکر نہ ہوا ہو۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ جس کے لئے اقرار کرتا ہو اس کا نسب معلوم نہ ہو۔<sup>۲</sup>

## بیت المال کا حق

اگر میت کا کوئی قریب یا بعید رشتہ دار نہ ہو، اور نہ وصیت صحیح ہو، اور نہ کسی شخص کے بارے میں اقرار کیا ہو تو ترکہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔

## حجب

حجب کی دو قسمیں ہیں: (۱) حجب حرمان (۲) حجب نقصان حجب حرمان سے وراثت کا استحقاق بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اور حجب حرمان وہ ہے جو ذکر کئے گئے اسباب، یعنی غلامی، قتل انسان، اختلاف دین، اختلاف دارین بین غیر المسلمین۔

جو وارث کسی ذاتی عدم قابلیت کی وجہ سے کلیتاً وراثت سے محروم ہو جائیں، ان کی محرومی اور حجب کی وجہ سے دوسرے اور وارث کلیتاً یا جزئاً محبوب نہیں ہو سکتے۔

## عول

اگر منجملہ چند ذوی الفروض کے ہر شخص مقررہ حصہ کا مستحق ہو، اور ترکہ کو مطلوبہ حصوں

میں تقسیم کرنے کے بعد معلوم ہو کہ کل وارثوں کے لئے سہام کافی نہیں ہے تو تقسیم کے عدد میں اضافہ کیا جاتا ہے اور اس اضافہ کو ’’عول‘‘ کہا جاتا ہے۔

رد

عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں تقسیم کے بعد جو حصہ باقی رہتا ہے وہ ذوی الفروض کی طرح عود کرتا ہے اس کو ’’رد‘‘ کہتے ہیں۔

### مناسخہ

اگر کوئی شخص چند وارث چھوڑ کر وفات پائے اور ان میں سے بعض وارث ترکہ کی تقسیم سے پہلے وفات پا جائیں تو ترکہ سے جو حصہ اشخاص جی لقا ئم کو پہنچتا ہے اس کو مناسخہ کہتے ہیں۔<sup>۱</sup>

### مفقود الخیر

مفقود الخیر وہ شخص ہے جو کسی طرف کو نکل گیا۔ تلاش کے باوجود اس کا پتہ معلوم نہ ہو سکا۔ اس کا زندہ یا مردہ ہونا کچھ ظاہر نہیں ہوا، یا دشمن نے اس کو اغوا کر لیا اور اس کی موت و حیات کا پتہ نہیں چل سکا۔<sup>۲</sup>



## وقف

وقف کے لفظی معنی روک لینے، اور خاص کرنے کے ہیں، اور شریعت اسلامی میں اپنی کوئی چیز، یا اس کا فائدہ رفاہ عام کے لئے خاص کر دینے کو ”وقف“ کہتے ہیں، جس طرح صدقہ کر دینے سے ایک چیز آپ کی ملکیت سے نکل کر دوسرے کی ملکیت میں چلی جاتی ہے، اور آپ کو اس کا ثواب بھی ملتا ہے، اسی طرح کسی چیز کو رفاہ عام کے لئے وقف کر دینے میں بھی وہ چیز واقف (وقف کرنے والا) کی ملکیت سے نکل جاتی ہے اور اگر اس نے ثواب کی نیت سے اچھے کام کے لئے اس کو وقف کیا ہے تو اس چیز سے جب تک لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے، تو صدقہ سے بھی زیادہ ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”موت کے بعد انسان کے تمام اعمال اس سے منقطع ہو جاتے ہیں، مگر اس کے تین اعمال ایسے ہیں جن کا ثواب اس کو برابر ملتا رہے گا۔ (الّا من ثلاثہ، صدقہ جاریہ أو علم ینتفع بہ أو ولد صالح یدعو لہ)“

### وقف کی تعریف :-

امام ابو حنیفہ ان الفاظ میں وقف کی تعریف کرتے ہیں: الوقف هو جس العین علی ملک الواقف والتصدق بالمنفعته کا لغاریہ۔ یعنی کسی جائز مال کو اپنی ملکیت باقی رکھتے ہوئے، اس کے فائدہ کو صدقہ کر دینا جیسے عاریت ہے۔

اور صاحبینؒ اور دیگر ائمہ حضرات وقف کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ هو جس العین علی ملک اللہ۔ یعنی کسی جائز مال کو اپنی ملکیت سے نکال کر خدا کے لئے وقف کر دینا یعنی مال، اور اس کا فائدہ دونوں رافاہ عام کے لئے وقف کر دینا۔

### شرائط وقف :-

وقف کا صحیح، اور جائز ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا از حد ضروری ہے۔

(۱) واقف (وقف کرنے والا) کا عاقل و بالغ اور شئی موقوفہ کا مالک ہونا (۲) جس کام کے لئے وقف کیا جائے اس کا فی نفسہ اور واقف کے اعتماد میں بھی کارِ ثواب ہونا (۳) وقف کا فی الفور ہونا اور کسی

امر پر تعلق نہ ہونا (۴) وقف کا دائمی ہونا (۵) شئی موقوفہ کا معلوم ہونا (۶) اگر واقف نے ایسے الفاظ ذکر کئے جو فی الفور وقف ہونے پر دلالت نہ کرتے ہوں تو وقف صحیح نہ ہوگا (۷) اگر واقف نے صراحتاً یا کنایۃً وقف کے دائمی ہونے کا ذکر کر دیا ہے، یا دائمی ہونے کی نفی نہیں کی ہے، تو دونوں صورتوں میں وقف صحیح اور دائمی ہوگا۔<sup>۱</sup>

## وقف کا حکم :-

جب آدمی نے اپنی زبان سے کہہ دیا کہ فلاں چیز میں نے وقف کر دیا، تو اب وقف ہوگئی، یا اس نے کوئی زمین قبرستان کے لئے دے دی، اور اس میں کوئی مردہ دفن کر دیا گیا تو یہ زمین وقف ہوگئی، یا مسجد بنادی تو یہ زبان سے کہے یا نہ کہے وہ مسجد وقف ہوگئی۔<sup>۲</sup>

وقف دو طرح کا ہوتا ہے، ایک تو یہ ہے کہ آدمی اس کو خدا کے لئے وقف کر دے اور اس کے بعد اس سے خود کوئی فائدہ نہ اٹھائے، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ یہ شرط لگا دے کہ میں اپنی زندگی میں اس سے فائدہ نہ اٹھاؤں گا، میرے بعد میری اولاد اس کے کچھ حصہ سے فائدہ اٹھائے گی، اور بقیہ رفاہ عام کے لئے ہوگا، تو دونوں صورتوں میں موقوف چیز پر اب واقف کا کوئی حق نہیں رہتا، بلکہ اب یہ اللہ تعالیٰ کی ہوگی، نہ اب وہ اس کو بیچ سکتا ہے، اور نہ ہبہ کر سکتا، نہ رہن کر سکتا ہے، اور نہ وراثت میں اس کی ملکیت کسی کو مل سکتی ہے البتہ، اپنی اولاد کے لئے اس سے فائدہ اٹھانے کی قید لگا دی ہے، تو اس کے بقدر وہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

## تولیت کا بیان

متولی کا مسلمان، عاقل، بالغ، امین، اور منتظم ہونا ضروری ہے۔ اور متولی مقرر کرنے کا اختیار اولاً واقف کو ہے، اس کے وصی کو، اس کے بعد وقف سے فائدہ اٹھانے والوں کو، اس کے بعد معاملہ فہم دیاندار محلہ والوں کو، اس کے بعد قاضی کو، وقف کی تولیت کا اولین حق واقف کو ہے، اس لئے اگر واقف نے تولیت کی کوئی صراحت نہ کہ ہو تو واقف ہی متولی ہوگا۔

واقف کی موت کے بعد جائیداد موقوفہ کی تولیت کا اختیار اس کے وصی کو حاصل ہوگا۔ وصی چاہے تو خود جائیداد موقوفہ کا انتظام سنبھالے، یا دوسرے کو متولی نامزد کرے۔ اگر کسی وقف کے دو متولی ہوں تو ایک کا تصرف دوسرے کی رائے کے بغیر معتبر نہ ہوگا۔<sup>۳</sup>

## ہبہ (Gift)

صدقہ کی طرح ہبہ اور ہدیہ بھی غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کا ایک بہترین طریقہ ہے، کتاب سنت میں اس کی بے حد ترغیب آئی ہے، اسلامی شریعت نے اس کی کتنی ترغیب دی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ ”تہادوا تحابوا“ اے آپس میں ہدیے اور عطیے بھیجا کرو، اس سے محبت بڑھتی ہے، اور دلوں کی کدورت دور ہوتی ہے۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہدیہ کو اہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ بھیجا جائے، اس کو قبول کر لینا چاہئے اور اسی معمولی عطیہ کے بھیجنے میں بھی شرم محسوس نہیں کرنی چاہئے، آپؐ نے فرمایا کہ اگر مجھے کوئی گوشت کا ایک ٹکڑا، یا گھر بھی بھیجے تو میں اسے بخوبی قبول کر لوں گا۔

### تعریف ہبہ

کسی شخص کا اپنی منقولہ، یا غیر منقولہ شئی کا دوسرے کو فی الحال مالک بنا دینا، اور اس دوسرے شخص کا خود یا اس کی اجازت سے کسی اور شخص کا ہبہ کی ہوئی چیز پر قبضہ کر لینا ”ہبہ“ کہلاتا ہے۔

### ہبہ کے ارکان و شرائط

ہبہ ایک عقد ہے، جو ایجاب و قبول سے منعقد ہوتا ہے۔ جس طرح دوسرے عقود ایجاب و قبول سے منعقد ہوتے ہیں، اسی طرح ہبہ بھی ایجاب و قبول سے منعقد ہوتا ہے یہ دونوں (ایجاب و قبول) انعقاد ہبہ کے لئے ضروری ہیں۔ ہبہ کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ایجاب واجب کی جانب سے ہوگا۔ اور قبول موصوف لہ یا اس کے ولی، وصی یا وکیل کی طرف سے، عقد ہبہ میں قبضہ بھی قائم مقام قبول کے ہے، اسی طرح اگر ہبہ کا کوئی قرینہ موجود ہو تو صراحتہ ایجاب و قبول کے بغیر بھی لینا دینا ایجاب و قبول کے قائم مقام ہوگا۔

### ہبہ کی شرطیں

ہبہ کے صحیح اور مکمل ہونے کی شرطیں حسب ذیل ہیں:-

- (۱) ہبہ کرنے والا (واہب) عاقل بالغ ہو، اور جس مال کو کر رہا ہے اس مال کا وہ مالک ہو۔ (۲) شئی موہوب، ہبہ کے وقت موجود ہو۔ (۳) شئی موہوب مال متقوم ہو، یعنی جس مال سے فائدہ اٹھانا شرعاً!

جائز ہو۔ (۴) شئی موہوب غیر موہوب کے ساتھ مشغول نہ ہو، یعنی ایسی اشیاء سے خالی ہو جو ہبہ نہیں کی گئی ہیں۔ (۵) شئی موہوب پر خود موہوب لہ یا اس کے وکیل یا وصی یا ولی کا قبضہ ہو جانا۔<sup>۱</sup>

مذکورہ ذیل شکلوں میں ہبہ سے رجوع غیر شرعی ہے:

(۱) شئی موہوب کا ہلاک ہو جانا (۲) شئی موہوب کا موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جانا (۳) شئی موہوب پر قبضہ کے بعد واہب، موہوب لہ میں سے کسی ایک کا مر جانا۔ اگر قبضہ سے پہلے دونوں میں سے کوئی ایک مر گیا تو ہبہ باطل قرار پائے گا۔ (۴) میاں بیوی میں سے ایک کا دوسرے کو ہبہ کرے گرچہ بعد میں دونوں کے درمیان تفریق ہو جائے۔ (۵) ایسے نسبی رشتہ داروں کو ہبہ کرنا، جن سے نکاح کرنا حرام ہو۔ (۶) موہوب لہ کہ ملکیت میں جانے کے بعد شئی موہوب کی نوعیت میں تبدیلی یا ایسا اضافہ جو اس سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا، خواہ موہوب لہ کے کسی عمل کی وجہ سے ایسا ہوا ہو، یا کسی دوسرے کی وجہ سے (۷) کسی نادار، محتاج کو ہبہ کرنا صدقہ کے حکم میں ہے، اس سے بھی رجوع جائز نہیں۔

### ہبہ میں شرط لگانا:

ہبہ میں کوئی ایسی شرط لگانا جو موہوب لہ کے مالکانہ اختیار کے مغائر ہو، قطعاً بے اثر رہے گا۔ مثلاً بکرنے کہا کہ میں تمہیں یہ بیل بطور ہبہ دے رہا ہوں، مگر اس بیل سے ہل مت چلوانا، تو یہ ہل نہ چلوانے کی شرط کا کوئی مطلب نہ ہوگا۔ اور قبضہ کے بعد ہبہ مکمل ہو جائے گا، اور بیل کو حسب حال کام میں لگایا جاسکتا ہے۔<sup>۲</sup>

### نابالغ کے مال کا ہبہ:

نابالغ کے مال و جائیداد کو ہبہ کر نیکاح کسی کو نہیں پہونچتا، اور نابالغ کے باپ، یا اس کے دیگر ولی یا وصی نے کوئی مال و جائیداد حاصل کی، اور کہا یہ میں نے فلاں نابالغ کے لئے حاصل کی ہے، تو اس کا صرف یہ کہنا نابالغ کے حق میں ہبہ ہو جائے گا۔

### شادی کے موقع پر تحائف:

شادی کے موقع پر جو تحفہ اقرباء اور احباب ایک دوسرے کو دیتے ہیں، ان کی حیثیت ہبہ کی ہے، جس کو دیا جائے اس کی ملک ہے، دلہن کو والدین، یا زوج کی طرف سے زیورات یا دیگر اشیاء دی جاتی ہیں، وہ دلہن کی ملک ہیں، بشرط کہ یہ ساری چیزیں عاریتہ نہ دی گئی ہوں، جو اشیاء یا نقد رقم دولہا کو اس

کے مطالبے پر دی جاتی ہیں، یا رواج میں جن چیزوں کو شرط کا درجہ حاصل ہے، ان کی حیثیت ہبہ کی نہیں، رشوت کی ہے، اس لئے وہ دولہا کی ملکیت نہیں ہوگی، ان کا لینا ناجائز ہے، اور واپس کرنا واجب ہوگا اسی طرح اگر کسی علاقہ میں مہر و نفقہ کے علاوہ زرنقد یا کچھ اور لڑکی کے اولیاء بطور شرط نکاح دولہا سے لیں تو یہ بھی شرط ناجائز ہے۔<sup>۱</sup>

# مصادر و مراجع

# مصادر و مراجع

نام کتاب

عربی کتب

قرآن الکریم

ترجمہ شیخ الہند

تفسیر عثمانی

تفہیم القرآن

الصحيح للبخارى

الصحيح لمسلم

سنن ابی دائود

سنن الترمذی

سنن ابن ماجہ

سنن النسائی

مشکوٰۃ المصابیح

سنن بیہقی

بدائع الصنائع

الدر المختار

ردالمختار علی ردالمحتار

الہدایہ

السيراجی فی المیراث

شرح الوقایہ

الحیلة الناجزة للحيلة العاجزة، شیخ محمد اشرف علی تھانوی

جواهر الفقہ

شیخ مفتی محمد شفیع عثمانی

مطبوعہ مکتبہ تھانوی دیوبند

شیخ سراج الدین محمد بن عبدالرشید السجواندی

عبداللہ بن مسعود بن تاج الشریعة

شیخ محمد اشرف علی تھانوی

شیخ مفتی محمد شفیع عثمانی

سلیمان بن الاشعث المعروف بأبی دائود

محمد بن عیسیٰ الترمذی

محمد بن یزید الربعی

احمد بن علی النسائی

ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی

احمد بن الحسن بن علی بن عبداللہ البیہقی

علائو الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی

علائو الدین الحصکفی

شیخ محمد امین ابن عابدین شامی

مطبوعہ مکتبہ تھانوی دیوبند

شیخ سراج الدین محمد بن عبدالرشید السجواندی

عبداللہ بن مسعود بن تاج الشریعة

شیخ محمد اشرف علی تھانوی

شیخ مفتی محمد شفیع عثمانی

مدینہ بُک ڈپو، دہلی ۱۹۷۸ء

مدینہ بُک ڈپو، دہلی ۱۹۷۸ء

مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۷۳ء

دار الطباعة مصریہ ۱۳۷۲ء

دار الطباعة مصریہ ۲۷۲ھ

## اردو کتب

|   |                                       |
|---|---------------------------------------|
| آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ                                     | مجموعہ قوانین اسلامی                  |
| کتب خانہ رحیمہ دیوبند   | فتویٰ عالمگیری                        |
| ادارہ تحقیقات، پاکستان  | مجموعہ قوانین اسلام                   |
| ڈاکٹر تنزیل الرحمن  | اسلامی قانون                          |
| حضرت مولانا منت اللہ رحمانی                                     | حقوق الزوجین                          |
| مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی                                    | اسلامی فقہ                            |
| مولانا مجیب اللہ ندوی   | معاشرتی مسائل                         |
| مولانا برہان الدین سنہلی، ندوۃ العلماء لکھنؤ                    | مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام |
| مجلس ترمیز خان  | اسلام کا عائلی نظام                   |
| مولانا سید جلال الدین عمری                                      | اسلامی قانون                          |
| مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیکیشنز، دہلی                              | مسلم پرسنل لا پر اعتراضات کی حقیقت    |
| مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مفتی مالیر کوٹلہ پنجاب     | اسلامی قانون                          |
| پروفیسر عمر حیات خاں غوری                                       | علم الفقہ                             |
| مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی                                    | مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا مسئلہ        |
| مکتبہ جماعت اسلامی، گوشہ محل حیدر آباد                          | اسلام کیا ہے؟                         |
| کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند  | اسلامی قانون                          |
| مولانا عبدالککور  | مسح خدائیں                            |
| پروفیسر طاہر محمود  | فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر          |
| ڈاکٹر حسین اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی               | اجتہادی مسائل                         |
| مولانا منظور نعمانی   | پیریم کورٹ کا فیصلہ                   |
| مولانا یعقوب قاسمی  | جواہر الفقہ                           |
| جامع علوم القرآن، گجرات   | جدید فقہی مسائل                       |
| امام غزالیؒ، ترجمہ ظفر اقبال کلیار                              | اختری بہشتی دیور                      |
| فرید بک ڈپو، دہلی   | اصول شرع اسلام                        |
| مولانا تقی امینیؒ، ناظم دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ | درس سراجی                             |
| مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری                                    | جواہر الحکم کامل                      |
| ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب لاہور                                   | حلال و حرام                           |
| فرقانہ اکیڈمی، ٹرسٹ، بنگلور                                     | انسائیکلو پیڈیا آف اسلام              |
| مفتی محمد شفیعؒ   |                                       |
| مکتبہ تفسیر القرآن، عارف کمپنی دیوبند                           |                                       |
| کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند   |                                       |
| مولانا خالد سیف اللہ رحمانی                                     |                                       |
| کتب خانہ اختر میظاہر علوم، سہارنپور                             |                                       |
| مولانا اشرف علی تھانوی  |                                       |
| حافظ محمد حیدر میموریل اکیڈمی، کراچی                            |                                       |
| بی. اے. علیگ  |                                       |
| زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور                                  |                                       |
| مولانا یوسف تاؤلوی  |                                       |
| اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی                                    |                                       |
| سید محمد بدیع عالم  |                                       |
| کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند   |                                       |
| مولانا سیف اللہ رحمانی  |                                       |
| تاج کمپنی، دہلی   |                                       |
| محمد یامین قریشی  |                                       |



- ستیا رتھ پرکاش  
قانون و ردواج ہنود  
ہندو دھرم  
ہندومت  
مطالعہ مذاہب  
بدھ، جین، سکھ  
شرید بھگوت گیتا مع گیتا بودھ مہاتما گاندھی  
ہندوستانی سماج، ساخت اور تہذیبی ضیاء الدین احمد  
ہمارا قدیم سماج سید سخی حسن نقوی  
منواسرتی (منسکرت مع ترجمہ اردو) لالہ سوامی دیال صاحب مطبع منشی نول کشور مقام کانپور  
ارجھ شاستر (چاکھیہ) ترجمہ شان الحق گھٹی قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی  
خلاصہ اصول دھرم شاستر (نثر و نظم) سید احمد حسن ولد مولوی طالب الحق ساکن لکھنؤ، بار اول جولائی ۱۸۸۵ء مطبع نامی لکھنؤ  
اصول و نظائر دھرم شاستر ولیم میکناٹن بفرمانش منشی مہتاب الدین جنرل تاجر کتب لاہور، بازار کشمیری، مطبع گلزار محمدی ۱۸۹۴ء  
اصول دھرم شاستر رائے بہادر جے۔ پی۔ بھوش، ایم۔ اے۔ بی۔ ایل، ترجمہ بیچنا تھ، ایم۔ اے، ایل ایل بی، ۱۹۲۳ء، دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار حیدرآباد دکن  
دھرم شاستر منواسرتی قاری سرفراز حسین حسین مطبع چوک متی سجد یو بلڈنگ لاہور  
ہندو دھرم اور اسلام مطبع انوار الاخبار، لکھنؤ  
اصول دھرم شاستر مولانا خواجہ حسن نظامی دہلوی مطبع اقبال پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۲۳ء  
عہد حقیق کا ہندوستان اور ہندو مذہب سید محمود حسن قیصر امرہوئی، ایم۔ اے، یو۔ ایگڑ ۷ خدا بخش اورینٹل پبلک لاہوری، پٹنہ، ۱۹۹۳ء  
تحقیق دھرم شریمان بابو جگناتھ پرشاد رام پریس، میرٹھ، ۱۹۲۹ء  
قدیم ہندوستان میں ہندو مذہب [حافظ (۲۵۵ھ) کی تحریروں کی روشنی میں] ڈاکٹر ابوالنصر محمد خالدی، حیدرآباد دکن، خدا بخش اورینٹل پبلک لاہوری پٹنہ  
مذہب اور دھرم مہاتما گاندھی انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ ۱۹۲۱ء  
مذاہب عالم پریم سنگھ (پروفیسر لاہور)  
ہندو تہواروں کی دلچسپ اصلیت منشی رام پرشاد خدا بخش اورینٹل پبلک لاہوری پٹنہ، ۱۹۹۹ء  
ہندو دھرم اردو میں ڈاکٹر عطاء خورشید خدا بخش اورینٹل پبلک لاہوری پٹنہ، ۱۹۹۳ء

- ہندو دھرم اکبر کے عہد میں ابو الفضل ترجمہ فدا علی خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۲ء
- ہندو دھرم ہزار برس پہلے ابوریحان البیرونی خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۳ء
- ہندو فلسفہ مذہب اور نظام معاشرت سید حامد نئی دہلی ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۵ء
- ہندومت خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۳ء
- ہندو مذہب کیا ہے؟ مہاتما گاندھی ترجمہ مسعود فاروقی نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، ۱۹۹۵ء
- ہندوؤں کے تیوہار لالہ بال کشن خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۳ء
- ہندو مذہب مطالعہ اور جائزہ محسن عثمانی ندوی یونیورسل پریس فوڈنڈیشن، نئی دہلی
- ہندو مذہب کی معلومات (رسالہ) خواجہ حسن نظامی اقبال پرنٹنگ پریس، دہلی، ۱۹۲۳ء
- قانون ہند مولوی اکبر علی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، ۱۹۴۱ء
- قانون ہند - ہندو وراثت میکناٹن، ولیم ہے ترجمہ لالہ مکند لال نول کشور، لکھنؤ
- اصول دھرم شاستر بیچنا تھ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، ۱۹۲۳ء
- اصول دھرم شاستر منشی رام سہائے تنہا نول کشور، لکھنؤ، ۱۸۷۷ء

## **English Books**

**Hindu Law** R.K. Agarwal C.L. Agency , 30-D/I, Motilal Nehru Road, Allahabad

**Modern Hindu Law** Paras Diwan, Law Agency, Mathura Road, Faridabad

**Muslim Laws Bare Act 2006** Universal Law Publications Co. Pvt. Ltd.

**Hindu Laws Bare Act 2006** Universal Law Publications Co. Pvt. Ltd.

**Hindu Bare Act 2008** C.L. Publications 107, Darbhanga Colony, Allahabad

**Hindu Code** Dr. Hari Singh Gour Law Publishers-Sardar Patel Marg Allahabad

**Hindu Law of Marriage and Divorce** Dr. Hari Singh Gour Law Publishers-Sardar Patel Marg Allahabad

**Introduction to Modern Hindu Law** J. Duncan M. Derret Oxford University Press - 1963

**Encyclopaedia of Religion and Ethics** James Hastings, New York, Vol.13

**A dictionary of Comparative Religion** S.O.F. Brandon MA DO WEIDENFELD and NICOLSON, 5 Winsley Street London W1 Vol.1

**Muslim Law** Syed Khalid Rashid Eastern Book Company, Lucknow 2004

**Mohammedon Law** Aqil Ahmad Revised by: Prof. I.A. Khan, C.L. Agency, Allahabad

## **Hindi Books**

- Hindu Vidhi** R.K. Agarwal C.L. Agency , 30-D/I, Motilal Nehru Road, Allahabad
- Hindu Vidhi** Kamlesh Shukla C.L. Agency , 30-D/I, Motilal Nehru Road, Allahabad
- Hindu Vidhi** Dr. U.P.D. Kesari C.L. Publications , 107, Darbhanga Colony, Allahabad,  
2007
- Adhunik Hindu Vidhi** Paras Diwan, Law Agency Publications, 10 Sir P.C.C. Banerjee Road,  
Allahabad